اَللّٰہُ جَمِیْلٌ وَیُحِبُّ الْجَمَالَ

صلی اللہ علیہ وسلم

جمالِ مُصطفیٰ

از

مدنی

عبدالعزیز عرفی

گیلانی پبلشرز کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ جمیل و یحب الجمال

جمالِ مصطفیٰ

(مدنی)

بہ ترتیبِ نزولِ قرآنِ حکیم کی روشنی میں سیرتِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

جلد سوم

عبدالعزیز عرفی

(ایڈووکیٹ سپریم کورٹ و عدالت عالیہ سندھ)

گیلانی پبلشرز کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گوشہ ہائے سیرتِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم

سورۃ المطففین (پ ۳۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بڑی خرابی ہے (ناپ تول میں) کمی کرنے والوں کی کہ وہ جب اوروں سے ناپ کریں تو پورا لیں، اور جب انہیں ناپ کر یا تول کر دیں تو کم کر دیں۔ کیا انہیں اس کا یقین نہیں کہ انہیں (مرنے کے بعد) پھر اُٹھنا ہے ایک عظمت والے دن، جس دن کہ سب لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے۔
(۸۳/۶-۱)

ہادیٔ مرسلؐ کا مدینہ میں ورود ہادیٔ مرسل نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدینہ تشریف آوری سے قبل ہی اہلِ مدینہ کو آپؐ کی آمد کی خبر موصول ہو چکی تھی۔ مدینہ سے قریباً تین میل کے فاصلہ پر قبا نامی ایک بستی ہے جس کو اُن دنوں عالیہ بھی کہا جاتا تھا چونکہ یہ مدینہ کا بالائی علاقہ تھا اور ہر سو پھیلے ہوئے کھجور کے باغات تھے۔ یہاں پر یہودیوں کے علاوہ انصار کے بھی متعدد مقتدر خاندان آباد تھے جنہوں نے مکہ سے آنے والے کئی مہاجرین کو اپنے پاس ٹھہرایا ہوا تھا۔ ان مہاجر و انصار مسلمانوں کی بے چینی اور آپؐ کے دیکھنے اور استقبال کرنے کا تجسس قابلِ رشک تھا۔ ستمبر کا مہینہ، دھوپ کی تمازت اور حدّت الامان والحفیظ۔ مسلمان صُبح سویرے ہی اپنے گھروں سے نکل آتے اور آبادی سے دور مکہ کی جانب سے آنے والی شاہراہ کی طرف ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہتے کہ قافلے کے آثار نمایاں ہوں تو دوڑ کر اپنے معظم و محتشم مہمانؐ کے لیے فرشِ راہ ہو جائیں۔ لیکن جب سورج نصف النہار کو پہنچ جاتا، درختوں کے سائے بھی نظروں سے اوجھل ہونے لگتے اور انتظار کرنے والوں کی آنکھیں بھی تھک جاتیں تو وہ لوگ مہمانِ مقدسؐ کی آمد کو دوسرے دن سمجھتے ہوئے اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو جاتے، چونکہ اس شدید موسمِ گرما میں قافلوں اور مسافروں کی آمد کا وقت دن کا اوّلین حصّہ ہی ہوا کرتا تھا۔

قبا میں آمد ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء کی صبح کو بھی حسبِ معمول سورج طلوع ہوا۔ پیر کا دن تھا

بے شک بدکاروں کا نامۂ اعمال سب سے پست جگہ سجّین (فیلخانہ) میں ہوگا۔ اور تمہیں کیا معلوم کہ سجّین (والا نامۂ عمل) ہے کیا چیز؟ ایک رجسٹر ہے نشان کیا ہوا۔ (۸۳/۹-۷)

بعض روایات کے مطابق ماہ ربیع الاوّل کی آٹھ تاریخ تھی اور بعض روایات کے مطابق بارہ۔ اس دن بھی مسلمان حسبِ سابق اپنے مہمانِ مقدسؐ کے لئے چشم براہ رہے اور جب سورج نصف النہار کو پہنچنے لگا تو پھر دوسرے دن کی امید لئے اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ لیکن کچھ ہی وقت گذرا تھا کہ ایک یہودی اپنے مکان کی بالائی منزل کی کھڑکی سے پکارا۔ "اے بنی قیلہ! تمہارے دوست تمہارے رفیق جن کے تم منتظر تھے آ گئے۔" مسلمانوں نے جو یہ صدائے جانفزا سنی تو الٹے پاؤں اپنے اپنے گھروں سے آپؐ کے استقبال کے لئے دوڑ پڑے۔ مکہ کی تاریک فضاؤں سے نکلے ہوئے مسافر مدینہ کی روشن حدود میں پہنچ چکے تھے۔

قبا میں عمرو بن عوف کا خاندان ایک ممتاز حیثیت کا حامل تھا اور کلثوم بن الہدام اس عظیم خانوادہ کے سربراہ تھے۔ انہوں نے بارگاہِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں شرفِ مہمانی کی درخواست پیش کی۔ جوں ہی آپؐ نے اظہارِ قبولیت فرمایا تو پورے خاندان کے جملہ لوگوں نے جوشِ مسرت میں بہ یک آواز اللہ اکبر کا نعرہ بلند کیا کہ قرب وجوار کی وادیاں گونج اٹھیں اور اس طرح آپؐ کی آمد کی خبر گھر گھر پہنچ گئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے کلثوم بن الہدام کا مکان تمام اہلِ مدینہ کی آماجگاہ بن گیا۔ ہمہ وقت لوگ جوق در جوق بارگاہِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کے لئے آتے رہتے جب ہجوم بہت زیادہ ہونے لگا تو آپؐ کی طبعِ مبارک کو یہ گوارا نہ ہوا کہ آپؐ کی وجہ سے اہلِ خانہ کو کسی بھی طرح کی تکلیف ہو۔ لہٰذا آپؐ نے ازخود یہ فیصلہ کیا کہ دن چڑھے آپؐ حضرت سعد بن خثیمہ کے مکان پر تشریف لے جاتے جو کہ قریب ہی واقع تھا اور وہیں پر لوگوں کو شرفِ ملاقات بخشتے چونکہ حضرت سعد بن خثیمہ غیر شادی شدہ ہونے کی وجہ سے اپنے

بڑی خرابی ہے اُس دن (اُن) جھٹلانے والوں کی جو انصاف کے دن کو جھٹلا رہے ہیں۔ اور اس کو تو بس وہی جھٹلاتا ہے جو حد سے گذرنے والا ہو، گناہوں میں پڑا ہوا ہو۔ (۸۳/ ۱۲ ـــ ۱۰)

مکان میں تنہا رہا کرتے تھے۔ انہوں نے چند کنوارے مہاجر صحابۂ کرام کو بھی اپنے مکان میں ٹھہرا لیا تھا جس کی بنا پر ان کا مکان بیت الاعزاب (کنواروں کا گھر) مشہور ہو گیا تھا۔

مسجدِ قبا کی تعمیر

حضرت کلثوم بن الہدام کے مکان سے کچھ ہی فاصلے پر ان کی ایک افتادہ زمین تھی جس پر کھجوریں سکھائی جاتی تھیں۔ قبا میں قیام کے ابتدائی ایّام کے دوران ہادی مرسل نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے اسی قطعہ زمین پر مسجد کی بنیاد رکھی۔ صحابۂ کرام کے جذبۂ ایمان افروز کا یہ عالم تھا کہ دیکھتے ہی دیکھتے مسجد تعمیر ہو گئی۔ آپؐ ان کے ہمراہ خود تعمیر میں مصروف رہتے تھے۔ اسی مسجد قبا کے متعلق حق سبحانہٗ تعالےٰ کا ارشاد ہے۔

"وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو۔ اس میں ایسے لوگ ہیں جن کو صفائی بہت پسند ہے اور اللہ صاف رہنے والوں سے محبت رکھتا ہے ــ" (۹/ ۱۰۵)

ابھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قبا ہی میں مقیم تھے کہ حضرت امیر حمزہؓ بھی مکہ سے ہجرت کر کے آپؐ سے جا ملے۔ ان کے بعد ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی آپؐ کی سونپی ہوئی امانتیں ان کے مستحقین کے سپرد کر کے حاضرِ خدمت ہو گئے۔ اور اس طرح ان حضرات نے بھی چند یوم آپؐ کے ساتھ قبا میں قیام کیا۔

قبا سے روانگی

مورخین اور اربابِ سیر کے مطابق آپؐ نے قبا میں چار یوم قیام فرمایا لیکن صحیح بخاری میں آپؐ کی مدّت قیام چودہ یوم

ـــــ اور جب اسے ہماری آیات سنائی جاتی ہیں تو (جھٹلاتے ہوئے) کہتا ہے کہ یہ تو اگلے وقتوں کی کہانیاں ہیں۔ ہرگز (ایسا) نہیں (کہ روزِ جزا و سزا نہو)

بتائی گئی ہے۔ بہر صورت جمعہ کی صبح آپؐ قبا سے مدینہ کے لئے روانہ ہوئے۔ لوگوں کو آپؐ کی روانگی کا علم ہو چکا تھا لہٰذا ہر طرف سے انصار گروہ در گروہ آپؐ کی پیش قدمی کے لئے چلے آرہے تھے۔ آپؐ کے ننھیالی رشتہ دار بنو نجار کے لوگ تو جوشِ مسرت میں ہتھیار سے سج کر آئے تھے۔ بنی سالم کی وادی میں پہنچے تو جمعہ کی نماز کا وقت ہو گیا تھا لہٰذا یہاں آپؐ نے قیام فرمایا۔ جلدی جلدی ایک دوسری مسجد کی بنیاد ڈالی گئی۔ (یہ مسجد آج بھی قائم ہے اور مسجدِ قبا کو جانے والی شاہراہ کے بالکل نزدیک ہے۔ مسجد قبا سے اس کا فاصلہ بمشکل چند فرلانگ ہوگا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان دنوں یا تو راہ گھوم کر اس طرف آتی تھی یا لوگوں کا ہجوم آپؐ کے ہمراہ اتنا زیادہ تھا کہ یہ فاصلہ کئی گھنٹوں میں طے ہوا (۱۹۷۸ء کے رمضان المبارک کے دوران راقم الحروف اور شاہ بلیغ الدین کا قیام مدینہ منورہ میں تھا۔ ایک صبح مسجدِ قبا گئے تو خاص طور پر اس مسجد کو تلاش کیا اور اس میں نوافل پڑھے۔ اس وقت مسجد اکابرینِ حکومت کی بے توجہی کا مظہر تھی۔)

اس مسجد میں ہادی مرسل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام کے ساتھ نمازِ جمعہ ادا فرمائی۔ اسلام میں یہ پہلی نمازِ جمعہ تھی اور اس مسجد میں آپؐ کا دیا ہوا خطبہ ہی پہلا خطبۂ جمعہ ہے۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

آپؐ کا پہلا خطبۂ جمعہ

"تمام تر تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ اسی کی حمد کرتا ہوں اسی سے مدد مانگتا ہوں۔ اسی سے گناہوں کی معافی چاہتا ہوں اسی پر ایمان رکھتا ہوں۔ اس کا انکار نہیں کرتا بلکہ جو اس کا منکر ہے اسی سے اپنی عداوت کا اعلان کرتا ہوں اور شہادت دیتا ہوں کہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ وہ واحد ہے اور اس کا کوئی

اصل یہ ہے کہ ان کے قلوب پر ان کے کرتوتوں نے زنگ چڑھا دیا ہے۔
ہاں ہاں بے شک یہ لوگ اس دن اپنے رب کے دیدار سے محروم رہیں گے۔
(۸۳/۱۵-۱۴)

شریک نہیں۔ اور محمدؐ اس کا بندہ اور رسول ہے۔ جسے اس نے ہدایت، روشنی اور مواعظت دے کر بندوں کے لئے مبعوث فرمایا کہ بہت دنوں سے انبیاء کا آنا رک گیا تھا، جہالت اور گمراہی کا دور دورہ ہو گیا تھا۔ اور اس لئے کہ اب زمانہ ختم ہو رہا ہے، آخرت کی گھڑی آگئی ہے اور وقت قریب آپہنچا ہے۔ جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ کامیاب ہوا اور جس نے نافرمانی کی وہ راہِ راست سے بھٹک گیا، وہ حد سے متجاوز ہو گیا اور بہت دور غلط راستے پر چلا گیا۔

میں تم کو نصیحت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ یہ ایک بہترین مشورہ ہے جو ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو دے سکتا ہے کہ وہ اسے آخرت کے لئے عمل نیک کرنے کی ترغیب کرے اور اللہ کے خوف کو ہر وقت پیشِ نظر رکھنے کا حکم دے۔ پس تم اللہ سے ڈرتے رہو جیسا کہ اس نے اپنے سے ڈرایا ہے۔ اس سے بہتر نہ کوئی نصیحت ہے نہ مشورہ۔ اللہ سے ڈرنے کے معنی یہ ہیں کہ تم صدق نیت سے آخرت کے لئے اللہ کے خوف کو پیشِ نظر رکھ کر نیک اعمال کرو۔ اور جو شخص ظاہر و باطن میں حسنِ نیت کے ساتھ اللہ کی خوشنودی کے لئے عمل کرے گا اللہ اسے دنیا میں بھی اور مرنے کے بعد بھی یاد رکھے گا یہاں تک کہ قیامت برپا ہو۔ جب کہ اس (بات) کے خلاف عمل کرنے والا چاہے گا کہ کاش! اس کے اور اس کے برے عمل کے درمیان طویل فاصلہ ہوتا۔ اللہ تم کو اپنے سے ڈراتا ہے اور وہ اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے۔

قسم ہے اس ذات کی جس کا قول صادق ہے جو اپنے وعدے کو پورا

ــــــ پھر یہ لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے۔ پھر کہا جائے گا کہ یہی ہے وہ (روزِ جزا وسزا) جسے تم جھٹلایا کرتے تھے۔

ــــــ ہرگز ایسا نہیں (کہ روزِ جزا وسزا نہ ہو) بے شک نیک کام کرنے والوں کا نامۂ عمل علیین میں رہے گا۔ (۸۳/۱۸-۱۶)

کرتا ہے اور خلافِ وعدہ نہیں کرتا، وہ فرماتا ہے وَمَا یبدل القول لَدَیَّ وَمَا أنا بِظَلَّامٍ لِلعبید (ہمارے پاس خلاف وعدگی نہیں ہوتی اور ہم ہرگز بندوں پر ظلم نہیں کرتے۔) ظاہری و باطنی طور پر اپنے دنیوی اور دینی معاملات میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ کیونکہ جو اس سے ڈرتا ہے گا وہ اس کی برائیوں کے برے اثرات سے اس شخص کو محفوظ رکھے گا اور اسے بڑا اجر دے گا۔ جو اللہ سے ڈرتا رہا اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کرلی۔

اللہ کا خوف، اس کی دشمنی، عقوبت اور ناراضگی سے بچاتا ہے۔ اللہ کے خوف سے چہرے نورانی ہو جاتے ہیں۔ رب راضی ہوتا ہے۔ اور مرتبہ بلند ہوتا ہے ـــ اپنی استطاعت کے مطابق عمل کرو اور اللہ کے خوف کے مقابلہ میں حد سے تجاوز نہ کرو۔

اللہ نے اپنی کتاب نازل فرمائی ہے اور تمہارے لئے اپنا راستہ بتا دیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کون سچے تھے اور کون جھوٹے۔ لہٰذا جیسا احسان اللہ نے تمہارے ساتھ کیا ہے ویسا ہی تقویٰ تم اختیار کرو۔ اس کے دشمنوں سے دشمنی کرو اور اس کی راہ میں نیک نیتی سے جہاد کرو۔ اس نے تم کو اختیار کیا ہے اور تم کو مسلمان کیا ہے تاکہ اس حجتِ نبوت کے بعد اب جو برباد ہوتا ہے ہو، جو زندہ رہتا ہے رہے۔

تمام قوت صرف اللہ کو حاصل ہے۔ اکثر اللہ کو یاد کرتے رہو۔ آخرت کے لئے عمل کرو۔ جو شخص اللہ سے اپنی بات بنائے گا اللہ پھر سب میں اس کی بات بنا دے گا اور یہ اس لئے کہ اللہ ہی کا فیصلہ لوگوں پر نافذ ہے۔ ان کی کوئی بات اس پر نہیں چلتی اور وہ تمام لوگوں کا مالک ہے، لوگ اس کے قطعی مالک نہیں۔ اللہ سب سے بڑا ہے اور تمام قوتیں صرف اللہ بزرگ و برتر کو حاصل ہیں۔"

— اور تمہیں کیا معلوم کہ علیّین (والا نامۂ عمل) ہے کیا چیز؟ ایک رجسٹر ہے نشان کیا ہوا۔ جس کو مقرب فرشتے دیکھتے ہیں۔ (۸۳/۲۱-۱۹)

آپؐ کا والہانہ استقبال

نماز جمعہ سے فارغ ہوئے تو حضور خیر البشر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پھر اپنے ناقہ قصویٰ پر سوار ہوئے اور شہر مدینہ کی طرف روانگی ہوئی۔ ہر سو شمعِ رسالتؐ کے پروانوں کا جھرمٹ تھا۔ لوگ جوق در جوق آپؐ کے استقبال کے لئے چلے آ رہے تھے۔ ایک سیلِ محبّت تھا کہ ہر طرف سے امڈ رہا تھا۔ راہ میں آباد انصار کے خاندان نعرہ ہائے خوش آمدید بلند کرتے اور ہر خاندان کا سربراہ آپؐ کی خدمت میں عرض کرتا "اے اللہ کے رسولؐ! ہم تعداد، ساز و سامان اور عزّت میں زیادہ ہیں اور یہ گھر، مال اور جانیں آپؐ کے لئے ہیں تشریف لائیے۔" آپؐ ارشاد فرماتے۔ "خَلُّوْ سَبِيْلَهَا فَاِنَّهَا مَامُوْرَة" (اس کا راستہ چھوڑ دو کیونکہ وہ اونٹنی اللہؐ کی طرف سے مامور ہے)۔ جب آپؐ کی سواری شہر کی حدود میں داخل ہوئی تو انصار کی پردہ نشین خواتین اپنے اپنے مکانوں کی چھتوں پر آ گئیں اور آپؐ کی آمد کی خوشی میں گانے لگیں۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا	چودہویں کا چاند ہم پر چمکا
مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاع	کوہِ وداع کی گھاٹیوں سے
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا	ہم پر خدا کا شکر واجب ہے
مَا دَعَىٰ لِلّٰهِ دَاع	جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں۔

معصوم لڑکیاں بھی دف بجا بجا کر گا رہی تھیں۔

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِي النَّجَّار	ہم خاندانِ نجّار کی لڑکیاں ہیں
يَا حَبَّذَا مُحَمَّدًا مِنْ جَار	محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا ہی اچھا ہمسایہ ہے۔

اسی سیلِ محبّت میں اونٹنی قصویٰ متانت اور تفاخر کے ساتھ آگے بڑھتی رہی، نعرہ ہائے خوش آمدید ہر سو مسرتِ بے پایاں کے پھول برساتے رہے۔ شوق مچلتا رہا اور کاروں

بے شک نیک کام کرنے والے بڑی راحت میں ہوں گے۔ مسہریوں پر (بیٹھے) دیکھ رہے ہوں گے۔ تو (اے شخص) ان کے چہروں ہی سے راحت کی تازگی پہچان لے گا۔ انہیں پینے کو شرابِ خالص ملے گی جس پر مشک کی مہر ہو گی اور ایسی ہی چیز کی حرص کرنی چاہیئے حرص کرنیوالوں کو۔ (۸۳/۲۶-۲۲)

بڑھتا گیا حتیٰ کہ اونٹنی اس مقام پر پہنچی جہاں آج مسجدِ نبوی کی پُرشکوہ عمارت عاشقانِ مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی منزلِ مراد ہے۔ اونٹنی بیٹھ گئی لیکن آپؐ اسی طرح اونٹنی پر بیٹھے رہے۔ اونٹنی خود بخود پھر کھڑی ہو گئی۔ اونٹنی کی مہار کسی کے ہاتھ میں نہ تھی۔ اس نے اِدھر اُدھر چکر لگائے اور پھر اسی مقام پر بیٹھ گئی جہاں پہلے بیٹھی تھی اور اس مرتبہ اس نے اپنے پچھلے پاؤں بھی زمین پر جما دیئے۔ اور جیسے یہ تصدیق تھی رضائے باری تعالیٰ اللہ کی، آپؐ بھی اونٹنی سے نیچے اُتر آئے۔ حضرت ابوایوب خالدؓ بن زید شرفِ میزبانی کی امید دل سے لگائے قریب ہی کھڑے تھے۔ انہوں نے آپؐ کی کاٹھی اونٹنی پر سے اٹھائی اور اس جگہ سے متصل اپنے گھر لے گئے دیگر حضرات نے بھی آپؐ سے شرفِ میزبانی کی درخواست کی۔ آپؐ نے فرمایا "آدمی وہاں جہاں اس کا کجاوہ" اور اس طرح بنی نجار کے ابوایوبؓ انصاری کو شرفِ میزبانی عطا ہو گیا۔

آپؐ کا قیام ابوایوبؓ انصاری کے مکان پر

حضرت ابوایوبؓ انصاری کا مکان دو منزلہ تھا لہٰذا انہوں نے بالائی منزل کی پیش کش کی تاکہ وہ آپؐ کے قدموں تلے رہیں لیکن آپؐ نے اپنے مہمانوں کی سہولت کے پیشِ نظر نچلی منزل پر ہی رہنا پسند فرمایا۔ حضرت ابوایوبؓ نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا۔ "اے اللہ کے نبیؐ! آپؐ پر میرے ماں باپ فدا ہوں میں یہ بڑی بے ادبی سمجھتا ہوں کہ میں آپؐ سے اوپر رہوں

—— اور اس کی آمیزش تسنیم سے ہو گی، وہ چشمہ جس سے مقرب بندے پئیں گے۔
—— اور جو لوگ مجرم تھے، وہ ایمان والوں پر ہنسا کرتے تھے اور جب ان کے سامنے سے گذرتے تھے تو آپس میں ان پر آنکھوں سے اشارے کرتے اور جب اپنے گھروں کو جاتے تو دل لگیاں کرتے تھے۔
(۸۳/۳۱-۲۷)

اس لئے آپؐ اوپر کی منزل میں تشریف فرما ہوں۔" محسنِ انسانیت نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "ہمارے اور ان لوگوں کے درمیان جو ہمارے پاس آتے جاتے ہیں یہی بات آرام دہ ہے کہ ہم نچلی منزل پر رہیں۔" اللہ اکبر آپؐ کا جذبۂ ہمدردی اور انکساری۔

مسجد نبوی کی تعمیر حضرت ابو ایوبؓ انصاری کے مکان میں سرورِ دین رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام تقریباً سات ماہ تک رہا۔

ہجرت کے ابتدائی چند ہفتوں کے دوران مسجد قبا اور مسجد جمعہ کی تعمیر کے بعد مسجد نبوی کی تعمیر بھی عمل میں آئی۔ آپؐ کی قیام گاہ کے قریب ہی بنی نجار کی ایک قطعہ زمین افتادہ پڑی تھی جس میں چند پرانی قبریں تھیں اور چند کھجور کے درخت۔ آپؐ نے ان لوگوں کو بلا کر فرمایا۔ "میں یہ زمین قیمتاً لینا چاہتا ہوں" انہوں نے جواب دیا۔ "اے اللہ کے نبیؐ! قیمت تو ہم لیں گے لیکن آپؐ سے نہیں اللہ سے۔" آپؐ کو معلوم ہوا کہ دراصل وہ زمین ان لوگوں میں سے دو یتامیٰ کی ہے۔ لہٰذا آپؐ نے ان کو بھی بلا لیا۔ ان یتیم بچوں نے بھی وہ قطعۂ زمین آپؐ کی نذر کرنا چاہا لیکن آپؐ نے پسند نہ کیا۔ لہٰذا ابو ایوبؓ نے قیمت ادا کر دی۔

بعدہٗ صحابۂ کرام نے قطعۂ زمین کو ہموار کیا اور مسجد کی تعمیر میں مصروف ہو گئے مہاجر اور انصار سب ہی آپؐ کی معیت میں مزدور اور معمار بنے ہوئے تھے۔ اینٹیں اور پتھر اٹھاتے وقت یہ یک آواز سب کہتے

اَللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ اِلَّا خَيْرُ الْاٰخِرَةِ (اے اللہ کامیابی صرف آخرت کی کامیابی ہے)
فَاغْفِرِ الْاَنْصَارَ وَالْمُهَاجِرَةَ (اے اللہ مہاجرین اور انصار کو بخش دے)

— اور جب انہیں دیکھتے تو کہا کرتے تھے کہ یہ کیسے بھٹکے ہوئے لوگ ہیں حالانکہ یہ ان پر نگراں بنا کر نہیں بھیجے گئے۔ (۸۳/۳۳-۳۲)

کچی اینٹوں سے دیواریں اٹھائی گئیں، کھجور کے تنوں کے ستون نصب ہوئے اور کھجور کے پتوں کا چھپر ڈالا گیا۔ فرش کچا تھا بعد میں سنگریزے بچھا کر پختہ بنا لیا گیا۔ اور اس طرح حرمِ کعبہ کے بعد اہمیت کی حامل مسجدِ نبوی کی تعمیر ہوئی جس کے ارد گرد اسلامی رشتوں میں منسلک انصار اور مہاجرین مدینہ میں رچنے بسنے لگے۔

مدینہ کا ماحول

مدینہ ایک چھوٹا سا کاروباری شہر تھا۔ آبادی سے ملحق سرسبز و شاداب کھجوروں کے باغات اور چراگاہیں تھیں جن کے مالک یہودی قبائل بنی قینقاع، بنی نضیر اور بنی قریظہ تھے۔ اوس و خزرج اور ان کے حلیف قبائل بھی مدینہ اور اس کے نواحی علاقوں میں آباد تھے لیکن یہودیوں کے مقابلہ میں اُنکی اقتصادی حالت انتہائی پست رہی تھی یہ لوگ ہمیشہ یہودی ساہوکاروں کے مقروض رہا کرتے تھے جن کی سرمایہ پرست ذہنیت کا یہ عالم تھا کہ قرضے کی کفالت میں مقروض کے بچے اور عورتیں تک رہن رکھ لیتے۔ دولت کی ہوس نے ان ظالموں کو نہ صرف اخلاقی اعتبار سے پست کر رکھا تھا بلکہ یہ اپنے دین سے بھی دور جا پڑے تھے۔ بہر قیمت اور بہر صورت دولت کا حصول ان کا مقصدِ حیات تھا۔ جائز یا ناجائز، حلال اور حرام کی تمیز باقی نہ رہی تھی۔ ناپ تول کے معاملے میں انتہائی بے ایمان تھے۔ جس کو بھی تول کر یا ناپ کر دیتے تو کم دیتے اور جس سے لیتے تو بے ایمانی کے بل پر زیادہ لینے کی کوشش کرتے۔ یہ لعنت مدینہ کی منڈیوں کی ایک عام خصوصیت بن گئی تھی۔ مجبور و بے کس انسان جانتے بوجھتے ان لوگوں کی بے ایمانی کا شکار ہوتے تھے۔

درج بالا سورۂ مبارکہ کی ابتدائی آیات میں حق سبحانہٗ تعالےٰ نے اپنے حبیب احمدِ مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سرمایہ پرستوں کی اسی انسانیت

___ سو آج (روزِ قیامت) ایمان والے کافروں پر ہنستے ہوں گے مسہریوں پر بیٹھے دیکھ رہے ہوں گے۔ واقعی کافروں کو ان کے کرتوتوں کا بدلہ خوب مل کر رہا۔ (۸۳/۳۶-۳۴)

سو زحرکت کی طرف توجہ دلائی اور انہیں متنبہ کیا کہ کیا وہ اس روزِ قیامت پر یقین نہیں رکھتے جبکہ سب کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا اور ان کے اعمال کی جزا و سزا کا حساب کیا جائے گا۔؟

قرآن کی طرح تورات میں بھی روزِ قیامت کا کئی مقامات پر ذکر کیا گیا تھا اور اس طرح مسلمانوں کی طرح روزِ قیامت پر یقین رکھنا یہودیوں کے لئے بھی ایمان کا جز تھا۔ تورات کے باب ملا کی کے الفاظ ہیں۔

"___ کیونکہ دیکھو وہ دن آتا ہے جو بھٹی کی مانند سوزاں ہوگا تب سب مغرور اور بدکردار بھوسے کی مانند ہوں گے اور وہ ان کو ایسا جلائے گا کہ شاخ و بن کچھ نہ چھوڑے گا۔ رب الافواج فرماتا ہے۔" (۴/۲-۱)

لیکن یہودی دولت کی ہوس اور سرمایہ پرستی میں اپنی دینی تعلیمات کو بھی فراموش کر چکے تھے۔ اور اپنے اعمال بد کے ذریعہ اللہ کے احکامات کو مسلسل جھٹلا رہے تھے۔ لہٰذا درج بالا آیات میں حق سبحانہٗ تعالےٰ نے قیامت سے متعلق پھر ایک بار وضاحت فرمائی۔ چونکہ قیامت پر یقینِ محکم رکھنا ہی انسانیت کی بقا، سربلندی اور عظمت کی ضمانت ہے۔

(بحوالہ نسائی، ابنِ ماجہ بروایت حضرت ابنِ عباس، تاریخ طبری حصّہ اول، سیرت رسول اللہؐ، ابنِ کثیر، توریت)

سُورَۃُ البَقَرَۃ (پ ۱)

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

الٓمّٓ ! یہ (اللہ) کی کتاب ہے، کوئی شک اس میں نہیں۔ ہدایت ہے (یہ اللہ سے) ڈر رکھنے والوں کے لئے۔ (۲/۲—۱)

آپؐ کا یہودیوں کے ساتھ پُر شفقت برتاؤ

مدینہ اور اس کے نواحی علاقوں میں یہودیوں کی آبادیاں خاصی قدیم تھیں۔ پہلی صدی عیسوی میں جبکہ رومیوں نے بیت المقدس کو تاراج کیا تھا تو وہاں پر آباد یہودی اپنی جان و مال کے تحفظ کی خاطر مختلف سمتوں میں فرار ہو گئے تھے ان ہی میں کا ایک گروہ علاقۂ حجاز میں مدینہ کے مقام پر آکر پناہ گزیں ہوا تھا۔ بنی نضیر، بنی قریظہ اور بنی قینقاع قبائلِ یہود ان ہی پناہ لینے والوں کی نسل سے بتائے جاتے ہیں۔ مؤرخ یعقوبی اور مسعودی کے مطابق نضر اور قریظہ دراصل عرب تھے لیکن بعد میں یہودی ہو گئے تھے۔ مارگولیس (Margoleuth) کی تحقیقات کے مطابق مدینہ کے مذکورہ قبائل میں ایک دو خاندان ہی اصل یہودی تھے باقی افراد عرب تھے جو کہ رفتہ رفتہ یہودی بنے۔ مارگولیس کی رائے سے شبلی نے بھی اتفاق کیا ہے۔ بہر صورت مدینہ کے یہودی بڑے با اثر، خوشحال اور طاقتور تھے۔ مدینہ کے اطراف میں ان لوگوں نے بڑے بڑے مضبوط بُرج اور قلعے تعمیر کر رکھے تھے۔ ان کے برعکس قبائل انصار اقتصادی طور پر خوش حال نہ تھے۔ اوس اور خزرج کی طویل معرکہ آرائی نے ان کی کمر توڑ رکھی تھی۔ دراصل اس معرکہ آرائی میں بھی یہودیوں کا بڑا ہاتھ تھا چونکہ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر مذکورہ قبائل متحد ہو گئے تو ان کا زور اور اثر ختم ہو جائے گا۔ لہٰذا یہ لوگ اپنی سیاست اور اقتصادی خوشحالی کی بنا پر ہمیشہ اوس اور خزرج کو لڑاتے رہتے تھے۔ ان کا آخری معرکہ جنگِ بعاث تھا جو کہ حضور محسنِ انسانیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے چند سال پہلے ہوا تھا۔

جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں۔ (۲/۳)

مذکورہ باتوں کے باوجود یہودی اہلِ کتاب تھے، توحید کے نام لیوا اور حضرت موسیٰؑ کی امت سے تھے۔ حضرت موسیٰؑ اور یہود کے دیگر انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ مکہ میں نازل ہونے والی سورتوں میں آچکا تھا۔ لہٰذا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ کی فضا مکہ کے مقابلے میں روشن اور ہمت افزا معلوم ہوئی۔ آپؐ نے یہودیوں کو پیغامِ ربانی کے زیادہ نزدیک سمجھتے ہوئے ان کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا۔ ان کے ساتھ زیادہ محبت اور شفقت سے پیش آئے۔ حتیٰ کہ اپنے ذاتی ملازم اور کاتبِ وحی بھی یہودیوں میں سے مقرر فرمائے۔ لیکن جس محبت اور خلوص کا اظہار آپؐ کی طرف سے ہوا اس کا یہودیوں کی طرف سے وہ جواب نہ ملا جو کہ تقاضۂ انسانیت تھا۔ حالانکہ یہودیوں کے ہاں زمانۂ قدیم سے ایک روایت کا تذکرہ چلا آرہا تھا کہ اللہ تعالےٰ نے ایک اور کتاب نازل کرنے اور بنی اسمٰعیل میں سے ایک نبی مبعوث فرمانے کا وعدہ کیا ہے اس روایت کی تصدیق توریت سے بھی ہوتی تھی جس کے الفاظ ہیں۔

"میں ان کے لیے ان ہی کے بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کروں گا اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا اور جو کچھ میں اُسے حکم دوں گا وہی وہ ان سے کہے گا۔ اور جو کوئی میری ان باتوں کو جن کو وہ میرا نام لے کر کہے گا نہ سُنے تو میں اُن کا حساب ان سے لوں گا۔"

(استثنا ۱۸/۲۰-۱۹)

اس روایت کی تصدیق ان ہی دنوں کے ایک واقع سے بھی ہوتی ہے جس کو بعد میں حضرت عبداللہ بن سلام نے خود بیان کیا۔ عبداللہ بن سلام نسباً یہودی تھے بعد میں مسلمان ہوگئے۔ اپنی علمیت اور دولت و ثروت کی بنا پر مدینہ کے

اور وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں اس پر جو آپ پر نازل کیا گیا ہے اور اس پر جو آپ سے قبل اتارا گیا ہے، اور آخرت پر بھی (وہ لوگ) پورا یقین رکھتے ہیں۔ (۲/۴)

یہودیوں میں ایک ممتاز حیثیت کے حامل تھے۔ انہوں نے بھی حضور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے متعلق سُن رکھا تھا ___ جس وقت ہادی مرسل صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے قبا پہنچے تو یہ اپنے کھجوروں کے باغ میں ایک درخت کے اوپر چڑھے ہوئے کسی کام میں مصروف تھے کہ کسی شخص نے یہ خبر پہنچائی۔ اسی واقعہ کو بیان کرتے ہوئے عبداللہ بن سلام نے بروایت ابنِ ہشام بتایا۔ "جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر سُنی تو درخت پر ہی تکبیر کہی۔ میری پھوپھی خالدہ بنت الحارث درخت کے نیچے بیٹھی تھی اس نے جب میری زبان سے تکبیر سُنی تو کہا کہ اگر تو موسیٰؑ بن عمران کی تشریف آوری کی خبر سُنتا تو اس سے زیادہ کچھ نہ کرتا۔ میں نے کہا کہ پھوپھی جان! اللہ کی قسم وہ موسیٰؑ بن عمران کا بھائی ہے۔ ان ہی کے دین پر ہے اور اسی چیز کے ساتھ بھیجا گیا ہے جس کے ساتھ وہ بھیجے گئے تھے۔ پھر تو میری پھوپھی نے کہا کہ بابا! کیا یہ وہی نبی ہیں جن کی خبر ہمیں دی جاتی رہی ہے۔"

مذکورہ واقعہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ علمائے یہود کے علاوہ ان کا پڑھا لکھا طبقہ بھی ہادی مرسل نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیتِ نبوت سے اچھی طرح آگاہ تھا۔ اس ضمن میں ان ہی ایام کا ایک اور واقعہ اُمّ المومنین حضرت صفیہؓ نے بیان فرمایا ہے۔ حضرت صفیہؓ بنی نضیر کے سردار حُیّی بن اخطب کی صاحبزادی تھیں جنگِ خیبر کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں داخل ہوئیں جس کا تذکرہ بعد میں کیا جائے گا۔ ان کا ارشاد ہے کہ۔ "جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور قبا میں عمرو بن عوف (کے محلّہ) میں نزول فرمایا تو دوسرے

یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔

(اے حبیبؐ!) بے شک جو لوگ کفر (اختیار) کئے ہوئے ہیں اُن کے حق میں یکساں ہے خواہ آپ اُنہیں خبردار کریں یا نہ کریں وہ ایمان نہ لائیں گے۔
(۲/۶-۵)

روز صبح سویرے میرے والد حیّی بن اخطب اور چچا ابو یاسر بن اخطب آپؐ سے ملنے گئے۔ وہ سورج ڈوبنے تک واپس نہ آئے۔ جب وہ آئے تو دونوں تھکے ماندے تھے اور ایسی سُست رفتار سے چل رہے تھے گویا وہ گرے پڑتے ہوں۔ میں ہشاش بشاش ان کی طرف گئی جس طرح کہ ہمیشہ جایا کرتی تھی تو اللہ کی قسم دونوں میں سے کسی نے بھی میری جانب توجّہ نہ کی جو بات کہ خلافِ معمول تھی دراصل وہ دونوں غم میں مبتلا تھے میں نے چچا ابو یاسر کو اپنے والد سے کہتے سُنا۔ ''کیا یہ وہی ہے؟'' میرے باپ نے جواب دیا۔ ''بخدا۔ ہاں''، چچا نے پھر کہا۔ ''کیا آپ اُسے جانتے ہیں اور تحقیق کر لی ہے۔'' میرے باپ نے پھر کہا۔ ''ہاں''، چچا نے پھر کہا۔ ''پھر آپ کے دل میں اُسؐ کے متعلق کیا خیال ہے۔'' میرے باپ نے کہا۔ ''واللہ جب تک زندہ رہوں گا اُسؐ سے دشمنی رہے گی۔''

ان واقعات سے یہ بات ثابت ہے کہ یہودیوں کے یہاں نئے نبیؐ کے آنے کا تصوّر تو موجود تھا لیکن وہ نئے نبی کی آمد کو یہودیوں میں سے سمجھ رہے تھے اور اسی لئے قریش میں سے نئے نبیؐ کی آمد کو انہوں نے یہودیت کے منافی سمجھا۔

بہرحال اس طرح کی باتیں یہودیوں کے درمیان تو تھیں لیکن عام طور پر ظاہر نہ ہوئی تھیں۔ حضور محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تو اظہار محبّت ہو رہا تھا اور پیغامِ حق کی تلقین بھی تھی آپؐ کے یہاں نہ دشمنی کا عنصر تھا اور نہ نفرت کا وجود۔ کچھ یہی شب و روز رہے ہوں گے کہ درج بالا آیاتِ ربانی کا نزول ہوا اور واضح طور پر بتا دیا گیا کہ بے شک یہ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔ بمطابق خازن یہ اشارہ یہود

مہر لگا دی ہے اللہ نے ان کے قلوب پر اور ان کے کانوں پر، اور ان کی آنکھوں
پر پردہ (پڑا) ہے اور ان کے لئے بڑا ہی عذاب ہے۔ (۲/۷)

کی طرف تھا جن کو بتایا گیا کہ یہ قرآن بے شک وہی کتاب ہے جس کا ان سے وعدہ
کیا گیا تھا۔ اور یہ بات زیادہ قرینِ قیاس بھی معلوم ہوتی ہے چونکہ توریت کے
مندرجہ اقتباس کے الفاظ " جو کچھ میں اسے حکم دوں گا وہی ان سے کہے گا۔ "
اسی امر حق کی طرف اشارہ ہیں۔ بہر صورت درج بالا آیات میں قرآن کی حقانیت
بیان کرتے ہوئے واضح طور پر بتا دیا گیا کہ قرآن صرف ان ہی لوگوں کے لئے
ہدایت ہے جو کہ حق سبحانہ تعالیٰ سے ڈرتے رہتے ہیں، اور وہی لوگ غیب پر ایمان
رکھتے ہیں، نماز پابندیٔ وقت کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور تھوڑا یا بہت جو کچھ
بھی اللہ تعالیٰ نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے اللہ کی رضا کے لئے خرچ
کرتے رہتے ہیں۔

اور یہی باتیں آپؐ کا عمل تھیں اور ان ہی کی تلقین بلا تخصیص رنگ و نسل
آپؐ ہر ایک کو فرما رہے تھے۔ لیکن افسوس مدینہ کے یہودی اہلِ کتاب ہونے
اور آپؐ کی نبوت سے آگاہ ہونے کے باوجود اس راہِ خیر سے گریزاں تھے جو خود
ان کے دین کا جز تھی۔

(بحوالہ خازن، یعقوبی ج ۲، الاشرف والتنبیہ (مسعودی)
تورات، ابنِ کثیر، ابن الحق، ابنِ ہشام، سیرت النبی)

مدینہ کے انصار اور منافقین

وقت کے ساتھ ساتھ مدینہ میں مسلمانوں کی تعداد میں
اضافہ ہو رہا تھا۔ مکہ میں رہ جانے والے باقی
مسلمان بھی ہجرت کر کے رفتہ رفتہ مدینہ پہنچ رہے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کی دوسری زوجہ محترمہ حضرت سودہؓ بنت زمعہ، آپؐ کی صاحبزادیاں حضرت زینبؓ،
حضرت امِ کلثومؓ اور حضرت فاطمہؓ بھی مکہ میں رہ گئیں تھیں۔ مسجدِ نبویؐ سے ملحق جب دو

___ اور کچھ لوگ کہتے ہیں۔ "ہم ایمان لائے اللہ اور روز آخرت پر۔" حالانکہ وہ ایمان والے نہیں ہیں۔ دھوکا دینا چاہتے ہیں اللہ اور ایمان والوں کو، حالانکہ وہ دھوکا کسی کو بھی نہیں دیتے علاوہ اپنی ذات کے اور اس کا انہیں شعور نہیں۔ ان کے دلوں میں بیماری ہے، سو اللہ نے ان کی بیماری اور بڑھادی اور ان کے لیئے دردناک عذاب ہے بدلا ان کے جھوٹ کہنے کا۔ (۲/۱۰ ۔ ۸)

حجرے تعمیر ہو گئے تو آپؐ نے زید بن حارثہ اور ابو رافع کو دو اونٹ اور پانچ سو درہم دیکر مکہ روانہ کیا کہ وہ آپؐ کے اہل بیت کو مدینہ لے آئیں۔ یہ دونوں صحابۂ کرام حضرت زینبؓ کے علاوہ باقی اہل بیت کو لے کر مدینہ پہنچ گئے۔ حضرت زینبؓ ابوالعاص بن الربیع کے نکاح میں تھیں جو کہ ابھی تک مشرکین میں شامل تھے انہوں نے ان کو بجائے مدینہ روانہ کرنے کے قید میں ڈال دیا۔ ان کے اس ظالمانہ قدم سے عیاں تھا کہ مشرکین قریش کی طرف سے آپؐ کے خلاف دشمنی میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ اور ان کے عزائم خطرناک تھے مسلمانوں کی صفوں میں استحکام مشرکین مکہ اور دشمنان حق کو بڑا شاق گزر رہا تھا۔

ان ہی دنوں عبد بن ابی بکر بھی حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عیال کو لے کر مدینہ چلے آئے تھے ان میں حضرت عائشہؓ بھی شامل تھیں جن کا نکاح تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو چکا تھا لیکن رخصتی نہ ہوئی تھی لہٰذا وہ مدینہ آکر اپنے والد ماجد کے مکان پر ہی رہیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں حضرت سعدؓ بن عبادہ، حضرت سعدؓ بن معاذ، حضرت خالدؓ بن حزم اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکانات تھے۔ یہ حضرات نہ صرف ہمہ وقت آپؐ کی خدمت میں رہنے کی کوشش کرتے تھے بلکہ اکثر دودھ اور کھانے کی دیگر اشیاء بطور تحفہ حضورؐ کی بارگاہ میں پیش کرتے رہتے تھے حضرت سعدؓ بن عبادہ نے تو یہ روز کا ہی معمول بنا رکھا تھا کہ ایک بڑا بادیہ سالن یا گھی آپؐ کے حضور پیش کرتے۔ آپ ہدیہ میں آئی ہوئی چیزوں سے بقدرِ ضرورت لے لیتے اور باقی تمام اشیاء ان صحابۂ کرام

——— اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین پر فساد مت پھیلاؤ تو کہتے ہیں ——— "ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں۔" سن رکھو! حقیقتاً وہی لوگ فسادی ہیں مگر انہیں اس کا بھی شعور نہیں۔

——— اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لے آؤ جیسا کہ (دوسرے) لوگ ایمان لائے ہیں، تو کہتے ہیں۔ "کیا ہم احمقوں کی طرح ایمان لے آئیں؟۔" سن رکھو!! وہی احمق ہیں مگر اس کا بھی علم نہیں رکھتے۔

——— اور جب ایمان والوں سے ملیں تو کہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوں، تو (ان سے) کہیں۔ "ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو یوں ہی ہنسی کرتے ہیں۔" (۲/۱۴—۱۱)

کو عطا فرما دیتے جو مفلوک الحال اور مساکین تھے۔

ان ہی دنوں حضرت انس رضؓ کی والدہ نے اپنی کچھ جائیداد بطور ہدیہ آپؐ کی خدمت میں پیش کی آپؐ نے اس کو قبول تو فرمایا لیکن بعد میں وہی جائیداد اُم ایمن کو عطا فرما دی جو کہ ان دنوں دیگر مہاجرین کی طرح بہت مفلوک الحال تھیں۔ اُم ایمن آپؐ کے والد ماجد حضرت عبداللہ کی کنیز تھیں بچپن ہی سے ان کے ساتھ رہی تھیں ان کے انتقال کے بعد آپکی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ کے ساتھ رہیں اس طرح ہادی مرسلؐ کی پرورش و پرداخت میں ان کا بڑا ہاتھ تھا۔ حضورؐ ان کی بڑی عزت کیا کرتے تھے اور ہمیشہ ادب و احترام سے پیش آتے تھے۔

عام لوگوں کے ساتھ آپؐ کا یہی جذبۂ محبت، ادب اور احترام، اور حاجتمندوں کے ساتھ مشفقانہ عملِ خیر دیگر لوگوں کے لئے راہِ عمل بن گیا تھا۔ ہر صاحبِ حیثیت ہر ایک حاجتمند کی مدد کے لئے کوشاں رہتا تھا۔ مہاجرین کے مقابلے میں انصار خوشحال تھے لہٰذا وہ ہر طریقے سے غریب مہاجرین کا خیال اور لحاظ رکھا کرتے تھے۔

مواخات

ایک دن آپؐ حضرت اُم انس کے مکان پر تشریف فرما تھے۔ انصار اور مہاجرین صحابۂ کرام بھی خاصی بڑی تعداد میں حاضرِ خدمت تھے۔ آپؐ

ــــ اللہ ان (منافقین) سے استہزا (ہنسی) کرتا ہے اور (اس طرح) انہیں ڈھیل دیئے جاتا ہے کہ یہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدلی ہے مگر یہ سودا ان کے لیے نفع بخش نہیں ہے اور یہ ہرگز سودے کی راہ جانتے ہی نہیں ہیں۔ ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی۔ تو اس سے جب آس پاس جگمگا اٹھا تو اللہ نے ان کی روشنی لے لی اور انہیں اندھیریوں میں چھوڑ دیا کہ انہیں کچھ نہیں سوجھتا۔ وہ بہرے، گونگے، اندھے ہیں تو وہ اب واپس نہ ہوں گے۔ (۲/۱۸ــ۱۵)

نے انہیں خطاب فرماتے ہوئے اللہ کی رضا اور خوشنودی کی خاطر آپس کی محبت اور اخوت کے رشتوں کو اور زیادہ مضبوط کرنے کی دعوت دی۔ ارشاد ہوا۔ تَآخَوْا فِی اللّٰہِ اَخَوَیْنِ اَخَوَیْنِ (اللہ کی راہ میں دو دو شخص بھائی بھائی بن جاؤ) اور پھر پہلی مثال خود اپنی ذاتِ اقدس سے پیش کرتے ہوئے آپؐ نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا۔ ھٰذَا اَخِیْ (یہ میرا بھائی ہے)۔ بعدہٗ آپؐ نے انصار اور مہاجرین سے ایک ایک آدمی کو اپنے قریب بلایا اور فرمایا۔ "یہ دونوں بھائی بھائی ہیں۔" اس طرح حضرت ابو بکرؓ اور حضرت خارجہؓ بن زید انصاری، حضرت عمرؓ اور حضرت عتبانؓ بن مالک انصاری، حضرت عثمانؓ اور حضرت اوسؓ بن ثابت انصاری، حضرت ابو عبیدہؓ جراح اور حضرت سعدؓ بن معاذ انصاری، حضرت مصعبؓ بن عمیر اور ابو ایوبؓ انصاری، حضرت بلالؓ اور حضرت ابو رویحہؓ، حضرت عمارؓ بن یاسر اور حضرت حذیفہؓ بن یمانی ایک دوسرے کے بھائی قرار دیئے گئے۔

یہ رشتۂ مواخات (بھائی بندی) گو وقت کی ضرورت کے تحت عمل میں آیا تھا۔ لیکن یہ حبیبِ ربانی صلی اللہ علیہ وسلم کا دستِ فیضان تھا کہ قبیلہ و نسل اور ذات و رنگ کے اختلاف بے معنی ہو کر رہ گئے۔ قلوب میں وہ کشادگی اور ایثار کا جذبہ پیدا ہوا کہ دنیا

یا ان (منافقین) کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے برستا ہوا پانی کہ اس میں اندھیریاں ہیں اور گرج اور چمک۔ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس رہے ہیں کڑک کے سبب موت کے ڈر سے، اور اللہ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے۔ بجلی یوں معلوم ہوتی ہے کہ ان کی بینائی ہی اچک لے جائے گی جب کچھ چمک ہوئی تو چلنے لگے اور جب اندھیرا ہوا کھڑے رہ گئے۔ اور اللہ چاہتا تو ان کے کان اور آنکھیں سلب کر لیتا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔
(۲/۲۰-۱۹)

کا کوئی بھی معاشرۂ انسانی اس کی مثال دینے سے قاصر ہے۔ ہر ایک انصاری اپنے مہاجر بھائی کو اسی وقت اپنے گھر لے گیا اور اس کو اپنے گھر کی ایک ایک چیز دکھا کر اسے نصف کا مالک قرار دے دیا۔ حضرت سعد بن الربیع انصاری کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رشتۂ مواخات میں منسلک ہوئے تھے لہٰذا وہ بھی انہیں اپنے گھر لے گئے۔ جب حضرت سعد گھر کی تمام اشیاء میں انہیں نصف کا مالک قرار دے چکے تو کہنے لگے۔ "اے بھائی عبدالرحمٰن! میری دو بیویاں بھی ہیں میں ان میں سے کسی ایک کو طلاق دیئے دیتا ہوں تم اس سے نکاح کر لو۔" اللہ اکبر! کیا جذبہ عظیم تھا۔ بہر حال حضرت عبدالرحمٰن نے ان کے جذبۂ محبت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے عرض کیا۔
"اے بھائی سعد! اللہ تعالیٰ آپکو یہ سارا سامان مبارک کرے مجھے تو کسی بڑے بازار کا پتہ بتا دیجئے۔" لہٰذا وہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کو بنی قینقاع کے بازار میں لے گئے جہاں انہوں نے گھی اور پنیر کی خرید و فروخت کا کام شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں وہ برکت عطا فرمائی کہ کچھ ہی عرصہ میں نہ صرف ان کا کاروبار مستحکم ہو گیا بلکہ انہوں نے شادی کر کے اپنا گھر بھی بسا لیا۔ اسی طرح دیگر صحابۂ کرام نے بھی مدینہ کی منڈیوں میں دکانیں کھول لیں حضرت ابوبکرؓ نے مقام سنح پر کپڑے کا کارخانہ قائم کیا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے بھی بنو قینقاع کے بازار میں کھجور کی خرید و فروخت کا کاروبار شروع کر دیا۔ نادار اور مفلوک الحال صحابۂ کرام کے علاوہ تقریباً سب ہی نے چھوٹی بڑی تجارت شروع کر دی جس سے ان کی کفالت کے سامان پیدا

—— اے انسانو! عبادت کرو اپنے پروردگار کی جس نے تمہیں اور تم سے قبل والوں کو پیدا کیا، یہ امید کرتے ہوئے کہ تمہیں پرہیزگاری مل جائے۔ (پروردگار) وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو ایک چھت (کی مانند) بنادیا ہے، اور آسمان سے پانی اتارا پھر تمہاری غذا کے لئے پھل پیدا کئے سو تم اللہ کے ہمسر (برابری والے) نہ ٹھہراؤ جانتے بوجھتے ہوئے۔

—— اور اگر تم اس کتاب ہی کے بارے میں شک میں پڑے ہو جو ہم نے اپنے بندۂ (خاص) پر اتاری ہے تو اس جیسی ایک سورت تم بھی بنا لاؤ اور اپنے حمایتیوں کو بھی اللہ کے مقابلے میں بلا لو اگر تم سچے ہو۔ (۲/ ۲۳-۲۱)

ہو گئے۔

اذان کی ابتداء

اقتصادی استحکام کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی عبادات میں بھی رنگ نکھر رہا تھا لوگ باقاعدگی کے ساتھ مسجد نبوی میں حاضر ہوتے اور ہادی مرسل نبی محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز باجماعت ادا کرتے۔ نئی آیاتِ ربانی اور آپؐ کے ارشاداتِ عالیہ سے مستفید ہوتے اور اس طرح ایک دوسرے کے حالات سے بھی باخبر رہتے۔ ان ہی دنوں ایک دقت یہ پیش آئی کہ صحابۂ کرام کو نماز کا صحیح وقت معلوم نہ ہو پاتا تھا۔ کچھ ایسے بھی تھے کہ وہ باجماعت نماز ادا نہ کر پاتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کی صفوں میں یہ بدنظمی پسند نہ آئی۔ آپؐ زندگی کے ہر شعبہ میں نظم وضبط پسند فرماتے تھے۔ لہٰذا آپؐ نے صحابۂ کرام کو بلا کر مشورہ کیا کہ نماز کی ادائیگی کے سلسلے میں یکسانیت اور نظم وضبط قائم کرنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ کسی نے کہا کہ نماز کے وقت مسجد پر ایک علم بلند کیا جائے تاکہ لوگ اسے دیکھتے ہی مسجد چلے جائیں۔ کسی نے مشورہ دیا کہ یہودیوں کی طرح ترم بجایا جائے، کسی نے عیسائیوں کے ناقوس کی تجویز پیش کی۔ ان باتوں میں

——— اور اگر تم (یہ مذکورہ کام) نہ کر سکو، اور ہرگز نہ کر سکو گے تو پھر ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اور وہ تیار رکھی ہے حق سے انکار کرنے والوں کے لئے۔

——— اور (اے نبیؐ!) خوشخبری سنا دیجئے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے کہ ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں۔ انہیں جب ان باغوں سے کوئی پھل کھانے کو دیا جائے گا تو (دیکھتے ہی) وہ بول اٹھیں گے۔ "یہ تو وہی ہے جو اس سے پہلے ہمیں مل چکا ہے" اور (واقعی) انہیں وہ پھل دیا جائے گا (بظاہر) ملتا جلتا ہوا، اور ان کے لئے پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ ان بہشتوں میں ہمیشہ کے لئے ہوں گے۔ (۲/۲۵ — ۲۴)

سے چند پر عمل بھی کیا گیا لیکن حضور سرور کائنات سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند نہ فرمایا۔ حضرت عمرؓ نے تجویز پیش کی کہ ایک آدمی بھیجا جائے جو ہر جگہ پکار کر نماز کا اعلان کر دیا کرے۔ آپؐ نے اس تجویز کو پسند فرمایا۔ لہٰذا اَلصَّلٰوۃ۔ اَلصَّلٰوۃ کہہ کر آدمی منادی کرنے لگا۔ بعدہٗ حضور انور نبی کرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے صحابہ نے خواب میں اذان کو مروّجہ الفاظ کے ساتھ ملاحظہ فرمایا۔ لہٰذا آپؐ نے اس کو منجانب اللہ سمجھتے ہوئے فوری قبول فرمالیا، اور حضرت بلالؓ کو طلب فرما کر حکم دیا کہ وہ اس طرح اذان دیں۔ الحمدللہ اس طریقۂ اذان میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے ساتھ انسانی عظمت اور سربلندی بھی نمایاں ہے کہ جب اذان کے الفاظ فضاؤں میں گونجتے ہیں تو بندہ حق تعالیٰ کی شان وجلالت اور کبریائی و وحدت کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے اور دنیاوی آلودگیوں سے نکل کر اپنی معراج کی طرف رجوع ہو جاتا ہے۔

عبداللہ بن ابی

اس طرح حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی معیّت میں انصار اور مہاجرین کی محبّت اور یگانگت روز بروز پروان چڑھ رہی تھی لیکن ساتھ ہی انصار میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جو یا تو ابھی تک مسلمان نہیں ہوا تھا یا

ـــــ بے شک اللہ اس سے نہیں شرماتا کہ سمجھانے کے لئے کوئی بھی مثال بیان کرے مچھر کی ہو یا اس سے بڑھ کر، سو جو لوگ ایمان لا چکے ہیں وہ تو یہی سمجھیں گے کہ وہ (مثال) یقیناً حق ہے ان کے پروردگار کی جانب سے (ہے)۔ البتہ جو لوگ کفر اختیار کئے ہوئے ہیں وہ یہی کہتے رہیں گے کہ اللہ کا اس مثال سے مطلب کیا تھا؟ گمراہ بھی کرتا ہے (اللہ) بہتوں کو اسی سے، اور راہ بھی دکھاتا ہے بہتوں کو اسی سے، اور گمراہ تو اس سے ان ہی کو کرتا ہے جو بے حکمی کرنے والے ہیں، وہ جو اللہ کے عہد کو توڑ دیتے ہیں پکا ہونے کے بعد۔ اور کاٹتے ہیں اس چیز کو جس کو جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں، تو بس یہی لوگ ہیں نقصان اٹھانے والے۔

ـــــ بھلا تم لوگ کس طرح کفر کر سکتے ہو اللہ سے، حالانکہ تم (جب) بے جان تھے سو اس نے تمہیں جاندار کیا، پھر وہی تمہیں موت دے گا، پھر وہی تمہیں زندہ کرے گا، پھر اسی کی طرف تم واپس کئے جاؤ گے۔ (۲/۲۸-۲۶)

اپنے ہم قبیلہ افراد کی وجہ سے دائرہ اسلام میں تو داخل ہو گیا تھا لیکن در پردہ مہاجرین اور اسلام کے خلاف اپنے دلوں میں کدورت رکھتا تھا ان لوگوں کا سرغنہ تھا عبداللہ بن ابی بن سلول۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کرنے سے قبل یہی عبداللہ بن ابی انصار مدینہ کا سردار تھا۔ اس کا تعلق بنی العوف کی شاخ بنی الحبلی سے تھا اور اس کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ اس کی قوم والوں میں دو آدمی بھی اس کی برتری سے اختلاف نہیں رکھتے تھے۔ اوس و خزرج قبائل میں یہ واحد شخص تھا جس کو متفقہ طور پر بادشاہ تسلیم کر لیا گیا تھا۔ اس کی باقاعدہ تاجپوشی کی تیاریاں بھی ہونے لگیں تھیں کہ اوس و خزرج دامنِ الوہیت سے وابستہ ہو گئے اور پھر اللہ کے حبیب احمدِ مختار صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے درمیان مکہ سے ہجرت کرکے پہنچ گئے۔ اس طرح اس کی بادشاہت ایک

—— وہ (اللہ) وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لئے جو کچھ زمین میں ہے، پھر اس نے آسمان کی طرف توجہ کی تو ٹھیک سات آسمان بنائے اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

—— اور (یاد کرو وہ وقت) جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا۔ "میں زمین پر اپنا نائب بنانے والا ہوں۔" وہ (فرشتے) بولے۔ "کیا تو اس میں ایسے کو بنائے گا جو اس میں فساد پھیلائے اور خوں ریزیاں کرے۔ حالانکہ ہم تیری حمد کی تسبیح کرتے رہتے ہیں اور تیری پاکی بولتے ہیں۔" (اللہ نے) فرمایا۔ "یقیناً میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔"
(۲/ ۳۰-۲۹)

خواب پریشاں بن کر رہ گئی۔ لہٰذا اسی بنا پر وہ آپؐ سے کدورت رکھنے لگا تھا۔

ان ہی دنوں کا ذکر ہے کہ حضرت سعد بن عبادہؓ انصاری علیل ہو گئے تو ہادی مرسل صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسامہؓ بن زید کو ساتھ لے کر عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ عبداللہ بن ابی کا قلعہ جس کا نام مزاحم تھا راہ میں واقع تھا۔ جب آپؐ وہاں سے گزرے تو اس کے پاس بھی ملاقات کی غرض سے تشریف لے گئے۔ اس وقت وہ اپنی قوم کے لوگوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا۔ آپؐ نے حسبِ عادت سلام کیا ان لوگوں کی خیر و عافیت دریافت کی اور کچھ دیر قیام فرمایا۔ اسی دوران آپؐ نے آیاتِ ربانی کی تلاوت کی اور دعوتِ حق کی وضاحت فرمائی۔ عبداللہ بن ابی کہنے لگا۔ "جناب والا! آپؐ کی ان باتوں سے بہتر کوئی بات نہیں اگر یہ واقعی سچی ہیں۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ آپؐ اپنے گھر ہی میں بیٹھیں اور جو لوگ آپؐ کے پاس آئیں ان ہی کو یہ باتیں سنائیں۔ دوسری جگہ ان باتوں کے کرنے کی ضرورت نہیں۔" عبداللہ بن رواحہ اور دیگر انصار بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کوئی جواب نہ دیا لیکن عبداللہ بن رواحہ کہنے لگے۔ "ہماری مجلسوں، ہمارے گھروں اور ہمارے احاطوں میں آپؐ ایسی باتیں ضرور کیا کیجئے یہ وہ باتیں ہیں جو ہمیں پسند ہیں اور ان ہی باتوں کی بدولت اللہ نے ہم کو عزت اور رہنمائی عطا فرمائی ہے۔"

—— اور اللہ نے آدم کو نام سکھلا دیئے کُل کے کُل، پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا، پھر فرمایا۔ "(اے فرشتو!) بتلاؤ تو ان کے نام اگر تم سچے ہو۔" وہ بولے۔ "پاک ذات ہے تو، ہمیں تو کچھ علم نہیں مگر ہاں وہی علم جو تو نے ہمیں سکھایا، بے شک تو ہی علم وحکمت والا ہے۔"

—— (اللہ نے) فرمایا "اے آدم! بتلا دو انہیں ان کے نام۔" پھر جب آدم نے انہیں سب کے نام بتا دیئے تو (اللہ نے) فرمایا "میں نہ کہتا تھا کہ میں جانتا ہوں آسمانوں اور زمین کی سب سے چھپی چیزیں اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔" (۲|۳۳-۳۱)

عبداللہ بن ابی کی بات اور اس کا لہجہ آپؐ کو پسند نہ آیا۔ بعدہٗ جب آپؐ حضرت سعدؓ بن عبادہ کے گھر پہنچے تو انہوں نے آپؐ کے چہرۂ اقدس پر ناگواری کے اثرات دیکھتے ہوئے کہا۔ "اے اللہ کے رسول! میں آپؐ کے چہرہ پر تغیّر دیکھ رہا ہوں آپؐ نے کوئی ناگوار بات سماعت فرمائی ہے۔" پھر آپؐ نے ان کے دریافت کرنے پر عبداللہ بن ابی کے گھر پر ہونے والی گفتگو کا حال سنایا۔ حضرت سعدؓ نے عرض کیا۔ "اے اللہ کے رسول! اس سے نرمی فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ آپؐ کو ہمارے درمیان اس وقت لایا جب کہ ہم اس کے لئے ایک تاج تیار کر رہے تھے۔ اسی لئے وہ سمجھتا ہے کہ آپؐ نے اس کی حکومت اور بادشاہت چھین لی ہے۔"

عبداللہ بن ابی کی اس حیثیت سے مشرکین مکہ بھی اچھی طرح واقف تھے لہٰذا ان ہی دنوں انہوں نے ایک خط اس کو لکھا جس کے الفاظ تھے۔

"تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے۔ ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم لوگ ان کو قتل کر ڈالو یا مدینہ سے نکال دو۔ ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کریں گے اور تم کو فنا کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کریں گے۔"

عبداللہ بن ابی نے یہ خط اپنی قوم والوں کو بھی دکھایا لیکن ان کی کثیر تعداد تو مسلمان

ـــــ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے (جو) منکر ہوا اور غرور کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔

ـــــ اور ہم نے کہا۔ اے آدم! تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو سہو اور اس میں جہاں سے چاہو خوب کھاؤ مگر اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ اپنے ہی نفس پر ظلم کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ (۲|۳۵-۳۴)

ہو چکی تھی وہ کیونکر ان دھمکیوں میں آنے والے تھے۔ ادھر حضور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس خط کی اطلاع مل گئی۔ لہٰذا آپؐ بھر بہ نفسِ نفیس ابن ابی کے قلعہ "مزاحم" تشریف لے گئے۔ اور اس سے اسی مسئلہ پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا۔ "کیا تم خود اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے لڑو گے؟" اور یہی دشواری تو اس کے سامنے تھی کہ اس کی قوم کے لوگ اس معاملے میں اس کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہ تھے بلکہ قوی امکان تھا کہ وہ لوگ اسی کے خلاف صف آرا ہو جاتے۔ لہٰذا وہ مشرکینِ قریش کے حکم کی تعمیل نہ کر سکا۔ دل مسوس کر رہ گیا۔

عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کی یہ تمام باتیں عیاں ہو چکی تھیں۔ گو ان میں کے کچھ لوگ بظاہر مسلمان بھی ہو گئے تھے لیکن ان کے قلوب منافقانہ کدورت سے بھرے ہوئے تھے۔ یہ لوگ طرح طرح سے مہاجرین کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور ہر ممکن طریقے سے ان کی دل شکنی کرنے کی کوشش میں معروف رہتے تھے۔ ایک دن چند مہاجرین صحابۂ کرام کسی مقام سے گذر رہے تھے۔ راہ میں عبداللہ بن ابی بھی اپنے ہم خیال لوگوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔ ان لوگوں کو آتا ہوا دیکھ کر کہنے لگا۔ "دیکھو یہ لوگ اس طرف آ رہے ہیں میں ان کا استہزا کرتا ہوں۔" جوں ہی صحابۂ کرام اس کے قریب پہنچے تو اس نے پہلے حضرت ابوبکرؓ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے ان کی بڑی تعریف کی، پھر یہی عمل حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے ساتھ یکے بعد دیگرے کیا۔ یہ حضرات اس کی ان مصنوعی باتوں کو اچھی طرح سمجھتے

—— پھر شیطان نے ان دونوں کو اس درخت کی ترغیب دے کر انہیں وہاں سے نکلوادیا جہاں وہ رہتے تھے۔ اور ہم نے کہا۔ "(اب) تم نیچے اتر جاؤ ایک دوسرے کے دشمن ہو کر اور تمہارے لئے زمین ہی پر ٹھکانا اور ایک میعاد تک برتنا ہے۔

—— پھر آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ کلمات سیکھ لئے۔ پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔ بے شک وہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ——

—— اور ہم نے حکم دیا۔ "تم سب یہاں سے اتر جاؤ (یعنی اب زمین پر ہی رہو) پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے، تو جو کوئی پیروی میری ہدایت کی کرے گا سو ان کے لئے نہ کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔
(۲/۳۸ - ۳۶)

تھے۔ حضرت علیؓ کہنے لگے۔ "اے ابن ابی تو اللہ سے ڈر اور نفاق سے باز آ کیونکہ منافقین بدترین مخلوق ہیں۔" ابنِ ابی کہنے لگا۔ "یہ باتیں نفاق سے نہیں کی گئیں بخدا ہم آپ ہی کی طرح مومن صادق ہیں۔" اور جب صحابہ کرام تشریف لے گئے تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ ان کا طرح طرح سے خوب مذاق اڑاتا رہا۔

درج بالا آیات میں عبداللہ بن ابی جیسے منافقین کی طرف اشارہ ربانی ہے۔ یہ حق تعالےٰ کی شانِ ربوبیت ہے کہ وہ منافق اور کافر، فاسق اور فاجر ہر ایک کو دعوتِ حق سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ اپنی عقل سے کام لیں۔ وہ مچھر کی مثال دینے سے بھی نہیں شرماتا چونکہ اس کے پیشِ نظر تو ہر قسم کے بندے ہیں اہلِ بصیرت بھی اور عقل و دانش سے کورے بھی۔ حضرت آدمؑ کا ذکر کیا گیا کہ اس میں بھی اللہ کے حکم پر عمل پیرا ہونے اور اس کے برخلاف عمل کرنے کے نتائج کی وضاحت ہے۔ اور انہی اصول کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ہادی مرسل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر قسم کے لوگوں کے بیچوں بیچ جا کر دعوتِ حق قبول کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ یہی آپؐ کا

— اور جو لوگ (ہدایت سے) کفر کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے سو وہی آگ میں ڈالے جانے والے لوگ ہیں جہاں وہ اس میں ہمیشہ پڑے رہیں گے۔

اے بنی اسرائیل! (آلِ یعقوبؑ) یاد کرو میرا وہ انعام (واکرام) جو میں نے تم پر کیا اور میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا اور تم صرف مجھ سے ڈرتے رہو۔ اور اس کتاب پر ایمان لاؤ جو میں نے نازل کی ہے، تصدیق کرتی ہے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے اور مت بنو اس کے اوّلین کفر کرنے والے، اور میری آیتوں کو مت فروخت کرو متاعِ قلیل کے عوض اور صرف مجھ ہی سے ڈرو، اور حق سے باطل کو نہ ملاؤ اور دیدہ و دانستہ حق نہ چھپاؤ۔ اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور جو لوگ میرے حضور جھک رہے ہیں ان کے ساتھ تم بھی جھک جاؤ۔
(۲/۴۳-۳۹)

پیغام تھا اور یہی آپؐ کا روزمرّہ کا معمول۔
(بحوالہ صحیح بخاری مسلم، اسد الغابہ ج ۳، ابن سعد، ابن ہشام سیرت النبی)

قیامِ امن کے لئے آپؐ کی کاوشیں

محسنِ انسانیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا امن و سلامتی اور محبّت و شفقت کا پیغام انسانی تاریخ کی اس شبِ تاریک میں، جو کہ ساتویں صدی عیسوی کو ماضی سے ملی تھی، نور بن کر ابھر رہا تھا۔ چونکہ آپؐ سراپا محبّت تھے اسی لئے آپؐ کی قیادت میں مختلف الخیال، مختلف العقیدہ اور مختلف النسل لوگوں کے درمیان محبّت پروان چڑھ رہی تھی۔ منافرت کی دیواریں گر رہی تھیں۔ محبّت و شفقت کے نئے دریچے کھل رہے تھے۔ صدیوں کے روائتی دشمن اوس اور خزرج گلے مل رہے تھے۔ دولتمند اور غریب الدیار مفلس اخوت کے رشتوں میں گندھ چکے تھے۔ لیکن ساتھ ہی تخریبی قوتیں بھی اپنی جگہ دھاک لگائے بیٹھی تھیں۔ ان کے خطرناک عزائم افق پر

— کیا تم لوگوں کو تو بھلائی کی راہ اختیار کرنے کے لئے کہتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟ حالانکہ تم کتاب الٰہی پڑھتے ہو، تو کیا تمہیں عقل نہیں ہے؟

— اور مدد چاہو صبر اور نماز سے اور بے شک نماز ضرور بھاری ہے مگر ان فرمانبردار بندوں کے لئے نہیں جنہیں یقین ہے کہ آخر کار انہیں اپنے رب سے ملنا ہے اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

— اے بنی اسرائیل! یاد کرو میرا وہ انعام (و اکرام) جو میں نے تم پر کیا اور یہ کہ سارے زمانہ پر تمہیں بڑائی دی۔ اور ڈرو اس دن سے جبکہ کوئی جان دوسرے کا بدلہ نہ ہو سکے گی اور نہ انکارِ حق کرنے والوں کے لئے کوئی سفارش مانی جائے گی اور نہ کچھ لے کر اس کی جان چھوڑی جائے گی اور نہ ان کی مدد ہو گی۔ (۲/۴۸-۴۴)

نئے طوفانوں کا پتہ دے رہے تھے۔ عبداللہ بن ابی کے نام مشرکینِ مکہ کا خط، جس میں ہادیٔ مرسل نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی ترغیب اور بصورتِ دیگر واضح دھمکی دی گئی تھی، ان کے تخریبی اور انسانیت سوز منصوبوں کا مظہر تھا۔ پیغامِ ربانی کے منکر مشرکینِ قریش کسی وقت بھی شب خون مار کے مدینہ کی پر امن فضا کو پراگندہ کر سکتے تھے۔

ان حالات میں آپؐ کی طبیعت کو یہ بھی گوارا نہ تھا کہ آپؐ کی وجہ سے مدینہ کے لوگ اس جارحیت کا نشانہ بنیں جس سے مجبور ہو کر آپؐ نے صحابۂ کرام کو مکہ سے ہجرت کی اجازت دی تھی اور پھر خود بھی بہ اذنِ الٰہی اپنا مولد اپنا وطن چھوڑ کر مدینہ چلے آئے تھے۔ آپؐ شبِ تار کی خموشی میں جبکہ اہلِ مدینہ محوِ خواب ہوتے اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو کر امن و سلامتی کے لئے دعائیں مانگا کرتے تھے اور باقی شب بھی ایک شفیق گڈریئے کی طرح جاگ کر ہی گزار دیتے۔ نہ جانے کتنی راتیں یونہی جاگ جاگ کر گزار چکے تھے کہ ایک دن صحابۂ کرام کی محفل میں بے ساختہ ارشاد فرمایا۔ ”کیا اچھا ہو کہ آج کی رات کوئی

اور یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعون والوں سے نجات بخشی جو تمہارے اوپر بڑا عذاب توڑ رہے تھے، تمہارے بیٹوں کو ذبح کر دیتے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے، اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی۔ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے تمہارے لئے سمندر کو پھاڑ دیا تھا، پھر ہم نے تمہیں نجات دے دی اور فرعون والوں کو تمہاری آنکھوں کے سامنے غرق کر دیا۔ اور (وہ وقت بھی تو یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ کر لیا تھا، پھر تم نے ان کے پیچھے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی، اور تم تھے (ہی سخت) ظالم ۔ (۲/۵۱-۴۹)

اچھا آدمی پہرہ دے ۔،، حضرت سعدؓ بن وقاص فوری ہتھیار لگا کر تیار ہو گئے اور پوری رات پہرہ دیا۔ اور اس طرح صحابہ کرام کو ان حالات کا اندازہ ہوا تو وہ ہتھیار باندھ کر سونے لگے ۔

گو فرقہ و قبیلہ اور رنگ و نسل کے اختلافات کے باوجود انصار اور مہاجرین کے درمیان یگانگت قدم جما چکی تھی ۔ صرف چند ہی لوگ ایسے رہ گئے تھے جو عبداللہ بن ابی کی سربراہی میں بیٹھے سرگوشیاں کیا کرتے تھے ۔ لیکن مدینہ ابھی اُمّتِ واحدہ نہ بنا تھا مسلمانوں کے علاوہ یہودیوں کی بھی خاصی بڑی تعداد مدینہ اور اس کے اطراف میں آباد تھی جیساکہ صفحاتِ گذشتہ میں مذکور ہوا ہے ۔ لہٰذا مدینہ میں امن و سلامتی کی فضا کو مستحکم اور مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان محبّت قائم کرنے کے لئے آپؐ نے پیش قدمی فرمائی ۔ ایک دن یہود اور انصار کو بلا کر ایک معاہدے کی اہمیت پر روشنی ڈالی ۔ ہر فریق نے بہ رضا و رغبت آپؐ کی تجویز سے اتفاق کیا چونکہ اس میں ہر ایک کے مفادات کا تحفظ بھی تھا اور امن و سلامتی کا اظہار بھی ۔ معاہدہ کی شرائط جو باہمی طور پر منظور ہوئیں درج ذیل ہیں ۔

معاہدۂ دوستی :۔ (۱) دوسرے لوگوں کے بالمقابل وہ (اہلِ مدینہ)

—— پھر ہم نے تم کو اس کے بعد بھی معاف کر دیا کہ شاید تم شکر گذار بن جاؤ۔ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور حق و باطل میں فرق کی تمیز عطا کی کہ تم (لوگ) راہ پر آجاؤ۔ (۲ا۵۳-۵۲)

ایک اُمّت ہوں گے۔

۲۔ قریش کے مہاجر، بنی عوف، بنی حارث، بنی ساعدہ، بنی جُشم، بنی نجار، بنی عمرو بن عوف، بنی النّبیت، بنی اوس اپنے اپنے دستور کے مطابق خوں بہا ادا کریں گے اور ہر گروہ اپنے قیدی کا خود فدیہ دے کر چھڑائے گا (اصل معاہدہ کی دفعات ۲ تا ۱۰ کو یکجا کر دیا گیا ہے)

۳ ۔ ایمان دار لوگ کسی مفلس اور زیر بار شخص کو مدد دیئے بغیر نہ چھوڑیں گے تاکہ اس کا فدیہ یا خوں بہا بخوبی ادا ہو سکے۔

۴ ۔ کوئی مومن کسی دوسرے مومن کی اجازت کے بغیر اس کے مولیٰ (معاہداتی بھائی) سے معاہدہ نہ کرے گا۔

۵ ۔ متقی اور ایماندار لوگ ہر اس شخص کی مخالفت پر کمر بستہ رہیں گے جو ان میں سے سرکشی کرے، جو ظلم یا گناہ یا زیادتی کا مرتکب ہو یا ایماندار لوگوں میں فساد پھیلائے۔ ان سب کے ہاتھ ایسے شخص کی مخالفت پر ایک ساتھ اٹھیں گے خواہ وہ ان میں سے کسی کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

۶ ۔ کوئی ایماندار کسی ایماندار کو کافر کی خاطر قتل نہ کرے گا اور نہ کسی ایماندار کے خلاف کافر کی امداد کرے گا۔

۷ ۔ خدا کا ذمّہ ایک ہی ہے کہ مسلمانوں میں سے اگر ادنیٰ فرد بھی کسی کو پناہ دیدے تو سب پر پابندی عائد ہوگی اور ایماندار دوسرے لوگوں کے مقابلے میں بھائی بھائی ہیں۔

۸ ۔ یہودیوں میں سے جو اتباع کرے گا اسے امداد و مساوات حاصل ہوگی،

—— اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا: "اے میری قوم والو! یقیناً تم لوگوں نے اپنے اوپر بڑا ظلم کیا کہ بچھڑے کی پوجا شروع کر ڈالی، سو اب اپنے پیدا کرنے والے سے توبہ کرو پھر اپنے (مجرم) اشخاص کو قتل کرو، یہی بہتر ہے تمہارے حق میں تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک۔" پھر اس نے تمہاری توبہ قبول فرمالی، بے شک وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان ہے۔ (۲/۵۴)

نہ ایسے لوگوں پر ظلم ہوگا اور نہ ان کے خلاف کسی کو مدد دی جائے گی۔

۹ — ایمانداروں کی صلح ایک ہی ہوگی کہ اللہ کی راہ میں کوئی ایماندار کسی دوسرے ایماندار کو چھوڑ کر دشمن سے صلح نہیں کرے گا جب تک کہ صلح سب کے لئے برابر نہ ہو۔

۱۰ — وہ تمام گروہ جو ہمارے ساتھ ہو کر جنگ کریں گے ایک دوسرے کے پیچھے ہوں گے۔

۱۱ — ایماندار اس چیز کا بدلہ لیں گے جو اللہ کی راہ میں ان کے دم کو پہنچے۔

۱۲ — اس میں کوئی شبہ نہیں کہ متقی ایماندار سب سے بہتر اور سب سے سیدھے راستے پر ہیں۔

۱۳ — کوئی مشرک قریش کے مال اور جان کو پناہ نہ دیگا اور نہ ایماندار کے لئے اس سلسلے میں رکاوٹ بنے گا۔

۱۴ — جو شخص کسی مومن کو ناحق قتل کرے گا اور گواہوں سے اس کا ثبوت بھی مل جائے گا تو اس سے قصاص لیا جائے گا بجز اس صورت کے کہ مقتول کا ولی خونبہا پر راضی ہو جائے۔ اور تمام ایماندار اس کی تعمیل کے لئے اٹھیں گے اور اس کے سوا ان کے لئے کوئی صورت جائز نہ ہوگی۔

۱۵ — کسی ایماندار کے لئے، جو اس نوشتے کے مندرجات کا اقرار کر چکا ہے، نیز

—— اور (اے بنی اسرائیل وہ وقت بھی یاد کرو) جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز یقین نہ لائیں گے تمہارے کہنے سے جب تک کہ ہم اعلانیہ خدا کو دیکھ نہ لیں، سو تم کو کڑک نے آلیا اور (تم خود ہی اس کا کرنا) دیکھ رہے تھے۔ پھر مرے پیچھے ہم نے تمہیں زندہ کر اٹھایا کہ کہیں تم شکرگذار بنو۔
اور ہم نے تمہارے اوپر ابر کا سایہ کر دیا، اور ہم نے تمہارے اوپر من و سلویٰ اتارا کہ کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو ہم نے تم کو دے رکھی ہیں۔
اور انہوں نے ظلم ہم پر نہیں کیا بلکہ ظلم اپنی ہی جانوں پر کرتے رہے۔
—— اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے کہا تھا کہ اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور اس میں جہاں چاہو خوب کھاؤ پیو، اور دروازہ (شہر) میں عاجزی سے جھکے ہوئے داخل ہونا اور کہتے جانا حِطَّةٌ (توبہ ہے) (سو) ہم تمہاری خطائیں بخشدیں گے اور ہم نیک کاروں کو زیادہ ہی دیتے ہیں۔ (۲/۵۸ - ۵۵)

اللہ اور آخرت پر ایمان لا چکا ہے، جائز نہیں کہ کسی فتنہ اٹھانے والے کی مدد کرے یا اسے پناہ دے، جو اسے پناہ دے گا قیامت کے دن خدا کی لعنت اور غضب کا مستوجب ہوگا اور اس سے کوئی فدیہ یا بدلہ قبول نہ کیا جائے گا۔

۱۶۔ جب کبھی تم میں کسی چیز کے متعلق اختلاف پیدا ہوگا تو اللہ تعالیٰ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف ہی رجوع کیا جائے گا۔

۱۷۔ یہودی جب تک ایمانداروں کے ساتھ مل کر جنگ کرتے رہیں گے مصارف بھی برداشت کرتے جائیں گے۔

۱۸۔ بنی عوف کے یہودی ایمانداروں کے ساتھ ایک امت تسلیم کئے جاتے ہیں یہودی اپنے دین پر رہیں، مسلمان اپنے دین پر خواہ موالی ہوں یا اصل البتہ جو لوگ ظلم اور جرم کے مرتکب ہوں گے وہ اپنی ذات یا گھرانے کے سوا کسی کو ہلاکت و فساد میں نہیں ڈالیں گے۔

مگر ان ظالموں نے تو، جو بات کہی گئی تھی اسے بدل کر کچھ اور کر دیا۔ آخر کار ہم نے ظلم کرنے والوں پر آسمان سے عذاب نازل کیا۔ یہ سزا تھی ان نافرمانیوں کی جو وہ کر رہے تھے۔

ـــــ اور (وہ وقت یاد کرو) جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی کی دعا مانگی سو ہم نے کہا " (اے موسیٰ!) اپنا عصا پتھر پر مارو" تو فوراً بارہ چشمے اس (پتھر) میں سے پھوٹ نکلے۔ (اور پھر) ہر گروہ نے اپنا اپنا گھاٹ پہچان لیا۔ (اور ان سے کہدیا گیا) "کھاؤ پیو اللہ کے دیئے رزق میں سے اور زمین پر فسادی بن کر مت پھرو۔"

ـــــ اور (وہ وقت یاد کرو) جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز ایک کھانے پر بس نہیں کر سکتے سو اپنے پروردگار سے ہمارے لئے دعا کر دیجئے ان چیزوں کی جنہیں زمین اگاتی ہے، کچھ ساگ اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز۔ (موسیٰ نے کہا) "تو کیا جو چیز ادنیٰ ہے تم اسے لینا چاہتے ہو اس چیز کے بدلے میں جو بہتر ہے۔ اچھا تو کسی (اور) شہر میں جا اترو وہیں مل جائیگا جو کچھ تم مانگتے ہو۔" اور ان پر مقرر کر دی گئی ذلت اور محتاجی، اور وہ اللہ کے غضب کے مستحق ہو گئے۔ یہ سب اس لئے ہوا کہ وہ اللہ کے غضب سے انکار کرتے رہتے تھے اور انبیاء کو ناحق قتل کر ڈالتے تھے، یہ بدلہ تھا ان کی نافرمانیوں اور حد سے گذر جانے کا۔ (۲/۶۱-۵۹)

۱۹۔ بنی نجار، بنی حارث، بنی ساعدہ، بنی جُشم، بنی اوس اور بنی ثعلبہ کے یہودیوں کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو۔ البتہ جو ظلم یا جرم کا ارتکاب کرے گا اس کی ذات یا گھرانے کے سوا کوئی مبتلائے ہلاکت و فساد نہ ہوگا۔ (اصل معاہدہ کی دفعات ۲۰ تا ۳۲ کو یکجا کر دیا گیا ہے)

۲۰۔ جفنہ بھی بنی ثعلبہ کی شاخ ہیں انہیں بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو۔

ـــــ بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے" نیز یہودی اور نصاریٰ اور صابی، جو کوئی بھی اللہ اور آخرت پر ایمان لے آئے اور نیک عمل کرے سو ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس ان کا اجر ہے ــــ اور نہ کوئی اندیشہ ان کے لئے ہے اور نہ کوئی وہ غم کریں گے۔

ـــــ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے تم سے عہد لیا اور ہم نے تمہارے اوپر (کوہِ) طور کو بلند کیا۔ (لہٰذا) مضبوطی کے ساتھ اس (کتاب) کو پکڑ رکھو جو ہم نے تم کو دی ہے اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد رکھو تاکہ تم متقی بن جاؤ ــــ (۲|۶۳ــ۶۲)

۲۱۔ اور بنی شطیبہ کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو بنی عوف کے یہودیوں کو بشرطیکہ وفا شعاری ہو نہ کہ عہد شکنی۔ (۲۲۔) اور ثعلبہ کے موالی کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو۔

۲۳۔ اور یہودیوں کے قبائل کی شاخوں کو بھی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اصل کو۔

۲۴۔ اور یہ کہ ان میں سے کوئی بھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی اجازت کے بغیر جنگ کے لئے نہ نکلے گا۔

۲۵۔ زخم کا بدلہ لینے میں کوئی رکاوٹ نہ ڈالی جائے گی جو شخص خونریزی کرے تو ذمہ داری اس پر اور اس کے گھرانے پر ہوگی، بجز اس شخص کے جس پر ظلم کیا گیا ہو اور خدا اس کے ساتھ ہے۔

۲۶۔ یہودی اپنے خرچ کے ذمہ دار ہوں گے اور مسلمان اپنے خرچ کے۔

۲۷۔ جو کوئی اس دستور العمل کو قبول کرنے والوں کے خلاف جنگ کریگا تو وہ (یہودی اور مسلمان) ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ وہ ایک دوسرے کی خیر خواہی پر عمل پیرا رہیں گے اور باہم مشورے کریں گے۔ وفا ان کا شیوہ ہوگا نہ کہ عہد شکنی۔

۲۸۔ کوئی شخص اپنے حلیف کی بدعملی کا ذمہ دار نہ ٹھہرایا جائے گا اور مظلوم کو بہر حال مدد دی جائے گی۔

ـــــ پھر تم اس (عہد) سے اس کے بعد بھی پھر گئے، سو اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم ضرور تباہ ہونے والوں میں سے ہوتے۔ اور تم خوب جان چکے ہو ان لوگوں کو جنہوں نے تم میں سے سبت (یہودیوں کا مقدس دن سنیچر) کے بارے میں تجاوز کیا تھا تو ہم نے ان سے کہا کہ ذلیل بندر ہو جاؤ۔ پھر ہم نے اس بستی کا یہ واقعہ عبرت بنا دیا اس زمانے کے بعد کے لوگوں کے لیے اور نصیحت اللہ کا خوف رکھنے والوں کے لیے۔

ـــــ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب موسٰی نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو، وہ بولے "آپ ہم سے ہنسی کر رہے ہیں" موسٰی نے کہا۔ "اللہ کی پناہ کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔" (۲/۶۷-۶۴)

۲۹۔ یہودی اس وقت تک مصارف برداشت کرتے رہیں گے جب تک وہ مسلمانوں کے ساتھ ہو کر جنگ میں شریک ہوں گے۔

۳۰۔ یثرب کا میدان اس نوشتے کے ماننے والوں کے لیے مقدس و محترم ہوگا۔

۳۱۔ پناہ گزیں سے ویسا ہی برتاؤ ہوگا جیسا کہ اصل شخص یعنی پناہ دینے والے سے ہو رہا ہو۔ نہ اسے کوئی نقصان پہنچایا جائے گا اور نہ وہ کسی جرم کا مرتکب ہوگا۔

۳۲۔ کسی عورت کو اس کے کنبے والوں کی اجازت کے بغیر پناہ نہ دی جائے گی۔

۳۳۔ اس نوشتہ کو قبول کرنے والوں کے درمیان اگر کوئی نیا معاملہ یا جھگڑا پیدا ہو اجس پر فساد رونما ہونے کا ڈر ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیش کیا جائیگا۔ اس نوشتہ میں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کو اس پر زیادہ سے زیادہ احتیاط اور وفاداری پسند ہے۔

۳۴۔ نہ قریش کو پناہ دی جائے گی نہ اس شخص کو جو ان کا معاون ہو۔

۳۵۔ اگر کوئی یثرب پر حملہ آور ہوا تو اس معاہدہ کے فریقوں پر ایک دوسرے کی امداد و نصرت لازم ہوگی۔

وہ بولے اپنے پروردگار سے دعا کیجئے کہ وہ ہمیں بتلائے کہ گائے کیسی ہو۔ (موسیٰ نے) کہا کہ وہ فرماتا ہے کہ وہ گائے نہ بوڑھی ہو نہ بن بیاہی (بلکہ) دونوں عمروں کے درمیان ہو، سو اب کر ڈالو جو کچھ تمہیں حکم ملا ہے۔ وہ پھر بولے "ہماری طرف سے اپنے پروردگار سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمیں بتلائے کہ اس کا رنگ کیسا ہے" (موسیٰ نے) کہا وہ فرماتا ہے کہ گائے خوب گہرے زرد رنگ کی ہو دیکھنے والوں کو اچھی معلوم ہوتی ہو" وہ پھر کہنے لگے "اپنے پروردگار سے ہماری طرف سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمیں بتائے کہ وہ (اور) کیسی ہو اس لئے کہ گائے میں ہمیں شبہ پڑ گیا ہے اور اللہ نے چاہا تو ہم ضرور راہ پا جائیں گے۔ (۲|۷۰-۶۸)

۴۶۔ اگر انہیں صلح کرلینے اور اس میں شرکت کرنے کی دعوت دی جائیگی تو یہ اسے قبول کرلیں گے اور شریک ہوں گے اسی طرح جب وہ کسی کو صلح کے لئے بلائیں گے تو اسے قبول کریں گے اور مسلمانوں پر بھی قبول کرلینا لازم ہوگا بجز اس صورت کے کہ کوئی دینی جنگ کرے۔ (۴۷) ہر شخص کے حصہ میں اسی کی مدافعت آئیگی جو اس کے بالمقابل ہوگا۔ (۴۸) اور اوس کے یہودیوں کو اصل ہوں یا موالی وہی حقوق حاصل ہوں گے جو اس نوشتہ کے ماننے والوں کو حاصل ہیں۔ (۴۹) یہ نوشتہ کسی ظالم یا مجرم کے آڑے نہ آئے گا۔ جو شخص جنگ کے لئے نکلے وہ بھی اور جو شخص گھر میں بیٹھا رہے وہ بھی امن کا مستحق ہوگا۔ صرف وہ لوگ مستثنیٰ ہوں گے جو ظلم یا جبر کے مرتکب ہوں گے۔

۵۰۔ اور یقیناً اللہ اس شخص کا حامی ہے جو عہد و اقرار میں وفا شعار اور پرہیزگار ہے اور اللہ کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اس کے حامی ہیں۔

علمائے یہود کا رویّہ

درج بالا معاہدۂ امن حضور محسنِ انسانیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کاوشوں سے ضبطِ تحریر میں آگیا اور فریقین نے بھی برضا و رغبت اس کو قبول کرلیا جس کی بنا پر مدینہ کے رہنے والے سیاسی اعتبار سے ایک اُمّتِ واحدہ بن گئے اور مجموعی طور پر امن و سلامتی کی فضا قائم ہوگئی۔ لیکن عبداللہ بن اُبَی اور اس کے لواحقین کے علاوہ علمائے یہود کا حاسدانہ اور کینہ پرور رویّہ باطنی طور پر فساد کے بیج

(موسیٰ نے) کہا کہ وہ فرماتا ہے کہ وہ گائے محنت کرنے والی نہ ہو جو زمین کو جوتتی ہو اور نہ کھیتی کو پانی دیتی ہو اس میں کوئی داغ دھبہ نہ ہو۔ وہ بولے "اب آپ ٹھیک پتہ لائے۔" پھر انہوں نے اس کو ذبح کیا، اور ایسا کرتے معلوم نہیں ہوتے تھے۔ (۲|۷۱)

ہو رہا تھا۔ یہ لوگ ایک طرف تو پوشیدہ طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف یہودیوں میں طرح طرح سے غلط فہمیاں پیدا کر رہے تھے اور دوسری طرف آپؐ کی محافل میں جہاں یہود، انصار اور مہاجرین سب ہی جمع ہوا کرتے تھے آپؐ سے بے تکے سوالات کرکے لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ ان ہی دنوں کا ذکر ہے کہ انصار میں سے حضرت کلثوم بن ہدام اور حضرت اسعد بن زرارہ وفات پا گئے۔ اوّل الذکر کو یہ شرف حاصل تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کرنے کے بعد قبا میں آپ ہی کے مہمان رہے تھے۔ اور آخر الذکر ان چھ خوش نصیبوں میں شامل تھے جنہوں نے ہجرت سے قبل مدینہ سے جا کر آپؐ سے بیعت کی تھی بلکہ ان چھ میں بھی آپ کو ہی اوّلیت حاصل ہوئی تھی اور ان ہی نے مدینہ آ کر سب سے پہلے جمعہ کی نماز قائم کی۔ ان کی وفات سے ہادی مرسل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت صدمہ ہوا جس کے آثار آپؐ کی محافلِ مقدسہ میں شریک ہونے والوں نے بھی دیکھے۔ علمائے یہود تو ہر موقع سے فائدہ اٹھانے کے لئے کوشاں رہتے تھے لہٰذا در پردہ لوگوں کے درمیان کہنے لگے۔ "اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے پیغمبر ہوتے تو ان کو یہ صدمہ کیوں ہوتا۔" یہ بات آپؐ تک بھی پہنچی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ "میں اپنے لئے اور اپنے ساتھیوں کے لئے اللہ کے یہاں کوئی اختیار نہیں رکھتا۔" یہ بات یہودی بھی جانتے اور سمجھتے تھے کہ موت اللہ کے اختیار میں ہے اس پر کسی کا بس نہیں لیکن ان ظالموں کا مقصد تو صرف عام لوگوں کے ذہن میں بدگمانیاں اور غلط فہمیاں پیدا کرنا تھا۔ یہ اپنا کام کر رہے تھے اور حق تعالےٰ اپنا کام کر رہا تھا۔ حضرت اسعد بنی زرارہ بنی نجّار کے نقیب اور سردار تھے۔ اور اسی

— اور وہ وقت یاد کرو جب تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا پھر تم آپس میں اس باب میں جھگڑنے لگے اور اللہ کو وہ ظاہر کر دینا تھا جسے تم چھپا رہے تھے۔ (۷۲/۲)

قبیلہ میں آپؐ کی ننہال تھی۔ احتمال تھا کہ کسی بھی شخص کے نقیب مقرر کئے جانے پر دوسروں کو حسد ہوگا لہٰذا آپؐ نے اپنے رشتہ کے پیشِ نظر خود کو بنی نجار کے سامنے پیش فرمادیا جس کو سب نے متفقہ طور پر قبول کر لیا۔ یہ بات آپؐ کے مخالفین پر اور زیادہ شاق گزری۔

عبداللہ بن سلام کا قبولِ ایمان

انہی دنوں کا ذکر ہے کہ عبداللہ بن سلام جو علمائے یہود سے تھے لیکن حق بین و حق شناس نظر رکھتے تھے۔ انہوں نے بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے متعلق پہلے ہی سے سن رکھا تھا جس کا تذکرہ صفحہ نمبر ۱۸ پر گذر چکا ہے۔ ایک دن ہادی مرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں تشریف رکھتے تھے۔ حضورِ انور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دورانِ گفتگو لوگوں کو تلقین فرماتے ہوئے کہا۔ ”اے لوگو! آپس میں ایک دوسرے کو سلام کیا کرو مسکینوں کو کھانا کھلایا کرو۔ رشتہ داروں سے حسنِ سلوک کے ساتھ پیش آؤ۔ رات کو اس حال میں کہ لوگ سو رہے ہوں نماز پڑھا کرو تو سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہوگے۔“

حبیب ربانی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی جو یہ باتیں سنیں تو قلب میں اتر گئیں۔ رسالت کی جو شان اپنی کتب اور روایات میں پائی تھی وہ آپؐ کی ذاتِ اقدس میں دیکھی تو آپکے دستِ اقدس پر فوری ایمان لے آئے اور عرض کیا۔

”اے اللہ کے رسولؐ یہود جھوٹی باتیں بنانے والے لوگ ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپؐ اس سے پیشتر کہ علمائے یہود کو میرے اسلام قبول کرنے کا علم ہو مجھے اپنے حجرے میں چھپا دیجئے اور ان لوگوں سے میرے متعلق دریافت کیجئے کہ میں کس حیثیت کا شخص ہوں۔ اگر ان لوگوں کو پہلے علم ہوگیا تو مجھ پر افترا پردازی کریں گے اور مجھے عیب دار بنائیں گے۔

لہٰذا آپؐ نے عبداللہ بن سلام کی خواہش کے مطابق علمائے یہود کے آنے سے قبل

تو ہم نے کہا کہ اس (میت) پر اس (گائے) کا کوئی ٹکڑا مارو۔ یوں ہی اللہ مردوں کو زندہ کرے گا اور وہ تم کو اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو۔ (۲|۷۳)

انہیں اپنے حجرے میں جانے کی اجازت عطا فرمادی۔ جب علمائے یہود آگئے تو آپؐ نے ان سے سوال کیا۔ "الحصین بن سلام تم لوگوں میں کیسا شخص ہے؟" انہوں نے جواب دیا۔ "وہ تو ہمارا سردار اور ہمارے سردار کا بیٹا ہے۔ ماہر اور عالم ہے۔" وہ لوگ اسی طرح کی گفتگو کر رہے تھے کہ عبداللہ بن سلام حجرہ سے باہر آگئے اور ان علمائے یہود سے کہنے لگے۔

"اے گروہِ یہود! اللہ سے ڈرو۔ جو چیز آپؐ لے کر آئے ہیں اسے قبول کر لو۔ واللہ تم لوگ خوب جانتے ہو کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں کہ تورات میں آپؐ کا ذکر، آپؐ کا نامِ مبارک اور آپؐ کی صفت لکھی ہوئی پاتے ہو۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں، میں آپؐ کو جانتا ہوں آپؐ کی تصدیق کرتا ہوں اور آپؐ پر ایمان لاتا ہوں۔"

علمائے یہود عبداللہ بن سلام کو دیکھ کر اور ان کی زبان سے یہ باتیں سن کر دنگ رہ گئے اور کھسیانے ہو کر کہنے لگے۔ "تم جھوٹے ہو" اور پھر انہی عبداللہ بن سلام کی برائیاں کرنے لگے جن کی بیٹھے تعریف کر رہے تھے۔ حضرت عبداللہ بن سلام نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا۔ "اے اللہ کے نبیؐ کیا میں نے آپؐ سے عرض نہ کیا تھا کہ یہ لوگ جھوٹے، بے وفا اور نافرمان ہیں۔"

بعدہٗ حضرت عبداللہ بن سلام کے اہل وعیال اور ان کی پھوپھی خالدہ بنت الحارث نے اسلام قبول کیا اور دامنِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہو گئے۔ لیکن یہود کی معاندانہ کارروائیوں میں درپردہ اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔

یہی کچھ شب و روز تھے کہ درج بالا آیاتِ ربانی کا نزول ہوا اور یہود کو مخاطب کرتے

اس پر بھی تمہارے دل اس کے بعد بھی سخت ہی رہے، چنانچہ وہ مثل پتھر
کے ہیں، بلکہ سختی میں ان سے بھی بڑھ کر، اور پتھر تو کوئی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس
سے دریا پھوٹ نکلتے ہیں، اور کوئی ان میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ پھٹ جاتا ہے
اور اس میں سے پانی نکلتا ہے، اور کوئی ان میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ اللہ کی ہیبت
سے نیچے آگرتا ہے۔ اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں۔
(۷۴|۲)

ہوئے واضح طور پر بتایا گیا کہ ہمارے یہ نبیؐ جو کتاب اور پیغام تمہارے سامنے پیش
کر رہے ہیں یہ وہی چیز ہے جو کہ ان سے پہلے آنے والے انبیاؑ تمہارے سامنے پیش
کرتے رہے ہیں اور اگر چشمِ حق بین سے دیکھو تو یہ قرآن اس کتاب کی تصدیق کرتا ہے
جو کہ تمہارے پاس ہے لہٰذا اس کو قبول کرو اور اگر تم حق کا اسی طرح انکار کرتے رہے
تو تم کو بھی اسی طرح سزا دی جائے گی جس طرح کہ تمہارے پیش رو لوگوں کو حق کے
جھٹلانے، انبیاء کا مذاق اڑانے اور ظلم کی حدود سے گزر جانے کے سبب سزا ملی
تھی۔ (بحوالہ صحیح بخاری، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، مشکوٰۃ، ابنِ ہشام
ابن کثیر، سیرت النبیؐ)

آپؐ کو یہود کے ساتھ حسنِ ظن تھا

ابتداءً حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودیوں کے
ساتھ نہ صرف حسنِ ظن تھا بلکہ آپؐ ان کے ساتھ
عزت و اکرام کے ساتھ پیش آیا کرتے تھے۔ آپؐ تو وہی پیغامِ ربانی پیش فرما رہے تھے جو کہ
حضرت ابراہیمؑ اور انبیائے کرام علیہم السلام نے پیش کیا تھا جن کو یہودی بھی اپنا نبی اور
پیغمبر تسلیم کرتے تھے۔ توریت اور قرآن کی پیش کردہ تعلیمات میں بھی کافی حد تک یکسانیت
تھی۔ آپؐ کے بتلائے ہوئے طریقۂ عبادت میں اور یہودیوں کی عبادات میں بھی مماثلت پائی جاتی تھی۔
ہر دو فریق اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے علمبردار اور شرک کے مخالف تھے۔ لہٰذا ان حالات میں
ہادیٔ مرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا یہودیوں کے ساتھ تعلقات استوار کرنا اور حسنِ ظن رکھنا ایک فطری
امر تھا۔ آپؐ کا طریقہ تھا کہ جب کبھی آپؐ کسی یہودی کا جنازہ گزرتے ہوئے دیکھتے تو تعظیماً کھڑے

—— توکیا تم (اے مومنو!) اس کی توقع رکھتے ہو کہ وہ لوگ (یہودی) تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے، اور ان میں تو ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ کا کلام سنتے ہیں پھر اسے کچھ کا کچھ کر دیتے ہیں بعد اس کے کہ اسے سمجھ چکے ہیں اور وہ اُسے (خوب) جانتے بھی ہیں۔ اور جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لے آئے ہیں اور جب آپس میں تنہا ہوتے ہیں تو کہتے ہیں۔ "ارے کیا تم بیوقوف ہو گئے ہو کہ انہیں (مسلمانوں کو) وہ بتا دیتے ہو جو اللہ نے تم پر منکشف کیا ہے جس سے وہ تمہیں تمہارے پروردگار کے حضور قائل کر دیں گے، سو کیا تمہیں عقل نہیں۔"

(اے نبیؐ) کیا یہ (اتنا بھی) نہیں جانتے کہ اللہ کو اس کی بھی خبر ہے جسے یہ چھپاتے ہیں اور اس کی بھی جسے یہ جتلاتے ہیں۔ (۲/ ۷۷ - ۷۵)

ہو جاتے۔ آپؐ کو معلوم ہوا کہ یہودی عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہیں تو آپؐ نے مسلمانوں کو بھی حکم دیا کہ عاشورہ کے دن روزہ رکھا کریں۔ عربوں کا طریقہ تھا کہ بالوں میں مانگ نکالتے تھے جبکہ یہودیوں میں یہ طریقہ نہ تھا لہٰذا مدینہ آکر آپؐ نے یہودیوں کے طریقہ کو اپنایا۔ جن باتوں میں حکمِ الٰہی نہ ہوتا تو آپؐ ان باتوں میں یہود کی موافقت کرتے تھے چونکہ وہ اہلِ کتاب تھے۔ یہ تمام باتیں آپؐ کی امن پسندی، حق بینی اور حق جوئی کی مظہر تھیں اور اس امرِ حقیقی کا واضح ثبوت کہ آپؐ کا مشن وحدہٗ لاشریک کی عبادت اور اللہ کی مخلوق کے درمیان محبت کا قیام تھا۔

یہودیوں کے ساتھ انصار کی توقعات

اسی طرح انصار مدینہ کو بھی یہودیوں کے ساتھ خوش گمانیاں تھیں کہ ان کی طرح وہ بھی دامنِ مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وسلم) سے وابستہ ہو جائیں گے۔ اور حق بات تو یہ ہے کہ انصار مدینہ کی یہ توقعات بے جا نہ تھیں بلکہ ان حقائق پر مبنی تھیں جو ان کے اور یہود مدینہ کے درمیان وقوع پذیر ہو چکے تھے جن کا اجمالی تذکرہ درج ذیل ہے۔

—— اور اُن (یہودیوں) میں ان پڑھ (بھی) ہیں جو کتابِ الٰہی کا کوئی علم نہیں رکھتے سوائے جھوٹی آرزوؤں کے، اور یہ محض گمان میں پڑے ہوئے ہیں۔

—— سو بڑی خرابی ہے ان لوگوں کے لئے جو کتابِ الٰہی کو اپنے ہی ہاتھ سے لکھتے ہیں، پھر کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے تاکہ اس کے عوض تھوڑے دام حاصل کریں، سو خرابی ہے ان کے لئے اس کی بدولت جو وہ اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور خرابی ہے ان کے لئے اس کی بدولت جو وہ حاصل کرتے ہیں۔

—— اور وہ (یہودی) کہتے ہیں کہ ہم کو تو دوزخ کی آگ چھوئے گی بھی نہیں سوائے چند گنے چنے دنوں کے۔ سو (اے نبیؐ) آپ کہیئے (ان لوگوں سے) "کیا تم اللہ کے ہاں سے کوئی وعدہ پا چکے ہو جو اللہ اب اپنے وعدے کے خلاف نہ کرے گا یا یوں ہی اللہ پر وہ بات جوڑ رہے ہو جس کا تم علم نہیں رکھتے۔

(۲/۸۰—۷۸)

۱۔ یہودیوں کے یہاں زمانۂ قدیم سے روایت چلی آ رہی تھی کہ زمانۂ قریب میں ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں۔ لہٰذا جب کبھی یہودیوں کا کوئی جھگڑا اوس اور خزرج کے لوگوں سے ہو جاتا جو کہ ان دنوں بت پرست اور مشرک تھے تو یہودی ان سے فخریہ کہتے —— "اب ایک نبی کا زمانہ قریب آ گیا ہے وہ جب مبعوث ہوں گے تو ہم ان کے ساتھ شریک ہو کر تم مشرکوں کو اسی طرح قتل کر دیں گے جس طرح عاد اور ارم قتل کئے گئے تھے۔"

۲۔ اسی طرح کا ایک واقعہ بدری صحابی حضرت سلمہ بن سلامتہ سے روایت ہے کہ وہ بچپنے سے یہودیوں کی زبانی قیامت، بعثت، حساب، میزان، جنت اور دوزخ کا ذکر سنا کرتے تھے۔ یہودی کہا کرتے تھے کہ قیامت کے دن سب لوگ دوبارہ زندہ کئے جائیں گے اور ہر ایک کے اعمال کا حساب ہوگا۔ یہی بات حضور سرورِ کائنات ہادیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے پیش فرما رہے تھے۔ لہٰذا ایک دن حضرت سلمہؓ نے اپنے ہم وطن یہودیوں کو ان کی باتیں یاد دلاتے ہوئے کہا کہ تم لوگ اب ان نبی اکرم صلی اللہ

ـــــ (نہیں) بلکہ اصل یہ ہے کہ جو کوئی بھی برائی اختیار کرے گا اور اس کا گناہ اسے گھیرے گا، سو وہی دوزخ والوں میں سے ہے (جو) اس میں ہمیشہ پڑے رہنے والے ہیں۔ اور جو لوگ ایمان لائیں اور نیک عمل کریں تو یہی لوگ جنّت والے ہیں، اس میں ہمیشہ رہنے والے۔

ـــــ اور (وہ وقت یاد کرو) جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرنا، اور حسنِ سلوک سے پیش آنا اپنے ماں باپ سے، اور قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں (سے بھی)، اور لوگوں سے بھلی بات کہنا، اور نماز قائم رکھنا زکوٰۃ دیتے رہنا پھر تم (ان احکام سے) پھر گئے سوائے چند (لوگوں) کے اور اب تک (اس عہد سے) پھرے ہوئے ہو۔

ـــــ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ اپنوں کا خون نہ بہانا، اور اپنے لوگوں کو اپنے وطن سے نہ نکالنا، پھر تم نے اس کا اقرار کر لیا اور تم (اس کے) گواہ ہو۔ پھر تم ہی وہ ہو کہ اپنوں کو قتل بھی کرتے ہو، اور اپنے ہی ایک گروہ کو ان کے وطن سے نکال بھی دیتے ہو، اور ان کے مقابلے میں گناہ و ظلم کے ساتھ ان کے مخالفین کی مدد بھی کرتے ہو، اور اگر وہ تم تک قید ہو کر پہنچ جاتے ہیں تو تم انہیں فدیہ دے کر چھڑا لیتے ہو۔ حالانکہ ان کا (وطن سے) نکالنا ہی تم پر حرام تھا۔ تو کیا تم کتاب کے ایک حصّے کو مانتے ہو اور ایک حصّے سے انکار کرتے ہو۔

علیہ وسلم کی اتباع کیوں نہیں کرتے۔ وہ کہنے لگے کہ یہ وہ نبی نہیں ہیں۔

۲۔ ایک اور واقعہ ابن اسحاق نے بہ روایت عاصم بن عمرو بن قتادہ بیان کیا ہے کہ ملک شام کا رہنے والا ایک یہودی ابن الہیّبان حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل مدینہ آیا اور بنی قریظہ کے یہودیوں کے ساتھ رہنے لگا۔ یہ شخص بڑا عابد اور پرہیزگار تھا ہمہ وقت عبادتِ الٰہی میں مصروف رہتا۔ لوگ اس کے تقدس اور عبادت گزاری

پس تم میں سے جو ایسا کرے تو اس کی سزا کیا ہے؟ سوائے دنیاوی زندگی میں رسوائی کے۔ اور قیامت کے دن یہ سخت ترین عذاب میں ڈالے بھی جائیں گے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بے خبر نہیں۔

یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیوی زندگی خرید لی ہے سو ان پر عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں مدد ہی دی جائے گی۔ (۲/۸۶-۸۱)

کے بے حد قائل تھے۔ جب کبھی بارش نہ ہوتی تو لوگ اس سے درخواست کرتے کہ وہ بارش کے لئے دعا کرے چونکہ قحط سالی کا اندیشہ ہے۔ وہ کہتا۔ "اللہ کی قسم میں اس وقت تک دعا نہ کروں گا جب تک کہ تم صدقہ نہ دو گے۔" لہٰذا وہ لوگ بطور صدقہ کھجوریں غریبوں اور محتاجوں کو تقسیم کرتے۔ پھر وہ عابد و زاہد شخص اپنی کمین گاہ سے باہر نکلتا اور کھیتوں کے درمیان آکر بارگاہِ الٰہی میں دعا کرتا یہاں تک کہ ابر چھا جاتا اور خوب بارش ہوتی۔ اس طرح متعدد بار ہو چکا تھا۔ جب یہ بزرگ شخص مرنے لگا تو اس نے اپنے گرد جمع ہو جانے والے لوگوں سے کہا۔ "اے گروہِ یہود! کیا تم سمجھتے ہو کہ میں شراب اور خمیروں والی سرزمین (شام) سے یہاں کسی تکلیف یا بھوک کی وجہ سے آیا تھا۔ نہیں، بلکہ میں اس لئے آیا تھا کہ میں اس نبی کا انتظار کروں جس کی بعثت کا زمانہ قریب ہے اور یہی شہر ان کی ہجرت گاہ ہے۔ اے گروہ یہود! ایسا نہ ہو کہ ان کی طرف تمہارے بجائے کوئی اور سبقت لے جائے۔ وہ ذاتِ مبارک خونریزی کے لئے بھی مجبور ہو گی۔ مخالفوں کی عورتیں اور بچے بھی قید ہوں گے۔ لیکن یہ باتیں تمہیں ان پر ایمان لانے سے نہ روکیں۔"

لہٰذا ان مذکورہ روایات اور توریت میں واضح اشارات کی بنا پر یہودیوں کو ایک "نجات دہندہ" کی آمد کا اس درجہ یقین تھا کہ بارگاہ الٰہی میں اپنی دعاؤں کے ساتھ یہ بھی عرض کیا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ افْتَحْ عَلَیْنَا وَانْصُرْنَا بِالنَّبِیِّ الْاُمِّیِّ (یا اللہ ہم کو نبی اُمّی کے صدقہ میں فتح و نصرت عطا فرما)

—— اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے، اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو کھلی نشانیاں عطا فرمائیں اور پاک روح سے اس کی تائید کی، مگر جب کبھی کوئی پیغمبر تمہارے پاس ان احکام کے ساتھ آیا جو تمہارے نفس کو نہ بھائے تو تم تکبر کرنے لگے، پھر بعض کو تم نے جھٹلایا اور بعض کو تم قتل ہی کرنے لگے۔

—— اور یہ (یہودی) کہتے ہیں کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں۔ نہیں، بلکہ اللہ نے ان پر لعنت کر رکھی ہے ان کے کفر کے سبب" اور وہ ایمان بہت ہی تھوڑا رکھتے ہیں۔

—— اور جب ان کے پاس ایک کتاب (قرآن) اللہ کے پاس سے پہنچ گئی جو ان کے پاس والی کتاب (توریت) کی تصدیق کرتی ہے، اور اس سے پہلے وہ اسی نبی کے وسیلے سے کافروں پر فتح مانگتے تھے، پھر جب وہ (نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے پاس آ گیا جس کو وہ خوب پہچانتے تھے تو اسی سے منکر ہو بیٹھے سو اللہ کی لعنت ہو منکروں پر۔ (۲/۸۹-۸۷)

لہٰذا مذکورہ حالات میں انصارِ مدینہ کی توقعات بے جا نہیں تھیں بلکہ یہودیوں کا اسلام سے انحراف اور در پردہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرنا ان کے لئے تعجب انگیز ضرور تھا۔

یہود کی ریشہ دوانیاں

حضور محسنِ انسانیت نبی مرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے مشفقانہ برتاؤ اور یہودیوں کی خود اپنی مذکورہ قدیم روایات کے باوجود ان کا رویہ مسلمانوں کے ساتھ اور بالخصوص سید الانبیاء نبی محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اچھا نہ تھا۔ ان لوگوں کی ریشہ دوانیاں نہ صرف جاری تھیں بلکہ روز بروز ان کی نازیبا حرکات میں اضافہ ہو رہا تھا۔ یہ لوگ اس امر کے کوشاں رہتے کہ کسی نہ کسی طرح آپ کو جھٹلائیں اور آپ کے پیش کردہ پیغامِ حق کو غلط ثابت

— بری ہے وہ چیز جس کے عوض انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا ہے کہ انکار کرتے ہیں اس (کلام) کا جو اللہ نے نازل کیا ہے، محض اس جلن سے کہ اللہ نے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہا اپنا فضل (خاص) نازل کیا، سو وہ مستحق ہو گئے غضب بالائے غضب کے اور کافروں کے لئے ذلّت کا عذاب ہے۔ (۲/۹۰)

— اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ اس کلام پر جو اللہ نے نازل کیا ہے، تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر تو ایمان رکھتے ہیں جو ہمارے اوپر نازل ہوا ہے اور جو کچھ اس کے علاوہ ہے اس سے کفر کرتے ہیں، حالانکہ وہ خود (بھی) حق ہے اور اس کی (بھی) تصدیق کرنے والا ہے جو ان کے پاس ہے۔

کریں۔

روزِ قیامت دوبارہ زندہ کیے جانے اور بارگاہِ الوہیت سے اعمال کی جزا و سزا کا تصور یہودیوں کے لئے بھی جزوِ ایمان کی حیثیت رکھتا تھا۔ لیکن اُنکے اعمالِ بد اس بات کی شہادت دے رہے تھے کہ انہوں نے توریت کی تعلیمات کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ چونکہ ہادیٔ مرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا تو کام ہی لوگوں کو اعمالِ بد سے روکنا اور معاشرے کی تطہیر مقصود تھا لہٰذا جب آپؐ یہودیوں کو اعمالِ بد سے باز رہنے کی تلقین فرماتے ہوئے روزِ جزا و سزا اور عذابِ الٰہی کا تذکرہ فرماتے تو یہ ظالم جواب دیتے " دنیا کی کل مدت ہی سات ہزار سال ہے اور ہر ہزار سال کے عوض ایک دن کا عذاب مقرر ہے اس طرح کل عذاب صرف سات دن کا ہوگا بعد میں دور کر دیا جائے گا لہٰذا سات دن کا عذاب بھگت لیں گے آپؐ ہماری فکر نہ کریں۔" بروایت حضرت ابنِ عباس درج بالا آیات ۸۰ تا ۸۲ میں یہودیوں کے اسی خام خیال کی طرف اشارۂ ربّانی ہے۔

(اے نبیؐ!) آپ کہیئے کہ اچھا یہ بتاؤ کہ تم اس کے قبل انبیاؑ کو کیوں قتل کرتے رہے ہو اگر تم واقعی ایمان اپنی کتاب پر رکھتے تھے۔ اور موسیٰ تمہارے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے اس پر بھی تم نے ان کے پیچھے بچھڑے کو معبود بنالیا، اور تم تو ہو ہی ظالم۔

—— اور وہ وقت بھی یاد کرو جب ہم نے تم سے قول و قرار لیا تھا اور تمہارے اوپر کوہ طور کو بلند کیا تھا، کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑو اور سنو۔ (تم اس وقت) یہ بولے تھے کہ ہم نے سن تو لیا مگر مانا نہیں، اور (در حقیقت) ان کے دلوں میں تو بچھڑا رچ رہا تھا ان کے کفر کے سبب۔ (اے نبیؐ!) آپ کہہ دیجئے "کیسی بُری ہے وہ بات جس کا حکم تمہارا ایمان تمہیں دے رہا ہے اگر تم (واقعی) ایمان والے ہو۔ (۲/۹۳-۹۱)

اس طرح یہودیوں نے نہ صرف عذاب کی اہمیت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا بلکہ ستم بالائے ستم جہاں کہیں بھی موقع ملتا تو مسلمانوں سے کہتے۔ "ہم کو آخرت کی بشارت کیا دیتے ہو تم خود اپنی فکر کرو تمہیں آخرت میں کچھ نہ ملے گا چونکہ آخرت تو تمہارے لئے مقرر ہو چکی ہے۔" لہٰذا اللہ کے رسول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکم ربی ایک دن یہودیوں کو دعوتِ مباہلہ دیتے ہوئے کہا "اگر تم لوگوں کو اس کا یقین ہے کہ آخرت تمہارے لئے مقرر ہے تو آؤ ہم اور تم دونوں مل کر اللہ کے حضور دعا کریں کہ بارِ الٰہا ہم دونوں میں جو بھی جھوٹا ہو اسے موت دیدے ——"

لیکن جیسا کہ درج بالا سورۂ مبارکہ کی آیت نمبر ۹۴ میں حق تعالیٰ کی طرف سے پیش گوئی آچکی تھی کہ یہ ہرگز موت کی آرزو نہ کریں گے۔ لہٰذا آپؐ کی دعوتِ مباہلہ کے جواب میں یہی ہوا کہ کوئی یہودی بارگاہِ الٰہی میں اس دعا کے لئے تیار نہ ہوا۔ اور اس طرح ان کے جھوٹے دعوے کی قلعی کھل گئی۔

(اے نبیؐ!) آپ کہہ دیجئے (ان یہودیوں سے) "اگر عالم آخرت خاص تمہارے ہی لئے ہے دوسروں کیلئے نہیں، تو موت کی آرزو تو کرو اگر تم (اس دعوے میں) سچے ہو۔" لیکن وہ اس کی آرزو ہرگز نہ کریں گے بہ سبب ان اعمالِ بد کے جو اپنے ہاتھوں سمیٹ چکے ہیں، اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

(اے حبیبؐ!) اور آپ بے شک انہیں پائیں گے کہ سب لوگوں سے زیادہ زندگی کی ہوس رکھتے ہیں، مشرکوں سے بھی بڑھ کر، ان میں سے ایک ایک یہ چاہتا ہے کہ ہزار (ہزار) برس کی عمر پائے۔ حالانکہ اتنی عمر اگر وہ پا بھی جائے تو اتنی عمر دیا جانا اسے عذاب سے تو نہیں بچا سکتا اور اللہ ان کے کوتک خوب دیکھ رہا ہے۔ (۲/۹۶-۹۴)

ان ہی ایام کا ذکر ہے کہ یہودیوں کی مذکورہ باتوں اور اسی قبیل کی دیگر حرکات سے بیزار ہو کر ایک دن حضرت معاذ بن جبل اور بنی سلمہ والے حضرت بشر ابن البراء بن معرور کی یہودیوں کے ساتھ گفتگو ہوئی چونکہ یہ دونوں حضرات انصار میں سے تھے اور یہودیوں سے قریبی تعلقات رکھنے کے علاوہ ان کی باتوں سے بھی اچھی طرح واقف تھے لہذا کہنے لگے "اے گروہِ یہود! اللہ سے ڈرو اور امن و سلامتی کی طرف آؤ کیونکہ تم ہی وہ لوگ تھے جو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے اللہ تعالیٰ سے ہمارے مقابل فتح مانگا کرتے تھے جبکہ ہم لوگ مشرک تھے، اور تم ہی لوگ ہم کو خبر دیا کرتے تھے کہ ایک نبی مبعوث ہونے والے ہیں اور ان کی صفات بھی بیان کیا کرتے تھے۔ لیکن اب جبکہ وہی صفات والے نبیؐ ہمارے درمیان آگئے ہیں تو تم مفسدانہ باتیں کرتے ہو۔" بنی نضیر والے یہودی سلام بن مشکم نے جواب دیا۔ "وہ کوئی ایسی چیز نہیں لائے جسے ہم پہچانیں اور یہ وہ نبی نہیں ہیں جن کا ذکر ہم تم سے کیا کرتے تھے۔" آیت نمبر ۸۹ میں اسی واقعہ کی طرف اشارۂ ربانی ہے۔

ایک طرف یہودیوں کی ریشہ دوانیاں تھیں اور دوسری طرف محسن انسانیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مسلسل وسیع القلبی اور بے پایاں شفقت کا

(اے نبیؐ!) آپ کہہ دیجئے کہ جو کوئی جبرئیل کا دشمن ہے تو اس نے تو اس (قرآن) کو آپ کے قلب پر اللہ کے حکم سے اتارا ہے۔ وہ تصدیق کرنے والا ہے اس کلام کی جو اس کے قبل سے ہے اور ہدایت ہے اور خوشخبری ایمان والوں کے لئے۔ جو کوئی دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور جبرئیل اور میکائیل کا تو اللہ دشمن ہے ایسے کافروں کا۔ اور بالیقین ہم نے آپ پر روشن آیتیں اتاری ہیں اور ان کے منکر نہ ہوں گے مگر فاسق لوگ۔

ـــــ کیا یہ (نہیں) ہے کہ انہوں نے جب کبھی کوئی عہد کیا تو ان ہی میں سے کسی (نہ کسی) جماعت نے توڑ پھینکا ہے، اصل بات یہ ہے کہ ان میں سے زیادہ تر ایمان ہی نہیں رکھتے۔

ـــــ اور جب ان کے پاس آئے اللہ کے یہاں سے ایک رسول ان کی کتابوں کی تصدیق کرتے ہوئے تو ان اہلِ کتاب میں سے ایک جماعت نے اللہ کی کتاب اپنے پسِ پشت پھینک دی گویا وہ کچھ علم ہی نہیں رکھتے۔
(۲/ ۱۰۱-۹۷)

مظاہرہ ہو رہا تھا۔ ایک دن یہودیوں کی ایک جماعت آپؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کیا۔ "ہم آپؐ سے چند سوالات کرنا چاہتے ہیں اگر آپؐ سچے نبی ہوئے تو ان سوالات کا جواب دے سکیں گے ورنہ نہیں۔" آپؐ نے فرمایا "اچھا یہ تم پر اللہ کا عہد و میثاق ہے کہ اگر میں نے تمہیں ان باتوں کی خبر دے دی جو کہ تم مجھ سے معلوم کرنا چاہتے ہو تو تم لوگ ضرور میری تصدیق کرو گے۔" انہوں نے اس عہد و میثاق کا اقرار کر لیا۔ آپؐ نے فرمایا "جس چیز کے بھی متعلق تمہیں مناسب معلوم ہو دریافت کرو۔" یہودیوں نے پہلا سوال عرض کیا۔ "یہ بتلایئے کہ تورات نازل ہونے سے پہلے حضرت اسرائیل نے اپنے نفس پر کس چیز کو حرام کیا تھا؟" آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ "سنو! حضرت یعقوبؑ (یہودی آپ کو اسرائیل کہا کرتے تھے اور اسی نسبت سے بنی اسرائیل مشہور ہوئے) جب عرق النسار کی بیماری میں سخت مبتلا ہوئے تو آپ

ـــــ اور (یہودی) پیرو ہوئے اس (علم) کے جو سلیمان کی سلطنت میں شیطان پڑھا کرتے تھے اور سلیمان نے (تو کبھی) کفر نہ کیا، البتہ شیطان ہی کفر کیا کرتے تھے لوگوں کو سحر کی تعلیم دیتے (تھے)، اور وہ اس علم کے بھی (پیرو ہو گئے) جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اتارا گیا تھا اور وہ دونوں کسی کو بھی (اس فن کی باتیں) نہیں بتاتے تھے جب تک یہ نہ کہدیتے کہ ہم تو بس ایک (ذریعۂ) امتحان ہیں سو تم (کہیں) کفر نہ اختیار کر لینا، مگر (لوگ) ان دونوں سے وہ جادو سیکھ ہی لیتے جس سے وہ تفرقہ ڈال دیتے مرد اور اس کی زوجہ کے درمیان ۔ حالانکہ وہ کسی کو بھی اس کے ذریعہ سے نقصان نہ پہنچا سکتے تھے مگر ہاں ارادۂ الٰہی سے اور یہ وہ چیز سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان پہنچا سکتی ہے انہیں نفع نہیں پہنچا سکتی، اور یہ خوب جانتے ہیں کہ جس نے اسے اختیار کر لیا اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں اور بہت ہی بری ہے وہ چیز جس کے عوض میں انہوں نے اپنے آپ کو بیچ ڈالا ہے کاش! وہ اتنا ہی جانتے۔

ـــــ اور اگر وہ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے، تو اس کا ثواب اللہ کے ہاں کہیں بہتر ہوتا کاش! وہ (اتنا ہی) جانتے۔

ـــــ اے ایمان والو! "راعنا" مت کہا کرو اور "انظرنا" کہا کرو اور سنتے رہا کرو، اور کافروں کے لئے (تو) عذاب دردناک ہے۔

(۲/۱۰۴—۱۰۲)

نے نذر مانی کہ اگر اللہ مجھے اس مرض سے شفا دے دیگا تو میں اپنا کھانے کی سب سے زیادہ مرغوب چیز اور پینے کی سب سے زیادہ محبوب چیز چھوڑ دوں گا لہٰذا جب اللہ نے آپ کو تندرست کر دیا تو آپ نے اونٹ کا گوشت کھانا اور اونٹ کا دودھ پینا چھوڑ دیا کہ یہی آپ کی مرغوب اور محبوب اشیاء تھیں۔" اس جواب کے بعد آپؐ نے یہودیوں سے کہا "تم لوگوں کو اللہ کی قسم جس نے حضرت موسیٰؑ پر تورات اتاری بتاؤ کہ یہ بات صحیح ہے کہ نہیں؟" انہوں نے عرض کیا "سچ ہے۔

—— جو لوگ کافر ہیں (خواہ) اہلِ کتاب میں سے ہوں یا مشرکین میں سے وہ اسے (ذرا بھی) پسند نہیں کرتے کہ تمہارے اوپر کوئی بھی بھلائی تمہارے پروردگار کی طرف سے اترے۔ حالانکہ اللہ جسے چاہے اپنی رحمت سے مخصوص کرلے اور وہ بڑے ہی فضل والا ہے۔

—— ہم جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو (کوئی) اس سے بہتر ہی یا مثل اس کے لے آتے ہیں" (اے انسان!) کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

—— کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اور اللہ کے سوا نہ تمہارا کوئی حمایتی ہے نہ مددگار۔ (۲ | ۱۰۷-۱۰۵)

آپؐ نے بجا ارشاد فرمایا۔ یہ اور بتائیے کہ عورت اور مرد کے پانی کی کیا کیفیت ہے کہ کبھی لڑکا پیدا ہوتا ہے اور کبھی لڑکی؟" آپؐ نے فرمایا۔ "یہ بھی سنو! مرد کا پانی گاڑھا اور سفید ہوتا ہے اور عورت کا پانی پتلا اور زردی مائل ہوتا ہے۔ ہر دو میں سے جو بھی غالب آجاتا ہے اسی کے مطابق پیدائش ہوتی ہے اور شکل و شباہت بھی۔ یعنی جب مرد کا پانی غالب رہتا ہے تو اللہ کے حکم سے لڑکا پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی غالب ہو جاتا ہے تو اللہ کے حکم سے لڑکی پیدا ہوتی ہے۔ تم لوگوں کو قسم ہے اللہ کی جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، سچ بتاؤ کیا میرا یہ جواب بھی صحیح ہے؟" ان لوگوں نے جواب کو صحیح تسلیم کرتے ہوئے کہا۔ "اچھا یہ اور بتائیے کہ تورات میں جس نبی اُمّی کی خبر ہے اس کی خاص نشانی کیا ہے اور اس کے پاس کونسا خاص فرشتہ وحی لانے پر مقرر ہے۔؟" ہادیٔ مرسل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "اس کی خاص نشانی یہ ہے کہ اس کی آنکھیں جب سوئی ہوئی ہوں تو اس وقت اس کا دل جاگتا رہتا ہے۔ تم لوگوں کو قسم ہے اس رب کی جس نے حضرت موسیٰؑ کو تورات دی بتاؤ کہ کیا یہ بات بھی صحیح ہے؟" ان لوگوں نے کہا۔ "بات تو یہ بھی صحیح ہے لیکن

ـــــ کیا یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے ویسا ہی سوال کرو جو موسیٰ سے پہلے ہوا تھا، اور جو کوئی ایمان کے بدلہ میں کفر اختیار کرے سو وہ یقیناً سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔

ـــــ (اے مومنو!) بہت سے اہلِ کتاب تو دل ہی سے چاہتے ہیں کہ تمہیں ایمان (لے آنے) کے بعد پھر سے کافر بنالیں حسد کی بنا پر جو ان کے نفسوں میں ہے، بعد اس کے کہ ان پر حق خوب ظاہر ہو چکا ہے، سو (تم انہیں) معاف کرتے رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم بھیجدے۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو، اور جو کچھ (بھی) بھلائی تم اپنے واسطے آگے بھیجدو گے اسے اللہ کے پاس پالو گے۔ یقیناً اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔

ـــــ اور یہ (یہودی) کہتے ہیں کہ جنت میں کوئی ہرگز داخل نہ ہوگا مگر وہ جو یہودی یا نصرانی ہو۔ یہ ان کی خیال بندیاں ہیں۔ (اے نبیؐ!) آپ فرمایئے۔ "لے آؤ اپنی سند اگر تم (اپنے دعوے میں) سچے ہو۔" (۲/۱۱۱ - ۱۰۸)

ہمارے سوال کی دوسری شق کا بھی تو جواب دیجئے۔" آپؐ نے فرمایا۔ "میرا ولی جبرئیل ہے، وہی میرے پاس وحی لاتا ہے اور وہی تمام انبیاء کرام کے پاس وحی لاتا رہا ہے۔ قسم کھا کر سچ کہو کہ کیا میرا جواب صحیح ہے۔" یہودی کہنے لگے۔ "جواب تو صحیح ہے لیکن جبرئیل تو ہمارا دشمن ہے وہ سختی سے خوں ریزی وغیرہ لے کر آتا رہتا ہے اس لئے ہم اس کی نہیں مانیں گے اور نہ آپؐ کی مانیں گے۔ ہاں اگر آپؐ کے پاس میکائیل وحی لے کر آتے جو رحمت، بارش اور پیداوار وغیرہ لے کر آتے ہیں اور ہمارے دوست ہیں تو ہم آپؐ کی تصدیق کرتے اور تابعداری بھی۔" یہ کہہ کر یہودی وہاں سے اٹھ کر چلدیئے۔ جیسے کہ ان کی آمد کا مقصد یہی تھا کہ کسی نہ کسی بہانے آپؐ کی نبوت کو جھٹلائیں۔

—— ہاں البتہ جو کوئی بھی اپنی ذات کو اللہ کے حضور جھکا دے اور وہ مخلص بھی ہو تو ایسے (ہر شخص) کے لئے اس کے پروردگار کے پاس اس کا اجر ہے اور ایسوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے اور نہ وہ مغموم ہوں گے۔

—— اور یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ کسی بنیاد پر نہیں اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود کسی بنیاد پر نہیں، حالانکہ وہ سب (ایک ہی) کتاب پڑھتے ہیں، اسی طرح وہ لوگ بھی کہنے لگے ان ہی کی سی بات جو کچھ بھی علم نہیں رکھتے۔ سو اللہ ان کے درمیان قیامت کے دن اس باب میں فیصلہ کر دے گا جس میں وہ جھگڑتے رہتے ہیں۔

—— اور اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو گا جو اللہ کی مسجدوں کو اس سے روک دے کہ ان میں اس کا نام لیا جائے اور ان کی بربادی کی کوشش کرے، یہ لوگ اس لائق ہی نہیں کہ ان میں داخل ہوں مگر ہاں یہ کہ ڈرتے ہوئے، ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے۔

(۲/۱۱۲ - ۱۱۴)

اسی قبیل کی باتیں کرنا اور طرح طرح کے سوالات کرنا یہود اور منافقین کا معمول تھا۔ ان کے برخلاف مسلمانوں کا یہ عالم تھا کہ وہ زانوئے ادب طے کئے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں خاموش بیٹھے رہتے۔ جو ارشاد حضور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے سن لیتے یا جن مسائل میں پیچیدگی ہوتی اور بات سمجھنے میں نہ آتی تو بصد آداب دریافت کر لیتے۔ ان ہی دنوں یہودیوں کو ایک اور شرارت سوجھی۔ آپؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور ان میں سے کسی ایک نے آپؐ سے سوال کیا کہ اگر ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ کسی غیر مرد کو پائے تو کیا کرے؟ اگر لوگوں کو خبر کرے تو یہ بھی بڑی بے شرمی کی بات ہے اور اگر چپ رہے تو یہ بھی بڑی بے غیرتی کی بات ہے۔ ہادیٔ مرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ سوال بہت برا معلوم ہوا لیکن آپؐ نے خاموشی اختیار کی۔ چند ہی یوم گزرے تھے کہ اسی شخص پر جس نے کہ سوال کیا تھا ایسا ہی واقعہ پیش

—— اور اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب، سو تم جدھر کو بھی منہ پھیرو اللہ ہی کی ذات ہے، اللہ بڑا وسعت والا ہے بڑا علم والا ہے۔

—— اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے ایک بیٹا بنا لیا ہے، پاک ہے وہ (ایسی باتوں سے) ۔ اصل یہی ہے کہ اسی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے، سب اسی کے حکم بردار ہیں۔ (وہی) موجد ہے آسمانوں اور زمین کا، اور جب کسی کام کا کرنا ٹھہرا لیتا ہے تو بس اتنا ہی اس سے کہتا ہے کہ ہو جا بس وہ (کام) ہو جاتا ہے۔

—— اور جنہیں علم (حقیقی) سے واقفیت نہیں کہتے ہیں کہ اللہ ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی؟ اسی طرح وہ لوگ بھی کہتے آئے ہیں جو ان سے پہلے ہو چکے ہیں، ان کے اور ان کے دل یکساں ہو گئے، ہم نے تو اپنے نشان کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں۔

—— ہم نے (تو اے نبیؐ) آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے خوشخبری دیتا اور ڈر سناتا ہوا، اور آپ سے دوزخ والوں کے متعلق سوال نہ ہوگا۔ اور آپ سے یہود و نصاریٰ ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک کہ آپ ان کے مذہب کی پیروی نہ کریں۔ آپ کہہ دیجئے "اللہ کی بتائی ہوئی ہدایت ہی (اصل) ہدایت ہے۔" (اے انسان!) اگر تو نے ان (حق سے انحراف کرنے والوں) کی خواہشوں کی پیروی کی باوجود اپنے پاس علم آ جانے کے تو پھر اللہ کے پاس نہ تیرا کوئی ولی ہوگا اور نہ مددگار۔ (۲/۱۲۰-۱۱۵)

آیا اور اس کے لئے لعن کا حکم ہوا۔

رافع بن حرملہ اور وہب بن زید بھی یہودیوں کے سرغنوں میں سے تھے اور اکثر و بیشتر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محافل میں آتے رہتے تھے ایک دن آپؐ سے

___ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے اور وہ اسی طرح پڑھتے ہیں جیسی کہ چاہیئے (تو) وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور جو اسکے ساتھ کفر کرے تو وہ نقصان اٹھانے والا ہے۔
اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمتیں یاد کرو جو میں نے تم کو دیں اور وہ بھی جو کہ میں نے اس زمانہ کے سب لوگوں پر تمہیں فضیلت دی۔ اور ڈرو اس دن سے جب کوئی کسی کے بھی کام نہ آئے گا اور نہ اس کی طرف سے معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ اسے کسی کی سفارش نفع دے گی اور نہ ان کی مدد ہوگی۔ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ابراہیم کو ان کے پروردگار نے چند امور میں آزمایا اور انہوں نے وہ انجام دیئے تو ارشاد ہوا۔ "میں تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں" (ابراہیم نے دریافت کیا۔ "اور میری نسل سے بھی۔؟" ارشاد ہوا "میرا وعدہ نافرمانوں سے نہیں۔" (۲/۱۲۴-۱۲۱)

کہنے لگے۔ "کوئی آسمانی کتاب ہم پر نازل کرائیے کہ اسے ہم خود پڑھیں اور ہمارے شہروں میں دریا جاری کرا دیں تو ہم لوگ آپؐ کی نبوت کو مان لیں گے۔" یہ مطالبات درحقیقت اسی طرح کے تھے جیسے کہ یہودیوں نے حضرت موسیٰ سے ان کے زمانے میں کئے تھے ___ آیت نمبر ۱۰۸ میں یہودیوں کی اسی شرارت کی طرف اشارہ ربانی ہے۔

ان ہی دنوں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہودیوں نے ایک اور رکیک گستاخی شروع کی کہ بظاہر تو آپؐ کی محافل میں بڑے ادب و احترام کے ساتھ آتے اور مؤدبانہ گفتگو کرتے لیکن دورانِ گفتگو ایسے ذو معنی الفاظ استعمال کرتے کہ جن سے ظاہری طور پر تو ادب و احترام کا اظہار ہوتا لیکن درحقیقت آپؐ کی مخالفت اور استہزا مقصود ہوتی اسی طرح کے الفاظ میں سے ایک لفظ "راعنا" تھا جس کے عربی معنی تھے۔ "سن! تو بہرا ہو جائے" اور عربی میں یہی لفظ صاحبِ رعونت اور جاہل احمق کے لیے بھی استعمال ہوتا تھا۔ لہٰذا یہودی دورانِ گفتگو آپؐ کو "راعنا" کہہ کر بار بار مخاطب کرتے اور پھر بھری محفل میں سرگوشیاں کر کے مسرور ہوتے۔ آپؐ ان لوگوں کی ان باتوں کو سمجھتے ہوئے بھی صبر و

— اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے خانۂ کعبہ کو لوگوں کے لئے مقامِ رجوع اور امن بنایا، اور (کہا) مقامِ ابراہیم کو نماز کی جگہ بنالو، اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کی طرف حکم بھیجا کہ تم دونوں میرے گھر کو پاک صاف رکھو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے۔

— اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ابراہیم نے عرض کی۔ "اے میرے پروردگار! اس شہر کو امن والا بنادے اور اس میں رہنے بسنے والوں کو پھلوں سے روزی عطا فرما جو اللہ اور آخرت پر ایمان لائیں" اللہ نے ارشاد فرمایا "جو کفر کرے گا میں اسے بھی کچھ دن مزے اٹھانے دوں گا پھر اسے کشاں کشاں عذابِ جہنم تک پہنچادوں گا اور وہ کیسا بُرا ٹھکانا ہے۔" (۱۲۵-۱۲۶/۲)

تحمل سے کام لیتے رہے۔ لیکن ان یہودیوں کی دیکھا دیکھی بعض سادہ لوح مسلمانوں نے بھی آپؐ کو "راعنا" کہہ کر مخاطب کیا۔ لہٰذا آیت نمبر ۱۰۴ میں ارشادِ ربّانی ہوا کہ اے ایمان والو تم راعنا نہ کہا کرو بلکہ انظرنا کہا کرو۔

یہودیوں نے مسلمانوں کو اپنے دین سے بددل کرنے کے لئے ایک اور حرکت سوچی جہاں کہیں مسلمانوں سے ملتے تو کہتے کہ تم لوگ کہتے ہو کہ تورات، انجیل اور زبور اللہ کی طرف سے نازل کی ہوئی ہیں اور قرآن بھی اللہ کی طرف سے ہے تو تمہارے قرآن میں بعض احکام پہلی کتابوں سے مختلف کیوں ہیں۔ کئی روز تک اسی طرح کی چہ میگوئیاں کرکے مسلمانوں کے قلوب میں شک وشبہ ڈالنے کی کوشش کرتے رہے کہ کلامِ ربانی کا نزول ہوا اور آیت نمبر ۱۰۶ میں اس امر کی بھی وضاحت فرمادی گئی کہ اللہ تعالیٰ جس حکم کو چاہتا ہے منسوخ کردیتا ہے اور اس سے بہتر حکم نافذ فرماتا ہے۔ اس نے جو کام چاہا تو ریت انجیل اور زبور سے لیا اور اس کے بعد قرآن نازل فرمایا جو پہلی کتابوں کے بنیادی احکامات کی تصدیق

—— اور (وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے) جب ابراہیم اور اسمٰعیل خانۂ کعبہ کی بنیادیں بلند کر رہے تھے اور عرض کرتے تھے "اے ہمارے پروردگار! ہم سے یہ قبول فرما یقیناً تو ہی سب کچھ سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔ اے پروردگار!! ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنادے اور ہماری نسل سے ایک فرمانبردار اُمت پیدا کر اور ہم کو ہمارے دینی قاعدے بتلادے اور ہمارے حال پر توجّہ رکھ یقیناً تو بڑا توجّہ فرمانے والا بڑا مہربان ہے۔ اے پروردگار!!! ان میں ایک پیغمبر ان ہی میں سے بھیج جو انہیں تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور انہیں کتاب (الٰہی) اور دانائی کی تعلیم دے اور انہیں پاک (وصاف) کرے یقیناً تو بڑا زبردست بڑا حکمت والا ہے۔"

—— اور ابراہیم کے دین سے کون منہ پھیریگا سوائے اس کے جو دل کا احمق ہو، اور بے شک ہم نے تو انہیں دنیا میں بھی برگزیدہ کر لیا تھا اور اور آخرت میں بھی وہ صالحین میں ہوں گے۔

—— اور (وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے) جب ان سے ان کے پروردگار نے فرمایا "مسلم (فرمانبردار) ہو جاؤ"، انہوں نے عرض کیا "میں فرمانبردار ہوں اس کا جو پروردگار ہے سارے جہانوں کا" اور (اسی لئے) ابراہیم نے اسی دین کی وصیت کی اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے (بھی یہی وصیت کی) کہ اے میرے بیٹو! بے شک اللہ نے یہ دین تمہارے لئے انتخاب کر لیا ہے سو ایسا ہرگز نہ ہو کہ تم مرتے وقت مسلم (فرمانبردار) کے علاوہ کچھ اور ہو۔ (۲/۱۲۷-۱۳۲)

بھی کرتا ہے اور دوسرے احکامات بھی بتاتا ہے جن میں انسانیت کی فلاح و بہبود اور سربلندی کے راز مضمر ہیں۔

یہودیوں میں جادو اور ٹوٹکوں وغیرہ کا سلسلہ بھی زمانۂ قدیم سے چلا آرہا تھا۔ ان ظالموں نے جادو کو حضرت سلیمانؑ کا علم مشہور کر رکھا تھا بلکہ وہ انہیں اللہ کا نبی

— بھلا اس وقت کیا تم موجود تھے جب یعقوب کو موت آ پہنچی اور اس وقت انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا تھا "تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟" وہ بولے "ہم عبادت کریں گے اس معبود کی جو آپ کا، آپ کے آباء ابراہیم و اسمٰعیل و یعقوب کا ہے، معبود واحد ہے اور ہم تو اسی کے فرمانبردار ہیں۔"

— یہ ایک امت ہے جو گزر چکی۔ ان کے آگے ان کا کیا ہوا آئیگا اور تمہارے آگے تمہارا کیا ہوا۔ اور وہ جو کچھ کرتے رہے اس کی پوچھ گچھ تم سے نہ ہوگی۔

— اور یہ لوگ کہتے ہیں "یہودی ہو جاؤ یا نصرانی تو راہ پا جاؤ گے۔" (اے نبیؐ!) آپ کہہ دیجئے "بلکہ ہم نے تو ابراہیم سیدھی راہ والے کا مذہب پا لیا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔"

— کہہ دو "ہم تو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو ہم پر اتارا گیا اور جو ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولادِ یعقوب پر اتارا گیا اور جو موسیٰ و عیسیٰ کو دیا گیا، اور اس پر جو دوسرے انبیاء کو ان کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا، اور ہم ان میں سے کسی کے درمیان بھی فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ ہی کے فرمانبردار ہیں۔"
(۲/۱۳۲-۱۳۶)

نہیں جادوگر سمجھتے تھے حالانکہ معاملہ اس کے برعکس تھا۔ لہٰذا جب مسلمان مدینہ میں رہنے بسنے لگے تو ان لوگوں نے مسلمانوں کو خوفزدہ کرنے کے لئے اس طرح کی رکیک حرکتیں بھی کیں۔ مہاجر جب سے مدینہ آکر آباد ہوئے تھے ان کے یہاں کوئی بچہ تولد نہ ہوا تھا۔ یہود کی شہ پر منافقین نے یہی کہنا شروع کر دیا کہ یہودیوں نے مسلمانوں پر جادو کے ذریعہ سے سلسلۂ تولید بند کر دیا ہے اب ان کی نسل ہی آگے نہ بڑھے گی۔ نہ جانے اسی طرح کی اور کیا کیا باتیں سادہ لوح اور ضعیف الاعتقاد لوگوں کے درمیان پھیلا کر انہیں اسلام سے برگشتہ کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ حُسنِ اتفاق ان ہی دنوں حضرت ابوبکرؓ کی

—— تو اگر یہ لوگ ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان رکھتے ہو تو بیشک وہ بھی راہ پا گئے۔ اور اگر منہ موڑے رہیں تو بس وہ نری ضد میں ہیں۔ سو (اے حبیبؐ!) اب اللہ آپ کی طرف سے ان کے مقابلہ میں ہے اور وہ بڑا سننے والا بڑا جاننے والا ہے۔

—— ہمارے اوپر اللہ کا رنگ ہے، اور اللہ سے بہتر کون رنگ (دینے والا) ہے۔ ہم تو اسی کی بندگی کرنے والے ہیں (اے نبی) آپ کہہ دیجئے "کیا تم ہم سے اللہ کے باب میں حجت کئے جاتے ہو۔ حالانکہ وہ ہمارا بھی پروردگار ہے اور تمہارا بھی پروردگار ہے، اور ہمارے عمل ہمارے لئے ہیں اور تمہارے عمل تمہارے لئے، اور ہم تو خالص اسی کے ہیں۔ (۲/۱۳۹-۱۳۷)

صاحبزادی اسماء کے یہاں ایک بچہ تولد ہوا۔

حضرت اسماء کی شادی ہجرت سے قبل حضرت زبیر کے ساتھ مکہ میں ہو چکی تھی ان کا تذکرہ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے سلسلے میں دوسری جلد میں کیا جا چکا ہے۔

محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کو جوں ہی ولادت کی اطلاع ملی تو آپؐ بنفسِ نفیس خود ان کے مکان پر قبا تشریف لے گئے۔ نومولود کو جب آپؐ کی آغوش میں دیا گیا تو آپؐ نے فرطِ مسرت میں ایک کھجور چبا کر اس کے تالو سے لگائی۔ بعد میں یہی بچہ بڑا ہو کر عبداللہ ابنِ زبیر کے نام سے شہرت کا حامل ہوا۔

حضرت اسماء کے یہاں بچے کی ولادت اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہارِ مسرت سے منافقین اور دشمنانِ اسلام کے چہرے زرد پڑ گئے۔ ان کی باتیں تو محض خیالی وسوسے تھے جن سے وہ لوگوں کو ورغلایا کرتے تھے۔

ان ہی دنوں یہودیوں نے ایک اور حرکت کی کہ سادہ لوح لوگوں کو بلا کر کہتے کہ صحیح دین تو صرف ہمارا ہے اگر تم آخرت چاہتے ہو تو یہودی بن جاؤ اور اگر یہودی نہیں بنتے تو نصرانی ہو جاؤ تم راہ یاب ہو جاؤ گے۔ چونکہ سارے نبی تو ہمارے یہاں آئے ہیں ان ہی کا بتایا ہوا

— کیا تم یہ کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور آلِ یعقوب یہودی یا نصرانی تھے؟۔ (اے نبیؐ!) آپ فرمائیے (ان لوگوں سے) ”تم کو علم زیادہ ہے یا اللہ کو؟“ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جس کے پاس اللہ کی طرف سے گواہی ہو اور وہ اسے چھپائے۔ اور اللہ تمہارے کرتوت سے بے خبر تو نہیں ہے۔ (۲/۱۴۰)

راستہ حق ہے۔ آیات ۱۲۲ تا ۱۴۱ میں یہودیوں سے براہِ راست خطاب کرتے ہوئے ان کی اس نعمتِ عظمیٰ کا ذکر کیا گیا جس پر وہ نازاں ہو کر لوگوں کو ورغلایا کرتے تھے۔ حالانکہ اُس نعمتِ عظمیٰ کا سلسلہ منقطع ہوئے زمانہ گذر چکا تھا۔ یہودیوں کی مذکورہ نعمتِ عظمیٰ وہ سلسلۂ نبوت تھا جو کہ حضرت ابراہیمؑ کے بعد ان کے دوسرے صاحبزادے حضرت اسحٰقؑ سے شروع ہوا تھا۔ حضرت یعقوب، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ سب انبیاء علیہم السلام اسی سلسلہ کی کڑی تھے۔ ان تمام حضرات نے حضرت ابراہیمؑ کے دین کو پیش کیا ہر ایک نے اسی صراطِ مستقیم پر چلنے کی دعوت دی جو کہ حق سبحانہٗ تعالےٰ کی طرف سے انسانیت کی فلاح کے لئے متعین کیا جا چکا تھا۔ لیکن یہودیوں نے اپنی گمراہی، دنیا طلبی اور بے جا نسلی تفاخر کے سبب نہ صرف اپنے انبیاء علیہم السلام کو جھٹلایا تھا بلکہ انہیں قتل کرنے سے بھی گریز نہ کیا تھا۔ آخر کار یہودیوں میں وہ سلسلۂ نبوت منقطع ہو گیا۔ لیکن انہیں بشارت دے دی گئی کہ ایک نبی اور اللہ کی طرف سے آئے گا جو کہ انسانیت کو اس کا مقامِ عظمت و سربلندی دلائے گا۔ عدالت اور شریعت قائم کرے گا۔ نئے نبی کی آمد کا تذکرہ یہودیوں کی قدیم کتب اور روایات میں بھی موجود تھا۔ لیکن جب ہادیٔ برحق نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور آپؐ نے وہی پیغام حق پیش فرمایا جو آپ سے پہلے آنے والے نبیوں نے پیش کیا تھا تو یہی یہود آپؐ کے مخالف ہو گئے۔ اور اب کہتے پھر رہے تھے کہ ہم جس نبی موعود کے منتظر ہیں وہ تو آلِ یعقوب یعنی حضرت اسحٰقؑ کی نسل میں سے آئیگا اور یہ نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم تو بنی اسمٰعیل سے ہیں جن میں کوئی نبی نہیں آیا۔ یہودیوں کی یہ بات

— وہ ایک امت ہے جو گزر چکی، ان کا کیا ہوا ان کے آگے آئے گا، اور تمہارا کیا ہوا تمہارے آگے آئے گا، اور جو کچھ وہ کرتے رہے اس کی پوچھ گچھ تم سے نہ ہوگی۔ (۲/۱۴۱)

سراسر ہٹ دھرمی اور بے سند تھی حضرت اسمٰعیل اور حضرت اسحٰق دونوں حضرت ابراہیمؑ کے صاحبزادے تھے۔ لہٰذا درج بالا آیات میں خانہ کعبہ کی تعمیر کا ذکر کرتے ہوئے حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کی دعا کا ذکر کیا گیا جو اس وقت انہوں نے بارگاہِ الوہیت میں پیش کی تھی کہ اے پروردگار! ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار (مسلم) بنادے اور ہماری نسل سے ایک فرمانبردار امت (مسلمان) پیدا کر، اور ہم کو ہمارے دینی قاعدے بتلادے، اور ہمارے حال پر توجہ رکھ یقیناً تو توبڑا توجہ فرمانے والا بڑا مہربان ہے۔ اے پروردگار! ان میں ایک پیغمبر ان ہی میں سے بھیج جو انہیں تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور انہیں کتابِ الٰہی اور دانائی کی تعلیم دے، اور انہیں پاک وصاف کرے یقیناً تو بڑا زبردست بڑا حکمت والا ہے۔ (۲/۱۲۹ — ۱۲۸)

اور اب جبکہ حضور سرورِ کائنات نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم توریت اور انجیل کی بشارتِ مجسم اور دعائے ابراہیمؑ کی صورتِ اکمل بن کر لوگوں کو آیاتِ ربانی پڑھ کر سنا رہے تھے تو سیدھی راہ کے دعویدار یہودی آپؐ کے پیش کردہ صراطِ مستقیم کو جھٹلا رہے تھے، اور طرح طرح کی ریشہ دوانیوں سے لوگوں کو آپؐ سے بدگمان کرنے کے لئے کوشاں تھے۔

(بحوالہ بخاری، مسلم، ابن کثیر، ابنِ ہشام)

خانۂ کعبہ ہی قبلۂ اوّل و آخر ہے

یہ کہنا غیر مناسب نہ ہوگا کہ جب محسنِ انسانیت احمدِ مرسل حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے بعد قبا کی سرزمین پر قدم رکھا ہوگا تو آپؐ کے ذہنِ مبارک میں ابھرنے والے مسائل میں قبلہ کے تعین کو خاص اہمیت رہی ہوگی۔ چونکہ ہجرت سے پہلے تک آپؐ حرم میں خانۂ کعبہ کے مقابل اس طرح نماز ادا فرمایا کرتے تھے کہ آپؐ کا رخ بیت المقدس

— اب کہیں گے نادان لوگ کہ کس چیز نے پھیر دیا ان (مسلمانوں) کو ان کے اس قبلہ سے جس پر وہ اب تک تھے ۔ (اے نبیؐ!) آپ فرما دیجئے مشرق و مغرب سب اللہ ہی کی ملک ہیں وہ جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم دکھا دیتا ہے ۔

— اور (اے مسلمانو!) اس طرح ہم نے تمہیں سب امتوں میں افضل کیا تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) گواہ رہیں تم پر ۔ اور (اے حبیبؐ) جس قبلہ پر آپ (اب تک) تھے اسے تو ہم نے اس لئے رکھا تھا کہ ہم پہچان لیں رسول کا اتباع کرنے والوں کو الٹے پاؤں پھر جانے والوں سے ، اور یہ حکم بہت بھاری ہے مگر ان لوگوں کو نہیں جنہیں اللہ نے راہ دکھا دی ہے ، اور اللہ کی شان (یہ) نہیں کہ تمہارا ایمان اکارت کرے ۔ بے شک اللہ لوگوں پر بڑا شفیق ہے بڑا مہربان ہے ۔ (۲/۱۴۲-۱۴۳)

کی جانب ہونے سے دونوں قبلے آپؐ کے سامنے ہو جاتے تھے ۔ لیکن مدینے میں بیت المقدس اور خانۂ کعبہ کی جغرافیائی حیثیت شمالاً جنوباً ہونے کی وجہ سے دونوں میں سے کسی ایک ہی کی طرف رخ ہو سکتا تھا ۔

یہ مسئلہ ہجرت سے قریباً دو سال قبل بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوا تھا جبکہ بیعتِ عقبۂ ثانیہ سے چند یوم پہلے انصارِ مدینہ کے چند افراد بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں اس وقت حاضر ہوئے جبکہ آپؐ صحنِ کعبہ میں تشریف فرما تھے اور ان کے سردار حضرت براء بن معرور نے عرض کیا تھا ۔ "اے اللہ کے نبی! میں اس حالت میں مدینہ سے سفر کے لئے نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی طرف میری راہنمائی فرما دی تھی لہٰذا میں نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ خانۂ کعبہ کی طرف پشت کروں اور اسی وجہ سے میں نے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ۔ میرے ساتھیوں نے اس امر میں میری اس درجہ مخالفت کی کہ میرے دل میں شبہ پیدا ہو گیا ۔ اے اللہ کے رسولؐ! اس

(اے محبوبؐ!) ہم نے دیکھ لیا آپ کے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا، سو ہم ضرور آپ کو پھیر دیں گے اس قبلے کی طرف جسے آپ چاہتے ہیں۔ اچھا اب کر لیجیے اپنا چہرہ مسجد الحرام کی طرف۔ اور (اے مسلمانو!) تم لوگ جہاں کہیں بھی ہو اپنے چہرے کر لیا کرو اسی کی طرف۔ اور جن لوگوں کو کتاب مل چکی ہے (وہ) ضرور جانتے ہیں کہ یہ (تحویل قبلہ کا حکم) ان کے پروردگار کی طرف سے حق ہے اور اللہ ان کے کرتوتوں سے بے خبر نہیں۔

(اے حبیبؐ!) اور اگر آپ ان لوگوں کے سامنے جنہیں کتاب (توریت انجیل زبور) مل چکی ہے ساری ہی نشانیاں لے آئیں جب بھی یہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہ کریں گے اور نہ آپؐ ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والے ہیں اور نہ وہ (آپس میں) ایک دوسرے کے قبلے کو ماننے والے ہیں، اور اگر کہیں آپ (لوگ) ان کی خواہشوں کی پیروی کرنے لگیں بعد اس کے کہ آپ (لوگوں) کے پاس علم آچکا ہے تو یقیناً آپ (لوگ بھی) ظالموں میں (شمار) ہوں گے۔ (۲|۱۴۵-۱۴۴)

سلسلے میں آپؐ کا کیا حکم ہے۔" اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا۔
قَدْ كُنْتَ عَلٰى قِبْلَةٍ لَوْ صَبَرْتَ عَلَيْهَا (تم ایک قبلہ پر مامور تھے کاش تم نے اس پر صبر کیا ہوتا) اور آپ کی زبانِ اقدس سے یہ جواب سن کر براء بن معرورؓ نے بھی اللہ کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کر لیا تھا۔

لیکن قبا کی سرزمین پر قدم رکھنے کے بعد تو قبلے کے تعین کا جواز آپؐ کے اختیار میں تھا اگر آپؐ اسی وقت قبلے کا تعین خانہ کعبہ کی طرف کر دیتے تو انصار مدینہ کی خوشیاں آپؐ کی آمد کے ساتھ دوبالا ہو جاتیں۔ لیکن آپؐ کی رضا تو تابع تھی حکمِ ربانی کے۔ لہٰذا آپؐ نے بارگاہ الوہیت میں رجوع فرمایا۔ حکمِ ربی ہوا کہ بیت المقدس ہی کو قبلہ برقرار رکھا جائے لہٰذا آپؐ نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور تقریباً سولہ ماہ تک اس طرح نماز پڑھتے رہے کہ بیت المقدس کی جانب رخ ہوتا تھا اور خانہ کعبہ کی

— جنہیں ہم نے کتاب (توریت) عطا فرمائی ہے وہ اس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ایسا ہی پہچانتے ہیں جس طرح آدمی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے، اور بے شک ان میں کے کچھ لوگ جان بوجھ کر حق کو چھپاتے ہیں۔

— (اے انسان!) یہ حق ہے تیرے پروردگار کی طرف سے، پس خبردار! تو شک کرنے والوں میں ہرگز نہ ہو جانا۔

— اور ہر ایک کے لئے توجہ کی ایک سمت ہے کہ وہ اسی کی طرف منہ کرتا ہے۔ سو تم نیکیوں کی طرف بڑھو، تم جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ تم سب کو بلالے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

— اور تم جہاں سے (بھی) آؤ اپنا منہ مسجدِ حرام کی طرف کر لیا کرو اور وہ ضرور تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں۔ (۲/۱۴۹-۱۴۶)

طرف پشت۔ اس مدت کے دوران مسجدِ قبا، مسجد جمعہ، مسجدِ نبوی اور دیگر علاقائی مسجدیں بھی تعمیر ہوئیں ہر ایک کا قبلہ جانب بیت المقدس ہی رہا۔ لیکن اس دوران آپؐ کے دل میں یہ خواہش ضرور رہی کہ کیا اچھا ہو کہ خانہ کعبہ ہی قبلہ قرار دیدیا جائے۔ درحقیقت خانہ کعبہ ہی قبلۂ اول ہے چونکہ اس کی تعمیر ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ اور مسجدِ اقصیٰ کی تعمیر حضرت اسحٰق کے ہاتھوں بعد میں ہوئی۔

صحیح بخاری کی کتاب الانبیاء میں ایک روایت ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ دنیا میں سب سے پہلی مسجد کہاں بنائی گئی؟ آپؐ نے فرمایا۔ "مسجد حرام"، یعنی خانہ کعبہ۔ انہوں نے پھر عرض کیا۔ "حضورؐ اس کے بعد کہاں؟" ارشاد ہوا۔ "مسجد اقصیٰ۔" انہوں نے پھر عرض کیا۔ "حضورؐ! دونوں میں کتنی مدت کا فصل تھا۔" آپؐ نے فرمایا۔ "چالیس برس۔"

— اور (اے حبیبؐ!) آپ جہاں سے بھی آئیں اپنا منہ مسجدِ حرام کی طرف کر لیں۔ اور (اے مسلمانو!) تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا منہ اسی کی طرف کرو کہ لوگوں کو تم پر کوئی حجّت نہ رہے، مگر جو ان میں سے ناانصافی کریں تو ان سے نہ ڈرو اور مجھ ہی سے ڈرو تاکہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کروں اور تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

— (اور اسی طرح) جیسا کہ ہم نے تمہارے درمیان ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا جو تمہارے روبرو ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے، اور تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں اس کی تعلیم دیتا ہے جس کا تمہیں علم نہ تھا۔ سو (اے مسلمانو!) تم مجھے یاد کرتے رہو میں بھی تمہیں یاد کرتا رہوں گا اور میری شکر گزاری کرتے رہو اور میری ناشکری نہ کرو۔ (۲/ ۱۵۲ — ۱۵۰)

اور قرآنِ حکیم میں ارشادِ ربانی ہے کہ دنیا میں سب سے پہلا گھر مکہ میں تعمیر ہوا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ حضرتِ ابراہیمؑ نے اپنے صاحبزادے حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ خانۂ کعبہ کی تعمیر کے بعد بیت المقدس میں بھی اللہ کی عبادت کے لئے دوسرا مرکز تعمیر کیا تھا جہاں ان کے دوسرے صاحبزادے حضرت اسحٰقؑ آباد تھے۔ تاریخ کے صفحات سے پتہ چلتا ہے کہ بعد میں اس عبادت گاہ کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ کافی عرصہ بعد حضرت داؤدؑ نے اسی مقام پر ایک دوسری مسجد تعمیر کرنا چاہی لیکن نہ کر سکے پھر ان کے بعد یہی کام حضرت سلیمانؑ کے ہاتھوں انجام پا گیا۔ تورات میں اسی خانۂ خدا کا ذکر ہے جس کو یہودی ہیکل سلیمانی کہتے ہیں۔

"اور جو گھر سلیمان بادشاہ نے خداوند کے لئے بنایا اس کی لمبائی ساٹھ ہاتھ اور چوڑائی بیس ہاتھ اور اونچائی تیس ہاتھ تھی اور اس گھر کی ہیکل کے سامنے ایک برآمدہ اس گھر کی چوڑائی کے مطابق بیس ہاتھ لمبا

—— اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد چاہو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں البتہ تم اس کا شعور نہیں رکھتے۔ اور ہم تمہاری آزمائش کرتے رہیں گے کچھ خوف اور بھوک سے، اور مال اور جان اور پھلوں کے کچھ نقصان سے۔ اور (اے نبیؐ) خوش خبری دیدیجئے صبر کرنے والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت آپڑے تو کہیں کہ ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف واپس ہونے والے ہیں۔ یہ لوگ وہی ہیں کہ ان پر نوازشیں ہوں گی ان کے پروردگار کی طرف سے اور رحمت بھی اور یہی لوگ راہ پر ہیں۔

—— بے شک صفا اور مروہ اللہ کے نشانوں میں سے ہیں، تو جو اس گھر کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر ذرا سا بھی گناہ نہیں کہ ان دونوں کے درمیان پھیرے کرے، اور جو کوئی خوشی سے کوئی خیر کا کام کرے سو اللہ تو بڑا قدر دان ہے بڑا علم رکھنے والا ہے۔ (۲/ ۱۵۸ - ۱۵۳)

تھا اور اس گھر کے سامنے کی چوڑائی دس ہاتھ تھی۔" (۱ سلاطین ۶/ ۲-۳)

بعد میں بنوقدنصر نے جب بیت المقدس پر حملہ کیا تو اس ہیکل کو تباہ کر ڈالا۔ سائرس کے عہد میں اس کی تعمیر دوبارہ کی گئی اور جب وہ بھی خستہ حال ہوگئی تو ہیرودیس بادشاہِ یہود نے اس کو از سرِ نو تعمیر کرایا۔ بعد میں قیصر روم ٹائیٹس (۷۰ء) نے اس کو بھی مسمار کر ڈالا۔ لہٰذا حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جب یروشلم فتح ہوا تو اس وقت یہاں عیسائی قابض تھے اور انہوں نے اپنی ایک علیحدہ مقدس عمارت تعمیر کر رکھی تھی۔ ہیکلِ سلیمانی کا نشان تک باقی نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے ذی علم حضرات کے ذریعہ اس مقام کا تعین کرایا جہاں پہلی مسجد تعمیر ہوئی تھی اور اسی مقام پر ایک نئی مسجد تعمیر کرائی جس کو بیت المقدس کہا جاتا ہے۔ اسی لئے عیسائی بیت المقدس کو نہیں بلکہ مشرقی سمت کو قبلہ قرار دیتے ہیں

ــــ بے شک وہ جو ہماری نازل کی ہوئی روشن باتوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں بعد اس کے کہ لوگوں کے لئے ہم اسے کتاب میں واضح فرما چکے ان پر اللہ کی لعنت ہے اور لعنت کرنے والوں کی لعنت۔ مگر وہ جو توبہ کریں اور درست ہو جائیں اور ظاہر کریں، تو میں ان کی توبہ قبول فرماؤں گا، اور میں ہی بڑا توبہ قبول کرنے والا ہوں بڑا رحمت والا ہوں۔
ــــ بے شک وہ جنہوں نے کفر کیا اور کافر ہی مرے ان پر لعنت ہے اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی۔ ہمیشہ رہیں گے اس میں، نہ ان پر سے عذاب ہلکا ہوگا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔
ــــ اور تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، بے انتہا رحم و کرم کرنے والا بار بار رحم کرنے والا۔ (۲/۱۶۳-۱۵۹)

چونکہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش اسی جہت میں ہوئی تھی۔ اور اسی لئے آج یہودی بیت المقدس کے اردگرد کھدائی کر کے ہیکلِ سلیمانی کی بنیادیں تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ان حقائق کی روشنی میں بہ لحاظِ تعمیر خانہ کعبہ ہی قبلۂ اوّل ہے۔ بیت المقدس تو ایک خاص مدت کے لئے قبلہ رہا تھا۔

درج بالا آیاتِ ربانی (۲/۱۴۲ تا ۱۵۰) کے نزول کے ساتھ ہی خانہ کعبہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندوں کا دائمی قبلہ قرار دیدیا گیا۔

تحویلِ قبلہ کا حکم

ماہِ شعبان ۲ھ کی بات ہے کہ حضور سرورِ کائنات نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن حضرت بشر بن براء بن معرور کی دعوت پر بنی سلمہ کی آبادیوں میں تشریف لے گئے۔ ظہر کا وقت ہوا تو صحابہ کرام آپؐ کی امامت میں ادائیگیٔ فرض کے لئے صف آرا ہوئے۔ دو رکعتیں ادا کی جا چکی تھیں کہ حکمِ ربّی نازل ہوا۔

"ہم نے دیکھ لیا آپ کے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا، سو ہم ضرور آپ کو

ــــ یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے ادل بدل میں اور جہازوں کے چلنے میں جو سمندر میں ان چیزوں کے ساتھ چلتے ہیں جو لوگوں کو نفع پہنچاتی ہیں، اور اس پانی میں جسے اللہ نے اتارا، پھر اس سے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد جلا اٹھایا، اور اس میں ہر طرح کے حیوانات پھیلا دیئے، اور ہواؤں کے بدلنے میں، اور بادل میں (جو) آسمان اور زمین کے درمیان مقیّد ہے، (ان سب میں) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں۔

ــــ اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ اللہ کے علاوہ دوسروں کو بھی شریک بنائے ہوئے ہیں کہ انہیں اللہ کی طرح محبوب رکھتے ہیں اور ایمان والوں کو اللہ کے برابر کسی کی محبت نہیں، اور کاش کہ ظالم دیکھیں وہ وقت جبکہ عذاب ان کی آنکھوں کے سامنے آئے گا (تاکہ سمجھ لیں) کہ قوت اللہ ہی کی ہے ساری کی ساری اور یہ کہ اللہ کا عذاب بہت ہی سخت ہے۔

(۱۶۴-۱۶۵|۲)

پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جسے آپؐ چاہتے ہیں۔ اچھا اب کر لیجئے اپنا چہرہ مسجد الحرام کی طرف۔" (۲|۱۴۴)

اللہ سے آپؐ کا احساسِ بندگی اور فرمانبرداری کہ جوں ہی حکمِ الٰہی نازل ہوا آپؐ نے اپنے چہرہ کا رخ جو شمال کی جانب بیت المقدس کی طرف تھا گھوم کر جنوب کی جانب خانۂ کعبہ کی طرف کر لیا اور اس طرح جو پہلی صف تھی آخری ہو گئی اور آخری صف پہلی بن گئی۔ قربان جائیے ان صحابۂ کرام کے جذبۂ اتباع پر کہ آپؐ کو جو نماز کے اندر گھوم کر قبلہ تبدیل کرتے ہوئے دیکھا تو ہر ایک نے اسی طرح رخ بدل لیا اور آداب نماز کو اسی طرح برقرار رکھا۔

اس مقدس لمحے کی یادگار مسجدِ قبلتین آج بھی فرزندانِ توحید کی زیارت گاہ ہے جس کے جنوب میں محراب ہے اور شمالی جانب نشانِ قبلہ۔

——— (روزِ قیامت اس وقت کا تصوّر کرو) جبکہ پیشوا لوگ اپنے تابعداروں سے بیزار ہو جائیں گے اور عذابوں کو اپنی آنکھوں دیکھ لیں گے اور کل رشتے ناطے ٹوٹ جائیں گے۔ اور تابعدار لوگ کہنے لگیں گے "کاش ہم پھر دنیا کی طرف دوبارہ جائیں تو ہم بھی ان (پیشواؤں) سے ایسے ہی بیزار ہو جائیں جیسے یہ ہم سے ہیں۔" بس اسی طرح اللہ تعالیٰ انہیں ان کے اعمال کو دکھائے گا۔ ان پر حسرت و افسوس ہے یہ ہرگز جہنم سے نہ نکلیں گے۔

——— اے لوگو! زمین میں جو کچھ حلال اور پاکیزہ موجود ہے اس میں سے کھاؤ (پیو) اور شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی نہ کرو، وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ وہ تو بس تمہیں برائی اور گندگی کا ہی حکم دیتا ہے اور اس (بات) کا کہ تم اللہ پر ایسی باتیں گڑھ لو جن کا تم علم نہیں رکھتے۔

——— اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے اتارا ہے اس کی پیروی کرو تو کہتے ہیں کہ نہیں ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباء کو پایا ہے۔ خواہ ان کے آباء کچھ بھی نہ عقل رکھتے ہوں نہ ہدایت۔

(۲/۱۷۰-۱۶۶)

تحویلِ قبلہ پر یہود کی ناراضگی

تحویلِ قبلہ کی خبر مسلمانوں کے لیے تو نغمۂ جاں فزا تھی جس کو جہاں اور جب ملی اس نے اسی وقت حکمِ ربّی پر لبیک کہتے ہوئے قبلہ کا رُخ تبدیل کر دیا۔ قبا میں یہ خبر دوسرے دن صبح اس وقت پہنچی جبکہ مسلمان فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ کسی کہنے والے نے باآوازِ بلند تحویلِ قبلہ کا حکمِ الٰہی سنایا تو تمام نمازیوں نے اپنا رُخ خانہ کعبہ کی طرف کر لیا۔ لیکن تحویلِ قبلہ کے حکم سے یہودی بڑے سیخ پا ہوئے۔ ان کے علماء اور سربرآوردہ لوگ تو پہلے ہی ریشہ دوانیوں میں مصروف تھے اور کسی نہ کسی طرح آپؐ کی نبوت کو جھٹلانے اور لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ لہٰذا ان لوگوں کے درمیان آپس میں مشورے ہوئے کہ اس نئی صورتِ حال سے کس

—— اور کافروں کی مثال اس (شخص) کی سی ہے جو ایسے (جانور) کے پیچھے چلا رہا ہو جو کچھ سنتا ہی نہیں سوائے چیخ وپکار کے، یہ لوگ بہرے ہیں گونگے ہیں، اندھے ہیں سو (کچھ بھی) نہیں سمجھتے۔
—— اے ایمان والو! پاک چیزوں میں سے جو ہم نے تمہیں دے رکھی ہیں کھاؤ پیو اور اللہ کا شکر ادا کرتے رہو اگر تم خاص اسی کی بندگی کرنے والے ہو۔ اس نے تو بس تم پر مردار، اور خون اور سؤر کا گوشت اور وہ جانور جو غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا گیا ہو حرام کیا ہے۔ لیکن جو شخص ناچار (و مجبور) ہو جائے، نہ یوں کہ خواہش سے کھائے اور نہ یوں کہ ضرورت سے آگے بڑھے تو اس پر گناہ نہیں بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۱۷۱—۱۷۳/۲)

طرح نپٹا جائے۔ آخر کار رفاعہ بن قیس، قردم بن عمرو، رافع بن ابی رافع، کعب بن اشرف اور اس کا حلیف حجاج بن عمرو، ربیع بن الربیع اور اس کا بھائی کنانہ بن الربیع ایک وفد کی صورت میں بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ جس قبلے پر تھے اس سے کس چیز نے آپؐ کو پھیر دیا۔ آپؐ کا دعویٰ تو یہ ہے کہ آپؐ ملتِ ابراہیمی اور دینِ ابراہیمی پر ہیں۔ آپؐ جس قبلے پر تھے اسی پر لوٹ آئیں، ہم آپؐ کی پیروی کریں گے اور آپؐ کو سچا مان لیں گے۔"

یہودیوں کی یہ ایک زبردست چال تھی جس کے ذریعہ وہ آپؐ کو خانہ کعبہ سے پھیر کر آپؐ کی تکذیب کا منصوبہ بنائے ہوئے تھے۔ لہٰذا آپؐ نے بحکمِ ربّی ارشاد فرمایا۔ "مشرق و مغرب سب اللہ ہی کی ملک ہیں (اسی طرح شمال اور جنوب۔ اصل بات تو راہ ہدایت کی ہے اور یہ اللہ ہی کا کرم ہے) وہ جسے چاہتا ہے صراطِ مستقیم دکھا دیتا ہے۔" یہود آپؐ کی زبانی یہ جواب پاکر ناامید ہوئے

— بے شک وہ جو چھپاتے ہیں اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب، اور اس کے معاوضہ میں ذلیل قیمت لے لیتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ ہی بھرتے ہیں، اور اللہ قیامت کے دن ان سے نہ بات کرے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی مول لی ہے اور بخشش کے بدلے عذاب، کیسا عجیب ہے ان کا حوصلہ کہ جہنم کی آگ برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں۔

— اور یہ سزا اس لئے ہوگی کہ اللہ نے تو کتاب کو ٹھیک ٹھیک حق کے مطابق نازل کیا تھا مگر جن لوگوں نے کتاب میں اختلافات نکالے وہ اپنے جھگڑوں میں حق سے بہت دور نکل گئے۔ (۲/۱۷۶-۱۷۴)

اور اپنے ناپاک منصوبے کو دل ہی دل میں دبائے چلے گئے۔ آیات ۱۴۲ تا ۱۴۳ میں اسی جانب اشارہ کیا ہے جس میں یہ بھی بتا دیا گیا کہ تحویل قبلہ کے ذریعہ ہم نے مسلمانوں کو تمام امتوں سے افضل بنا دیا ہے۔ تحویلِ قبلہ کا حکم آنے سے بہت سے منافق بھی بے نقاب ہو گئے۔ ان میں یہودی بھی شامل تھے جو کہ مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے اور ظاہر کرتے کہ وہ ان ہی میں سے ہیں لیکن جب تحویلِ قبلہ سے سمتیں ہی بدل گئیں تو یہ بھی مسلمانوں کی صفوں سے علیحدہ نظر آنے لگے۔ یہودی تو اس درجہ تلملا گئے تھے کہ خانہ کعبہ کے مقابل ہیکلِ سلیمانی کی عظمت کے گیت الاپتے پھرتے تھے۔ کبھی اپنے دین کی اچھائیاں بیان کر کے آپؐ کی مخالفت کرتے اور کبھی حضور محسنِ انسانیت نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہتے کہ یہ تو راہِ مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں اور اسی طرح کی نہ جانے کتنی باتیں کر کے لوگوں میں آپؐ کے خلاف شبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس کے برخلاف آپؐ کا رویہ یہود کے ساتھ اسی طرح نرم اور دوستانہ رہا۔

ــــ اصل نیکی یہ نہیں کہ منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو بلکہ نیکی یہ ہے کہ
(۱) آدمی اللہ کو، یوم قیامت اور ملائکہ کو، اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانتے ہوئے ایمان لائے۔
(۲) اور اس کی محبت میں مال خرچ کرے رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور راہ گیروں اور سائلوں پر اور گردنوں کے آزاد کرا دینے پر
(۳) اور نماز ادا کرے اور زکوٰۃ دے۔
(۴) اور جب وعدہ کرے اسے پورا کرے۔
(۵) اور تنگی میں اور بیماری میں اور لڑائی کے وقت صبر کرے۔
یہی سچے لوگ ہیں اور یہی متقی (پرہیزگار) ہیں۔ (۲/۱۷۷)

یہی شب و روز رہے ہوں گے کہ درج بالا آیات کا نزول ہوا جن کے ذریعہ ایک طرف تو یہود کے اعتراضات کا جواب دیا گیا، دوسری طرف آپؐ سے ارشادِ ربانی ہوا کہ اگر آپؐ ان کے سامنے ساری نشانیاں بھی لے آئیں تب بھی یہ لوگ آپؐ کے قبلہ کی پیروی نہ کریں گے لہٰذا انہیں ان کے حال پر ہی رہنے دیجئے چونکہ حقیقت میں تو یہ لوگ آپؐ کو بحیثیتِ نبی اسی طرح جانتے اور پہچانتے ہیں جس طرح کہ ایک باپ اپنے بیٹے کو جانتا اور پہچانتا ہے۔

حق سبحانہٗ تعالیٰ نے آیات ۱۵۱ تا ۱۵۲ میں اہلِ ایمان سے تخاطب کرتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ یہی ہمارے نبیؐ ہیں جن کو ہم نے تمہارے درمیان تم ہی میں سے بھیجا ہے اور جو تم لوگوں کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے رہے ہیں لہٰذا تم ان کی تعلیم سے استفادہ کرتے ہوئے میری یاد میں مصروف رہو میں بھی تم کو یاد کرتا رہوں گا یعنی میرا فضل و کرم تم پر جاری رہے گا۔ اور یہی تابعداری اور فرمانبرداری تو درحقیقت شکرگزاری ہے۔

مستقبل کی آغوش میں پلتے ہوئے طوفانوں سے آگاہ کرتے ہوئے حق تعالےٰ

اے ایمان والو! تم پر فرض ہے کہ جو ناحق مارے جائیں ان کے خون کا بدلہ لو آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت، ہاں جس کسی کو فریقِ مقابل کی طرف سے کچھ معافی حاصل ہو جائے تو بھلائی سے تقاضا ہونا چاہیئے اور اچھی طرح ادائیگی۔ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارا بوجھ ہلکا کرنا ہے اور تم پر رحمت ہے۔ تو اس کے بعد جو زیادتی کرے اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور قصاص (کے اس قانون) میں تمہارے لئے زندگی ہے اے عقلمندو! تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔

ـــــ تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی معلوم ہو (اور ایسی حالت میں) اگر کچھ مال چھوڑ رہا ہو تو وہ والدین اور عزیزوں کے حق میں معقول طریقہ سے وصیت کر جائے۔ یہ لازم ہے پرہیزگاروں پر۔

(۲/ ۱۸۰-۱۷۸)

نے یہ بھی فرمایا کہ اے ایمان والو! کسی طرح کے بھی حالات ہوں اور تم لوگوں کو خواہ کیسے بھی مصائب کا سامنا ہو صبر اور نماز سے ہی مدد مانگا کرو چونکہ اللہ تعالےٰ ہمیشہ صبر کرنے والوں کے ہی ساتھ ہوتا ہے۔ اور اللہ کی راہ میں جو لوگ مارے جائیں انہیں مردہ نہ سمجھنا بلکہ وہ زندہ ہیں ان کے درجات بارگاہِ الوہیت میں عظیم ترہیں جن کو تم نہیں سمجھ سکتے۔

یہودیوں نے جہاں مذہبِ اسلام کے خلاف طرح طرح کی بدگمانیاں پھیلائیں وہاں یہ بھی کہا کہ یہ مسلمان تو صفا اور مروہ پہاڑیوں کے گرد چکر لگانے کو عبادت سمجھتے ہیں حالانکہ ان پہاڑیوں پر اساف اور نائلہ کے بت نصب ہیں۔

ابنِ اسحاق کی بیان کردہ روایت کے مطابق اساف اور نائلہ دو مرد و عورت تھے ان بدکاروں نے کعبہ میں زنا کیا تو اللہ نے انہیں پتھر بنا دیا قریش نے انہیں کعبہ سے باہر رکھدیا تاکہ عبرت ہو۔ لیکن کچھ زمانہ کے بعد لوگوں نے ان کی عبادت

پھر جو کوئی وصیت کو سننے کے بعد بدل ڈالے سو اس کا گناہ بس ان ہی پر ہو گا جو اسے بدل ڈالیں، بے شک اللہ بڑا سننے والا بڑا جاننے والا ہے۔ البتہ جس کسی کو وصیت کرنے والے سے متعلق کسی بے عنوانی یا گناہ کا علم ہو جائے، پھر وہ ان لوگوں کی آپس میں صلح کرا دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا مغفرت کرنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے۔
(۱۸۱-۱۸۲|۲)

شروع کر دی اور یہی بت صفا اور مروہ پر نصب کر دیئے گئے۔

لیکن مسلمانوں کا ان بتوں سے کوئی تعلق نہ تھا ان کے نزدیک تو صفا اور مروہ کی حرمت اس بنا پر تھی کہ ان پہاڑیوں کے درمیان حضرت حاجرہ پانی کی تلاش میں دوڑی تھیں۔ لیکن یہودیوں نے جانتے ہوئے اس بات کو بھی غلط طور پر پیش کیا۔ یہ تمام باتیں درحقیقت یہودیوں کی کینہ پروری اور ہادی مرسل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حسد کی بنا پر تھیں۔ لہٰذا حق سبحانہٗ تعالیٰ نے درج بالا آیات میں یہودیوں کے بے معنی اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے واضح فرما دیا کہ اصل نیکی اور عبادت کا مقصد یہ نہیں ہے کہ بندہ اپنے چہرے کو بوقت عبادت مشرق یا مغرب کی طرف کرے۔ اصل بندگی تو اس میں ہے کہ بندہ صدق دل سے اللہ کو معبودِ واحد تسلیم کرے، یومِ قیامت، ملائکہ، اللہ کی کتاب اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور ان جملہ امور پر عمل کرے جن کی نشاندہی درج بالا آیت نمبر،، میں کی گئی ہے۔ اسی طرح دیگر مسائل سے متعلق ارشادِ ربانی ہوا جو روزمرہ کی زندگی میں خاص اہمیت کے حامل تھے۔

حق تو یہ ہے کہ ان میں سے بہت سی باتیں توریت کے اندر بھی موجود تھیں لیکن یہودیوں نے اپنی نفس پروری کے تحت ان کو بدل ڈالا تھا یا نظر انداز کر چکے تھے۔ اور اب جبکہ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دعوتِ حق دے کر صراطِ مستقیم کی طرف بلا رہے تھے تو یہ ظالم مشرکینِ قریش کی طرح آپؐ کی مخالفت پر آمادہ ہو گئے تھے۔

(بحوالہ صحیح بخاری، مسلم۔ ابنِ کثیر، ابنِ ہشام۔ سیرالنبیؐ)

—— اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیساکہ اگلوں پر فرض ہوئے تھے، عجب نہیں کہ تم متقی بن جاؤ۔ (یہ روزے) گنتی کے (چند) دن ہیں، پھر تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اُتنے روزے اور دنوں میں رکھے، اور جنہیں (روزہ رکھنے کی) طاقت نہ ہو وہ (بطور) فدیہ دیں ایک مسکین کا کھانا، اور جو کوئی خوشی خوشی نیکی کرے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے، اور اگر تم علم رکھتے ہو تو تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ تم روزے رکھو۔ (۲|۱۸۴-۱۸۳)

آپؐ کو روزہ رکھنا بہت مرغوب تھا

سرورِ کائنات ہادیٔ کل نبی مرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو وحدہٗ لاشریک کی عبادت کا جو ذوق و شوق بعثت سے قبل تھا وہ بعثت کے بعد اور زیادہ واضح اور گہرے نقوش کے ساتھ ابھر کر سامنے آیا تھا چونکہ بعثت سے قبل توراہ کی جستجو تھی اور اب رہبر و رہنما کی حیثیت سے آگے بڑھ رہے تھے۔ دراصل آپؐ کی عبادت حق سبحانہٗ تعالیٰ کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک تھی اور روزہ رکھنا مرغوب عمل تھا۔ روزہ کی فرضیت سے قبل بھی آپؐ ہر ماہ ایامِ بیض (چاند کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخوں) میں روزے رکھا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ یہ بھی ہوتا کہ کبھی آپؐ روزہ رکھنا شروع کر دیتے تو تسلسل اس طرح جاری رہتا کہ صحابۂ کرام سمجھتے کہ روزہ آپؐ کی عادت بن گیا ہے اور کبھی ایسا ہوتا کہ آپؐ روزہ رکھنا ترک کر دیتے تو پھر مسلسل ترک کئے رہتے اور رفقائے کرام کو محسوس ہونے لگتا کہ اب آپؐ جیسے روزہ نہ رکھیں گے۔ درحقیقت آپؐ کی زندگی میں عادت کو دخل نہ تھا بلکہ اختیار کا استعمال محبّت اور اطاعت گزاری کے ساتھ تھا جس کی بنا پر آپؐ کی زندگی اعتدال سے آراستہ تھی۔ آپؐ کی اتباع کرتے ہوئے صحابہ کرام بھی اعتدال کی راہوں پر گامزن رہتے تھے۔ لیکن ان میں بعض ایسے بھی تھے کہ جو شوقِ عبادت میں اعتدال کو فراموش کر دیتے۔ روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو

——— ماہِ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا ہے جو لوگوں کے لئے ہدایت اور رہنمائی ہے اور (حق و باطل کے فرق کو ظاہر کرنے والی) روشن باتیں تو تم میں جو کوئی یہ مہینہ پائے ضرور اس کے روزے رکھے، اور جو بیمار یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور دنوں میں رکھے۔ اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا، اور اس لئے کہ تم گنتی پوری کرو، اور یہ کہ تم اللہ کی بڑائی کیا کرو اس پر کہ اس نے تمہیں راہ بتادی عجب نہیں کہ تم شکر گزار بن جاؤ۔

——— اور (اے حبیبؐ!) جب آپ سے میرے بندے میری بابت پوچھیں تو میں تو (ان کے) قریب ہی ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے، پس لوگوں کو چاہیئے کہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں عجب نہیں کہ ہدایت پا جائیں۔ (۲|۱۸۶-۱۸۵)

بن العاص کی عبادت وریاضت کا حال معلوم ہوا تو انہیں طلب فرمالیا اور ارشاد فرمایا کہ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم ہمیشہ روزہ رکھتے ہو اور ساری رات قرآن کریم پڑھتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا۔ "یارسول اللہؐ یہ صحیح ہے اور اس سے میرا مقصد خیر اور بھلائی ہے۔" محسنِ انسانیت نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "تم ہر ماہ صرف تین دن کے روزے رکھا کرو۔" انہوں نے دست بستہ عرض کیا۔ "یارسول اللہؐ! مجھے اس سے زائد قوت ہے۔" بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے پھر ارشاد ہوا۔ "تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے ملنے والوں کا بھی تم پر حق ہے اور اسی طرح تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے۔ اگر تم یہی چاہتے ہو تو حضرت داؤدؑ کا روزہ اختیار کرو کیونکہ وہ تمام انسانوں میں اللہ کے بہت زیادہ عابد تھے کہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے تھے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو تین یوم کے روزے رکھا کرتے تھے یہودی عشرہ محرم الحرام کا بھی روزہ رکھتے تھے کہ اس دن حضرت موسیٰؑ کو فرعون کے ظلم سے نجات ملی تھی تو آپؐ نے بھی

ـــ حلال کر دیا گیا ہے تمہارے لئے روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں سے مشغول ہونا، وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس، اللہ نے جان لیا کہ تم اپنے کو خیانت میں مبتلا کرتے رہتے تھے، پس اس نے تم پر رحمت سے توجہ فرمائی اور تم سے درگذر کر دی سو اب تم ان سے صحبت کرو اور طلب کرو جو اللہ نے تمہارے نصیب میں لکھا ہو، اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ صبح کی سفیدی کا ڈورا سیاہی کے ڈورے سے نمایاں ہو جائے، پھر روزے کو رات آنے تک پورا کرو، اور عورتوں کو ہاتھ نہ لگاؤ جب تم مسجد میں اعتکاف سے ہو، یہ اللہ کی حدیں ہیں سو ان (سے نکلنے) کے قریب بھی نہ جانا، اللہ اسی طرح اپنے احکام لوگوں کے لئے کھول کھول کر بیان کرتا ہے، عجب نہیں کہ وہ پرہیزگار بن جائیں ــ (۲/ ۱۸۷)

عشرہ محرم الحرام کا روزہ رکھا۔ آپ سے پہلے کی اگلی امتوں میں بھی روزہ رکھنا فرض تھا لیکن ان کے یہاں روزوں کے مسائل اس طرح کے تھے کہ جن کے تحت زندگی میں اعتدال مفقود تھا مثلاً نماز عشاء کے بعد سو جانے سے کھانا پینا اور عورتوں سے مباشرت کرنا حرام ہو جاتا تھا۔ اسی طرح اور مسائل تھے جن کی بنا پر ضعیفوں اور مسافروں کے لئے سختیاں تھیں دوسری طرف روزے کی حرمت کا احترام مجروح ہو کر رہ گیا تھا۔ کچھ اسی طرح کے حالات تھے کہ درج بالا آیات کے ذریعہ ماہِ رمضان کے روزوں کی فرضیت کا حکم بھی نازل ہوا اور اعتدال و احترام کی راہ بھی متعین کر دی گئی جن پر نہ صرف آپؐ نے خود عمل کیا بلکہ صحابۂ کرام سے بھی عمل کرایا۔ ایک مرتبہ آپؐ سے سفر کے روزے کی بابت سوال ہوا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ "سفر کے دوران جو روزہ توڑ دے اس نے اچھا کیا اور جو نہ توڑے اس پر کوئی گناہ نہیں"۔ ایک اور موقع پر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کی رخصتوں کو جو اس نے تمہیں دی ہیں تم لے لو۔

— آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ اسے حکام تک پہنچاؤ کہ جس سے لوگوں کے مال کا ایک حصہ تم (بھی) گناہ سے کھا جاؤ جان بوجھ کر۔

— (اے نبیؐ) آپ سے (لوگ) نئے چاندوں کی بابت دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ وہ لوگوں کے حج کے لئے وقت کی علامتیں ہیں، اور یہ کہ کوئی بھلائی (کی بات) نہیں کہ گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آؤ۔ البتہ نیکی یہ ہے کہ کوئی شخص تقویٰ اختیار کرے۔ اور گھروں میں ان کے دروازوں ہی سے آؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ فلاح پا جاؤ۔ (۲/۱۸۹-۱۸۸)

ان ہی ایام کا ذکر ہے کہ ایک شخص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا۔ "یا رسولؐ اللہ میں تو ہلاک ہو گیا۔" آپؐ نے دریافت کیا "تجھ کو کس چیز نے ہلاک کیا۔؟" کہنے لگا۔ "میں نے رمضان میں یعنی روزے کے دوران اپنی بیوی سے جماع کر لیا۔" آپؐ نے ارشاد فرمایا "بطور فدیہ ایک غلام آزاد کر سکتا ہے؟" اس نے نفی میں جواب دیا۔ آپؐ نے پھر فرمایا "کیا دو ماہ کے روزے رکھ سکتا ہے؟" اس نے پھر نفی میں جواب دیا۔ آپؐ نے پھر ارشاد فرمایا۔ "اپنی استطاعت کے مطابق ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا۔" اس نے اس سے بھی معذوری کا اظہار کیا۔ آپؐ نے خاموشی اختیار کی اور وہ بھی آپؐ کے پاس بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد آپؐ کی خدمت میں کسی نے حاضر ہو کر ایک ٹوکرا کھجوروں کا پیش کیا۔ آپؐ نے اس شخص سے فرمایا "جا اور یہ کھجوریں صدقہ کر دے۔" اس شخص نے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ پورے مدینہ میں مجھ سے بڑھ کر کوئی مسکین اور محتاج نہیں۔" یہ سنتے ہی آپؐ کے چہرۂ اقدس پر ہنسی آ گئی اور ارشاد فرمایا۔ "اچھا یہ ٹوکرا لے جا اور اپنے گھر والوں ہی کو کھلا۔"

اللہ اکبر آپؐ کی شانِ رؤفی۔ آپؐ کا مقصد تو درحقیقت لوگوں کو اللہ کی عظمت

ــــــ اور اللہ کی راہ میں لڑو ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور انہیں جہاں کہیں پاؤ قتل کرو، اور جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے تم انہیں نکالو، اور ان کا فتنہ تو قتل سے بھی سخت ہے، اور مسجدِ حرام کے پاس ان سے نہ لڑو جب تک کہ وہ تم سے وہاں نہ لڑیں، اور اگر تم سے لڑیں تو انہیں قتل کرو کہ کافروں کی یہی سزا ہے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ــــــ اور ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے اور دین اللہ ہی کا رہ جائے، پھر اگر وہ باز آجائیں تو زیادتی (روا) نہیں مگر ظالموں پر۔

(۲/۱۹۳ــــ۱۹۰)

کا احساس دلانا اور انسانی سربلندی کی راہوں سے آگاہ کرنا تھا۔ آپؐ لوگوں کو نہ صرف اللہ کے احکام پر عمل کرنے کی دعوت دیتے تھے بلکہ غلط باتوں سے اجتناب کرنے اور توہمات سے باز رہنے کی بھی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ آیات ۱۸۸ اور ۱۸۹ میں ایسی ہی باتوں کی طرف اشارۂ ربانی ہے۔ جن کے دلوں میں خوفِ خدا نہیں ہوتا وہ حکام کے نام پر دوسروں کا مال بھی کھا جاتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس پر یقین نہیں رکھتے وہ چاند کے گھٹنے اور بڑھنے سے بھی توہمات میں مبتلا رہتے ہیں۔ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جو کہ انسان کی ظاہری اور باطنی صفائی کر کے اس کا تعلق الی اللہ قائم کر دیتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا۔ "انسان کے جسم کے اندر شیطان خون کے ساتھ ساتھ گردش کرتا ہے لہٰذا بھوک سے اس کی راہیں بند کر دو۔" اسی لئے روزہ رکھنا نہ صرف آپؐ کا معمول تھا بلکہ صحابۂ کرام اور اولیائے عظام نے آپؐ کی اتباع کرتے ہوئے اسی راہ سے قربِ الٰہی پایا ہے۔

(بحوالہ صحیح مسلم، بخاری، ابنِ کثیر)

— حرمت والا مہینہ تو حرمت والے مہینے کے بدل میں ہوتا ہے اور حرمتیں بدلے کی چیزیں ہیں، تو جو کوئی تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے تم پر زیادتی کی ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جانتے رہو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔
— اور اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہو اور اپنے کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو اور اچھے کام کرتے رہو یقیناً اللہ اچھے کام کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ (۲/۱۹۵-۱۹۴)

مشرکین کی جارحیت اور آپؐ کی حفاظتی تدابیر

ان ہی ایام کا ذکر ہے کہ قبیلہ اوس کے ایک بڑے سردار اور مقتدر صحابی حضرت سعدؓ بن معاذ عمرہ کرنے کے لئے گئے۔ مکہ میں امیّہ بن خلف کے ساتھ ان کے دیرینہ مراسم تھے لہٰذا حسبِ سابق اسی کے مہمان رہے۔ ایک دن طوافِ کعبہ کے لئے امیّہ کے ہمراہ حرم شریف پہنچے تو ابوجہل سے ملاقات ہوگئی۔ اس دشمنِ حق نے اُمیّہ سے کہا۔ "یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟" امیّہ نے جواب دیا۔ "سعدؓ بن معاذ ہیں۔" وہ ظالم گو اُنہیں جانتا تھا لیکن مسلمانوں کے خلاف نفرت اس کے دل میں بھری ہوئی تھی لہٰذا انجان بن گیا تھا۔ پھر سعدؓ بن معاذ سے کہنے لگا۔ "تم لوگوں نے صابیوں (مشرکین مسلمانوں کو صابی کہا کرتے تھے) کو اپنے یہاں پناہ دے رکھی ہے لہٰذا میں یہ بات گوارا نہیں کرسکتا کہ تم لوگ کعبہ میں قدم رکھو، اگر تم اس وقت امیّہ کے ساتھ نہ ہوتے تو یہاں سے بچ کر نہ جا سکتے تھے۔" سعدؓ بن معاذ کا قلب تو نورِ حق سے منوّر ہو چکا تھا انہوں نے یہ بھی خیال نہ کیا کہ وہ مکہ میں دشمنانِ اسلام کے درمیان کھڑے ہیں، فوری طور پر دوٹوک جواب دیا۔ "اگر تم لوگوں نے ہم کو حج سے روکا تو ہم شام کی طرف جانے والا مدینہ کا راستہ تمہارے لئے بند کر دیں گے۔" اس وقت امیّہ بن خلف کی وجہ سے معاملہ رفع دفع ہو گیا اور ابوجہل بھی حسبِ عادت

ـــ اور حج اور عمرہ اللہ کے لئے پورا کرو، پھر اگر تم روکے جاؤ تو قربانی بھیجو جو میسّر آئے، اور اپنے سر نہ منڈواؤ جب تک کہ قربانی اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے، لیکن اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو تو وہ روزوں سے، یا خیرات سے، یا ذبح سے فدیہ دیدے، لیکن جب تم اطمینان سے ہو تو حج سے عمرہ ملانے کا فائدہ اٹھاؤ، اس پر قربانی ہے جیسی میسّر آئے، پھر جسے مقدور نہ ہو تو تین روزے حج کے دنوں میں رکھے اور سات جب اپنے گھر واپس آجائے، یہ پورے دس ہوئے، یہ حکم اس کے لئے ہے جو مکہ کا رہنے والا نہ ہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔ (۲/ ۱۹۶)

بکتا بکتا ہوا چلا گیا۔ مکہ سے واپسی پر سعدؓ بن معاذ نے سارا واقعہ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں بیان کیا اور مشرکین کے منصوبوں سے آگاہ کیا۔ ہادی برحق نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو مشرکینِ قریش کی حرکات کا پہلے ہی علم تھا۔ آپؐ ان کی اسلام دشمن سرگرمیوں سے بھی آگاہ تھے۔ آپؐ کے علم میں مشرکین کا وہ خط بھی آچکا تھا جو انہوں نے آپؐ کے متعلق عبداللہ بن ابیّ کو لکھا تھا جس کا تذکرہ صفحاتِ گزشتہ میں کیا جاچکا ہے۔ ان باتوں کے علاوہ آپؐ کے علم میں یہ باتیں بھی آچکی تھیں کہ کفارِ قریش نے مکہ سے باہر دور دور تک پھیلے ہوئے قبائل میں مسلمانوں کے خلاف آگ بھڑکا رکھی تھی، اور اب مدینہ کے قبائل کو اسلام دشمنی پر آمادہ کرنے کے لئے کوشاں تھے۔ ان حالات میں آپؐ کیلئے ضروری ہوا کہ حفاظتِ خود اختیاری کی تدابیر کی جائیں۔ لہٰذا آپؐ نے چیدہ چیدہ مسلمانوں کو طلب فرمایا اور مشورہ کرکے دو اہم فیصلے کئے۔ (۱) مدینہ کے قرب وجوار میں آباد قبائل سے معاہدۂ امن کیا جائے تاکہ مشرکینِ مکہ کی جانب سے حملے کے وقت یہ قبائل اگر مدد نہ بھی کریں تو غیر جانبدار ہو جائیں۔ (۲) کفارِ مکہ کے لئے شام جانے والی شاہراہ کا راستہ جو مدینہ کے قریب سے گزرتا تھا بند کر دیا جائے تاکہ اس اقتصادی ناکہ بندی کی وجہ سے

ــــ حج کے کئی مہینے ہیں جو معلوم ہیں، جو کوئی ان میں اپنے اوپر حج کی نیت کرے تو پھر حج میں نہ کوئی فحش بات ہونے پائے اور نہ کوئی بے حکمی اور نہ کوئی جھگڑا، اور جو کوئی بھی نیک کام کرو گے اللہ اسے جانتا ہے، اور توشہ (سامانِ سفر) ساتھ لو کہ سب سے بہتر توشہ تو پرہیزگاری ہے تو اے عقل والو! مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔

ــــ تم پر کچھ گناہ نہیں کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو، پھر جب عرفات سے پلٹو تو اللہ کی یاد کرو مشعر الحرام کے پاس اور اس کا ذکر اس طرح کرو جیسا کہ اس نے تمہیں بتایا ہے اور اس سے قبل تم یقیناً ناواقفوں میں تھے۔ ہاں تو تم وہاں جا کر واپس آؤ جہاں سے لوگ واپس آتے ہیں، اور اللہ سے مغفرت طلب کرو بے شک اللہ بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔ (۲/۱۹۹ ـ ۱۹۷)

وہ اپنی جارحیت سے باز آجائیں ـــ اور یہی وہ دھمکی تھی جو حضرت معاذ بن جبل رضی نے ابوجہل کو حرم کعبہ میں دی تھی۔ ممکن ہے کہ ان ہی کی تجویز پر آپؐ نے یہ فیصلہ کیا ہو۔

قبیلہ جہینہ کے ساتھ معاہدۂ امن

اوّل الذکر فیصلے کے مطابق محسنِ انسانیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے اطراف میں آباد قبائل کے پاس مہمیں روانہ کیں اور ہر ایک کی جانب امن وسلامتی اور دوستی کا پیغام بھیجا۔ ان قبائل میں جہینہ کا قبیلہ خاص اہمیت کا حامل تھا۔ یہ لوگ مدینہ سے تین منزل کے فاصلے پر آباد تھے اور ان کا کوہستانی علاقہ دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ اس قبیلہ کے سردار مجدی جہنی کے ساتھ گفت وشنید ہوئی اور ایک معاہدہ امن طے پا گیا۔ معاہدہ کی رو سے قبیلہ جہینہ کے مسلمانوں کے ساتھ تعلقات قائم ہو گئے اور ساتھ ہی اس کو یہ اختیار بھی حاصل رہا کہ وہ برابر کے تعلقات کفارانِ مکہ سے بھی رکھ سکتا ہے لیکن کسی ایک فریق کی جانبداری نہیں کرے گا۔ اسی طرح کے معاہدات دیگر قبائل سے بھی ہوئے جو اطراف مدینہ میں آباد تھے۔ یہ معاہدات اس

پھر جب تم اپنے حج کے کام پورے کر چکو تو اللہ کا ذکر کرو جیسے اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے بلکہ اس سے زیادہ، اور لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو کہتے ہیں "اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا ہی میں دیدے۔" اور ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ اور کوئی اُن میں ایسے ہوتے ہیں جو کہتے ہیں۔ "اے ہمارے پروردگار! ہم کو دنیا میں بھی بہتری عطا فرما اور آخرت میں بھی بہتری اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچائے رکھنا۔" یہ وہ لوگ ہیں جنہیں حصہ مل کر رہے گا اپنی کمائی کے مطابق اور اللہ کو حساب چکاتے کچھ دیر نہیں لگتی۔

—— اور اللہ کو یاد کرتے رہو گنے ہوئے چند دنوں میں، جو شخص ان دو دنوں میں جلدی کر کے چلا جائے اس پر کچھ گناہ نہیں اور جو رہ جائے تو اس پر گناہ نہیں پرہیزگار کے لیے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تم سب اسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔ (۲/۲۰۳-۲۰۰)

امرِ حقیقی کا بیّن ثبوت ہیں کہ آپؐ کی مہم تلاشِ امن تھی۔ جنگ کی تیاری مقصود نہ تھی ورنہ ان ہی قبائل میں سے چند کو کفارِ مکہ کے خلاف آمادۂ جنگ بھی کیا جاسکتا تھا۔

قیامِ امن کے لیے مسلمانوں کی تین مہمیں

مذکورہ دوسرے فیصلے کے مطابق آپؐ نے مختلف اوقات میں تین مہمیں مشرکینِ مکہ کے تجارتی قافلوں کی تہدید کے لیے روانہ کیں تاکہ وہ اقتصادی ناکہ بندی کے انجام کو سمجھ کر اپنی جارحیت سے باز آجائیں۔ ان مہموں کو کتبِ سیر میں سریہ کہا گیا ہے لیکن وقوع پذیر ہونے والے واقعات سے ثابت ہے کہ ان مہموں کا مقصد قتل و غارت گری نہ تھا بلکہ صرف قریش کے تجارتی قافلوں کے ساتھ چھیڑ خانی مقصود تھی۔

ان مہموں میں پہلی مہم سریہ عبیدہ بن الحارث کے نام سے مشہور ہے جو حضور نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچازاد عبیدہ بن الحارث بن عبد المطلب کی

—— اور لوگوں میں ایسا شخص بھی ہے کہ دنیوی زندگی میں اس کی بات تجھے بھلی لگے اور اپنے دل کی بات پر وہ اللہ کو گواہ لائے، حالانکہ وہ (دینِ حق کا) شدید ترین دشمن ہے۔ اور جب پشت پھیر جاتا ہے تو اس دوڑ دھوپ میں رہتا ہے کہ زمین پر فساد کرے، اور کھیتی اور جانوروں کو تلف کرے، حالانکہ اللہ فساد کو بالکل پسند نہیں کرتا۔ اور جب اسے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو اسے ضد اور زیادہ گناہ پر آمادہ کر دیتی ہے تو ایسے کو دوزخ ہی کافی ہے اور جو بری سے بری آرام گاہ ہے۔ (۲/ ۲۰۴-۲۰۶)

قیادت میں روانہ کی تھی۔ اس میں جملہ اسّی افراد شامل تھے جو سب مہاجرین میں سے تھے۔ یہ لوگ چلتے چلتے جب حجاز کے ایک چشمے کے قریب پہنچے جو ثنیۃ المرّہ کے زیریں علاقہ میں واقع تھا تو انہیں قریش کی ایک بڑی جماعت ملی جس کی قیادت ابو جہل کا بیٹا عکرمہ کر رہا تھا۔ فریقین ایک دوسرے کے مقابلے سے ہٹ گئے۔ مسلمانوں کے پاس گو کمک بھی موجود تھی لیکن جنگ مقصود نہ تھی۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے صرف ایک تیر چلایا جس کا مطلب قریشِ مکہ کو جارحیت سے باز رکھنا تھا کہ وہ مسلمانوں کو کسی طرح کمزور نہ سمجھیں۔

اسی زمانے میں دوسری مہم حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب کی قیادت میں ساحلِ سمندر کی طرف مقامِ عیص کی جانب روانہ کی گئی اس میں کل تیس مہاجر سوار شامل تھے۔ انہیں قریشِ مکہ کی ایک بڑی جماعت ملی جس میں تین سو سوار تھے اور ابو جہل ان کا امیر تھا۔ ممکن تھا کہ یہاں پر دونوں فریق آمادۂ جنگ ہو جاتے چونکہ ابو جہل کی موجودگی اور ان کی کثرت جارحیت کا سبب بن سکتی تھی لیکن اتفاق سے قبیلۂ جہینہ کا سردار مجدی جہنی اس مقام پر پہنچ گیا۔ جس کے ہر دو فریق سے تعلقات تھے لہٰذا اس کی مداخلت سے ہر دو قافلوں نے اپنی اپنی راہ لے لی۔

تیسری مہم حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی قیادت میں مدینہ سے روانہ ہوئی تھی جس

ــــــ اور انسانوں میں کوئی ایسا بھی ہوتا ہے جو اپنی جان (تک) اللہ کی رضا کے لئے بیچ دیتا ہے، اور اللہ تو بندوں پر بڑا مہربان ہے۔

ــــــ اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اور اگر اس کے بعد بھی ڈگمگاؤ کہ تمہارے پاس روشن حکم آچکے تو جان لو کہ اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

ــــــ بس اسی کا انتظار کر رہے ہیں (یہ لوگ) کہ ان کے پاس اللہ (کا عذاب) بادل کے سائبانوں میں آجائے اور فرشتے بھی، اور قصہ ہی تمام ہو جائے، اور آخرکار سارے معاملات تو اللہ کے حضور پیش ہونے والے ہیں۔ (۲/۲۱۰-۲۰۷)

میں کل آٹھ مہاجرین شامل تھے یہ لوگ حجاز کے مقام خرار تک پہنچے اور پھر اسی طرح واپس آگئے۔

مذکورہ دوسری مہم سے متعلق ابوجہل نے اپنے خیالات کا اظہار اشعار کی شکل میں کیا۔ ان میں سے دو اشعار دشمنان حق کے منصوبوں اور ارادوں کی غمازی کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔

فَلَوْلَا ابْنُ عَمْرٍو كُنْتُ غَادَرْتُ مِنْهُمُ
مَلَاحِمَ لِلطَّيْرِ الْعُكُوفِ بِلَا نَفْسِ

(پس اگر ابن عمرو نہ ہوتا (مجدی) تو ان لوگوں سے ایسی جنگ ہوتی کہ جس سے میدان میں رہنے والے پرندے ہی فائدہ اٹھاتے اور اس کے بدلے کا کوئی اندیشہ نہ ہوتا۔)

فَإِنْ تُبْقِنِي الْأَيَّامُ أَرْجِعْ عَلَيْهِمُ
بِبِيضٍ رِقَاقِ الْحَدِّ مُحْدَثَةِ الصَّقْلِ

(پھر اگر زمانہ مجھے رکھے تو سفید چمکیلی پتلی باڑھ والی نئی صیقل شدہ تلواریں لے کر ان پر کسی اور وقت حملہ کروں گا)

—— بنی اسرائیل سے پوچھ لو کہ ہم نے کتنی روشن نشانیاں انہیں دی تھیں، اور (یہ بھی کہ) جو کوئی اللہ کی نعمت کو بدل دے بعد اس کے کہ وہ اس کو پہنچ چکی ہو تو اللہ بھی سزا دینے میں بڑا سخت ہے۔

—— خوشنما کر دی گئی ہے دنیوی زندگی کافروں کی نگاہ میں، اور وہ اُن لوگوں سے ہنسی کرتے ہیں جو ایمان لے آئے ہیں حالانکہ جو لوگ (مسلمان) ڈرتے رہتے ہیں وہ کہیں زیادہ اوپر ہوں گے ان سے قیامت کے دن، اور اللہ (تو) جسے چاہتا ہے بے شمار رزق دیتا رہتا ہے۔

—— لوگ ایک ہی امت تھے، پھر اللہ نے انبیاء بھیجے خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے اور ان کے ساتھ کتاب حق نازل کی کہ وہ لوگوں کے درمیان ان کے اختلافوں کا فیصلہ کر دے، اور کسی نے اس میں اختلاف نہیں کیا سوائے ان کے جن کو دی گئی تھی ان ہی کی ضد کے باعث بعد اس کے کہ انہیں کھلی ہوئی نشانیاں پہنچ چکی تھیں، پھر اللہ نے اپنے فضل سے ایمان والوں کو وہ حق بات سمجھا دی جس میں جھگڑ رہے تھے، اور اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔ (۲/۲۱۳-۲۱۱)

جیسا کہ ان اشعار سے ظاہر ہے کہ جذبۂ دشمنی کفارانِ مکہ کے قلوب میں جوش مار رہا تھا اور وہ دشمنانِ حق ایسے وقت کی تلاش میں تھے جبکہ مسلمانوں پر کاری ضرب لگا سکیں۔ ان حالات میں حضور محسنِ انسانیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قیامِ امن کے لئے مہمیں روانہ کرنا مصلحتِ وقت ہی تھا۔ اور ان کے حوصلہ افزا نتائج بھی نکلے کہ ایک طرف تو دشمنانِ اسلام کو یہ اندازہ ہو گیا کہ مسلمان اب پہلے جیسے بے یار و مددگار نہیں کہ انہیں ظلم کی چکی میں رکھ کر پیس دیا جائے، دوئم مدینہ کے قرب و جوار میں آباد قبائل اگرچہ مسلمان نہ ہوئے تھے لیکن کفار مکہ کے مقابل غیر جانبدار ہو گئے تھے۔

بنو ضمرہ کے ساتھ آپؐ کا معاہدۂ دوستی —— ایک ایسی ہی مہم کی قیادت ہادیٔ مرسل

— کیا تم اس گمان میں ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تم پر ابھی ان لوگوں کے حالات درپیش نہیں آئے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں، انہیں تنگی اور سختی پیش آئی انہیں ہلا ڈالا گیا یہاں تک کہ بول اٹھے اور اس کے ساتھ ایمان والے بھی کہ کب آئے گی اللہ کی مدد، سن لو! بے شک اللہ کی امداد قریب ہی ہے۔

— (اے نبیؐ!) آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں، آپ کہہ دیجئے "جو کچھ تمہیں مال سے خرچ کرنا ہے سو وہ حق ہے والدین کا اور عزیزوں کا، اور یتیموں کا، اور مسکینوں کا، اور مسافروں کا، اور جو بھی نیکی کرو گے اللہ کو اس کا پورا علم رہتا ہے۔

— تم پر فرض ہوا اللہ کی راہ میں لڑنا حالانکہ وہ تم پر گراں ہے، اور کیا عجب کہ کوئی بات تمہیں ناپسند ہو اور وہی تمہارے حق میں بہتر ہو، اور کیا عجب کہ کسی چیز کو تم پسند کرتے ہو اور وہی تمہارے حق میں بری ہو، ہر چیز کا علم تو اللہ ہی رکھتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ (۲|۲۱۶-۲۱۴)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی کی جس کے نتیجہ میں قبیلہ بنی ضمرہ سے معاہدہ دوستی ہوا ارباب سیر نے اس کو غزوۂ ابوا اور غزوہ ودّان لکھا ہے۔ درحقیقت ان مہموں کو غزوہ یا سریہ کہنا درست نہیں۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہوا ہے کہ ان میں سے کسی ایک کا بھی مقصد نہ قتل و غارت تھا اور نہ مالِ غنیمت کا حصول جیسا کہ ان مہموں کے واقعات اور نتائج سے ظاہر ہے۔ ہتھیاروں سے مسلح ہو کر نکلنا تو اس دور کی عام بات تھی چونکہ راہ میں کسی جانب سے بھی حملہ کا امکان ہو سکتا تھا دوم جس کے ساتھ معاہدۂ دوستی کرنا مقصود ہوتا تھا اس پر یہ ظاہر کرنا بھی تو ضروری تھا کہ فریقِ معاہدہ کسی طاقت کا بھی حامل ہے یا نہیں۔ انہی وجوہ کی بنا پر مسلمان بھی مسلح ہو کر نکلے اور ارباب سیر نے ان مہموں کو جنگی نام دے دیا کہ جس مہم میں آپؐ شریک

(اے حبیبؐ!) اور آپؐ سے پوچھتے ہیں ماہِ حرام میں لڑنے کا حکم آپ کہدیجئے۔ وہ اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے، اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس پر ایمان نہ لانا، اور مسجدِ حرام سے روکنا، اور اس کے بسنے والوں کو نکال دینا اللہ کے نزدیک اس سے بھی بڑے گناہ ہیں، اور فتنہ تو قتل سے کہیں بڑھ کر ہے۔ اور یہ لوگ تو تم سے جنگ جاری ہی رکھیں گے یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین ہی سے پھیر دیں اگر ان کا بس چلے، اور جو کوئی تم لوگوں میں اپنے دین سے پھر جائے، پھر کافر ہو کر مرے تو ان لوگوں کے اعمال اکارت گئے دنیا میں اور آخرت میں بھی، اور وہ اہلِ دوزخ ہیں ہمیشہ اس میں پڑے رہنے والے۔ (۲|۲۱۷)

نہ ہوئے وہ سریہ کہلائی اور جس میں آپؐ بہ نفسِ نفیس خود تشریف لے گئے وہ غزوہ کہلائی۔ اس مہم کے واقعات خود اس امر کا ثبوت ہیں کہ یہ کسی بھی طرح جنگ نہ تھی۔

ماہِ صفر ۲ھ میں آپؐ ساٹھ مہاجرین کی معیت میں مدینہ سے روانہ ہوئے اور مقامِ ابوا تک تشریف لے گئے۔ یہ وہی مقام ہے کہ جہاں آپؐ کے عہدِ طفولیت میں آپؐ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضؓ مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے انتقال فرما گئیں تھیں اور یہیں آپ کی تدفین ہوئی تھی۔ ابوا رکا صدر مقام فرع نامی ایک وسیع و عریض قصبہ تھا جس میں قبیلہ مزینہ آباد تھا۔ یہ جگہ مدینہ سے تقریباً اسی میل کے فاصلے پر ہے اور اس کے اطراف میں قبیلہ بنو ضمرہ آباد تھا جغرافیائی اعتبار سے اس قبیلہ کو خاص اہمیت حاصل تھی لہٰذا اندیشہ تھا کہ مکہ کی جانب سے حملہ کی صورت میں یہ قبیلہ جارحیت کا سبب بن سکتا تھا۔ اس مقام پر آپؐ نے چند روز قیام فرمایا۔ سردار قبیلہ مخشی بن عمرو ضمری سے گفت و شنید ہوئی اور آخر کار ایک معاہدہ دوستی طے پایا جس کے تحت آپؐ نے درج ذیل تحریر اس قبیلہ کو عطا فرمائی۔

ھٰذا کتابٌ من محمدٌ الرسول اللہ لبنی ضمرۃ فانھم آمنون علیٰ اموالھم وانفسھم

ــــــ وہ جو ایمان لائے اور وہ جنہوں نے اللہ کے لئے اپنے گھر بار چھوڑے اور اللہ کی راہ میں لڑے وہ رحمتِ الٰہی کے امیدوار ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۲|۲۱۸)

وان لهم النصر علی من رامهم الا ان یحاربوا فی دین الله ما بل بحر صوفة وان النبی اذا دعاهم لنصره اجابوه الخ

ترجمہ:۔ (یہ محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر ہے بنی ضمرہ کے لئے ان لوگوں کا جان و مال محفوظ رہیگا اور جو شخص ان پر حملہ کرے گا اس کے مقابلے میں ان کی مدد کی جائیگی بجز اس صورت کے کہ یہ لوگ مذہب کے مقابلہ میں لڑیں اور پیغمبرؐ جب ان کو مدد کے لئے بلائیں گے تو یہ مدد کو آئیں گے)

کُرز کا مدینہ کی چراگاہ پر چھاپہ

ان معاہداتِ امن و دوستی کی خبریں دشمنانِ اسلام کو بھی پہنچتی رہی ہوں گی جو ان کے جارحانہ عزائم کے لئے سدِّ راہ ہو رہی تھیں۔ لہٰذا اس معاہدۂ بنی ضمرہ کے قریباً ایک ماہ بعد مشرکینِ مکہ کی ایک ٹولی نے مدینہ کی چراگاہ پر خاموشی سے چھاپہ مارا جس کی قیادت قریش کا ایک سردار کرز بن جابر کر رہا تھا۔ یہ لوگ مسلمانوں کے مویشی جن میں ہادی مرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی مویشی تھے پکڑ کر لے گئے۔ مسلمانوں کو معلوم ہوا تو ان حملہ آوروں کا تعاقب کیا گیا لیکن وہ ہاتھ نہ آئے۔

اس واقعہ سے مشرکینِ مکہ کا تو یہی مقصد تھا کہ مسلمان مشتعل ہو کر مکہ پر حملہ کر دیں اور پھر اس طرح مشرکینِ مکہ کو کعبہ کی حرمت کے نام پر مسلمانوں کے خلاف تمام عرب قبائل کو آمادۂ جنگ کرنے کا موقعہ مل جائے۔ لیکن ہادی مرسل کا مقصد جنگ نہ تھا بلکہ امن مقصود تھا۔ لہٰذا آپؐ نے اس واقعہ کے بعد بغیر کسی اشتعال کا اظہار کئے ہوئے اپنی تلاشِ امن کی مہم کو جاری رکھا اور جس طرح بنی ضمرہ سے معاہدۂ دوستی کیا تھا انہی شرائط پر ان کے حلیف بنو مدلج سے معاہدۂ امن کیا۔ اس معاہدہ کے لئے بھی آپؐ خود بہ نفسِ نفیس دو سو مسلمانوں کی معیت میں بنو مدلج کے مقام ذوالعشیرہ تشریف لے گئے تھے جو مدینہ سے

— (اے حبیبؐ!) آپ سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں، آپ فرما دیجئے۔ "ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے کچھ دنیوی نفعے بھی (ہیں) اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے"۔ اور آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں، آپ فرمائیے۔ "جتنا آسان ہو"۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح کھول کر تمہارے لئے احکام بیان کرتا ہے تاکہ تم دنیا اور آخرت کے کام سوچ لیا کرو۔

تقریباً نوے میل کے فاصلے پر تھا۔

ان واقعات کو بعض مورخین نے دوسرا رنگ دیا ہے لیکن مذکورہ واقعات اس امر کا بیّن ثبوت ہیں کہ آپؐ کی کاوشیں مدینہ کے اردگرد ایک علاقۂ امن قائم کرنے کے لئے تھیں تاکہ مشرکینِ مکہ کی جارحیت سے اہلِ مدینہ محفوظ ہو جائیں۔

بطنِ نخلہ کا واقعہ چونکہ مشرکینِ قریش کی سرگرمیاں اور ان کی طرف سے ملنے والی خبریں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے رفقائے کرام کے لئے مسلسل باعثِ تشویش ہو رہی تھیں لہٰذا ماہِ رجب ۲ھ میں آپؐ نے ایک مہم حضرت عبداللہؓ بن جحش کی قیادت میں بطنِ نخلہ کی طرف روانہ کی۔ اس میں کل بارہ افراد شامل تھے۔ آپؐ نے ایک خط حضرت عبداللہؓ کو دیتے ہوئے ہدایت کی کہ وہ دو دن کی مسافت کے بعد اس خط کو پڑھیں۔ آپؐ کی ہدایت کے بموجب وہ لوگ مکہ اور طائف کے درمیان واقع بطنِ نخلہ کی جانب روانہ ہو گئے اور دو دن بعد خط کھولا تو اس میں تحریر تھا۔ "مقامِ نخلہ میں قیام کرو اور قریش کے حالات کا پتہ لگاؤ اور اطلاع دو۔"

حضرت عبداللہؓ بن جحش نے تحریر پڑھ کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بموجب نخلہ جاؤں گا اور قریش کے حالات سے آپؐ کو اطلاع کرتا رہوں گا تم لوگوں میں سے جو میرے ساتھ چلنا چاہے چلے یا واپس ہو جائے۔ ان سب لوگوں نے نخلہ جانے کا فیصلہ کیا۔ جب یہ لوگ نخلہ میں جا کر اترے تو قریش کے ایک قافلے کو گزرتے ہوئے دیکھا جو شام کی جانب سے تجارتی سامان لئے چلا آ رہا تھا

(اے نبیؐ!) اور لوگ آپ سے یتیموں کا مسئلہ دریافت کرتے ہیں سو آپ کہدیجئے "جس طریقہ عمل میں ان کی بھلائی ہو وہی اختیار کرنا بہتر ہے۔ اگر تم اپنا اور اُن کا خرچ ملا لو تو کوئی برائی نہیں آخر وہ تمہارے بھائی بند ہی تو ہیں، اور اللہ خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے"

عبداللہ بن جحش نے ان کی طرف ایک تیر چلا دیا جس سے جنگ کی کیفیت پیدا ہو گئی مشرکین مکہ کا ایک شخص عمرو بن الحضرمی مارا گیا۔ دو قید ہوئے اور ایک فرار ہو گیا۔ عبداللہ بن جحش اور ان کے ساتھی مالِ غنیمت اور دونوں قیدی لے کر ہادی مرسل نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا بیان کیا۔ آپؐ نے اظہارِ ناراضگی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ "لیکن ہم نے تو تم کو جنگ کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔" اور مال غنیمت قبول کرنے سے بھی انکار کر دیا۔ جو صحابہ کرام اس وقت موجود تھے۔ انہوں نے بھی عبداللہ بن جحش اور ان کے ساتھیوں سے کہا "تم نے وہ کام کیا جس کا تم کو حکم نہیں دیا گیا تھا، اور ماہِ حرام میں لڑے حالانکہ اس مہینہ میں تم کو لڑنے کا حکم نہ تھا۔"

حضور سرورِ کائنات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے رفقاء سے مذکورہ باتیں سن کر اور ان کے سخت رویئے کو دیکھ کر عبداللہ بن جحش اور ان کے ساتھیوں کو افسوس ہوا کہ وہ غلطی کر بیٹھے۔ بہرحال ہونے والی بات ہو چکی تھی۔

مشرکینِ مکہ اور یہودیوں نے اس واقعہ کو مسلمانوں کے خلاف خوب استعمال کیا، جگہ جگہ جا کر چرچا کرنے لگے کہ محمدؐ اور ان کے ساتھیوں نے ماہِ حرام کو بھی حلال کر دیا، ماہِ حرام میں خونریزی کی۔ یہی کچھ روز و شب رہے ہوں گے کہ درج بالا آیاتِ ربانی کا نزول ہوا۔ آیت نمبر ۲۱۷ میں اسی واقعہ نخلہ سے پیدا ہونے والے حالات کی طرف اشارہ ہے اور غیر مسلموں کے اعتراضات کا جواب۔

(بحوالہ مسلم۔ بخاری۔ زرقانی۔ طبری۔ ابن ہشام)

اور اللہ چاہتا تو اس معاملہ میں تم پر سختی کرتا مگر وہ زبردست ہے اور اس کے ساتھ حکمت والا بھی ہے۔ (۲۲۰/۲-۲۱۹)

اصلاح معاشرہ کی طرف آپؐ کے اقدام

در حقیقت عبداللہ بن جحش سے حضور محسنِ انسانیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کا جو جرم سرزد ہوا وہ اس بات کی بھی غمازی کرتا ہے کہ صحابۂ کرام میں ابھی ایسے افراد بھی موجود تھے جو اپنے اپنے نفس کو صحیح طور پر مغلوب نہ کر پائے تھے۔ اگر عبداللہ بن جحش اس مقام کو پہنچ گئے ہوتے تو وہ ہادی امرسل صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح حکم کی خلاف ورزی نہ کرتے جس کے سیاسی اثرات مستقبل پر دور تک اثرانداز ہوئے جن کا تذکرہ آگے کے واقعات میں اور جنگِ بدر کے تحت کیا جائے گا۔ بہر حال یہ باتیں حبیبِ ربانی صلی اللہ علیہ وسلم سے پوشیدہ نہ تھیں۔ آپؐ نہ صرف سیاسی افق پر اٹھتے ہوئے طوفانوں سے واقف تھے بلکہ آپؐ کی نظریں معاشرہ کی ان برائیوں پر بھی تھیں جو نفسِ انسانی کی پروردہ ہوتی ہیں اور جن سے نجات حاصل کرنا ایک صحت مند معاشرہ کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ ان ہی برائیوں میں سب سے بڑی لعنت شراب نوشی اور جوئے کی تھی جو عرب معاشرہ میں بری طرح رچی اور بسی ہوئی تھی۔ اہلِ عرب کھجور اور انار سے شراب بنایا کرتے تھے اور برائے سرور ہی نہیں بلکہ بطور غذا کے بھی شراب پیتے تھے۔ کوئی ضیافت اور کوئی دستر خوان ایسا نہ ہوتا جہاں شراب کے مینا و ساغر بھرے نہ رکھے ہوں۔ عرب تاجر یورپ، شام اور فارس کی منڈیوں سے آتے تو وہاں سے شرابوں کے گھڑے بھی ساتھ لے آتے۔

حضور سرورِ کائنات ہادی امرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے طبعاً کبھی شراب کو پسند نہ فرمایا لہٰذا آپؐ نے نہ صرف شراب پینے سے پرہیز کیا بلکہ مے نوشی کو کبھی اچھی نظر سے بھی نہ دیکھا۔ لیکن صحابۂ کرام میں اکثر لوگ جس طرح عہدِ جہالت میں شراب پیتے تھے اسی طرح مسلمان ہونے کے بعد بھی ان کا شغلِ مے نوشی جاری تھا۔ اسی طرح جوئے

—— اور نکاح مشرک عورتوں کے ساتھ نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں، اور بے شک مسلمان کنیز اچھی ہے مشرکہ سے اگرچہ وہ تمہیں پسند بھی ہو، اور اپنی عورتوں کو (بھی) مشرکوں کے نکاح میں نہ دو جبتک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں، اور مسلمان غلام تک بہتر ہے مشرک سے اگرچہ وہ تمہیں پسند (بھی) ہو، وہ لوگ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ جنت و مغفرت کی طرف بلا رہا ہے، اور لوگوں سے اپنے احکام کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ (۲|۲۲۱)

کی لعنت بھی ان کے پیچھے لگی ہوئی تھی جس سے چند افراد کو فائدہ ہوتا تو اکثر نانِ شبینہ تک سے محروم ہو جاتے۔ یہ تمام باتیں ہادی مرسل صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑی گراں گزرتی تھیں روایت ہے کہ ایک انصاری نے ضیافت کا اہتمام کیا۔ اونٹ کے بھنے پارچے اور شراب اپنے مہمانوں کو پیش کی۔ ایک صحابی نے اس درجہ پی ڈالی کہ مدہوش و بدمست ہو کر اونٹ کی ہڈی حضرت سعد بن ابی وقاص کے سر پر دے ماری جس سے وہ بری طرح مجروح ہو گئے۔

اس جیسے اور نہ جانے کتنے واقعات رونما ہوئے ہوں گے لیکن سرورِ دیں نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تو یہی تھا کہ جب تک اللہ کا حکم نہ آجاتا آپ کوئی قدم نہ اُٹھاتے۔ صحابۂ کرام میں سے بھی اس امر کی خواہش کا اظہار ہوا کہ شراب پینا ترک کر دیا جائے اور آپ بھی یہی چاہتے تھے لیکن حکمِ ربی کا انتظار تھا کہ آیت نمبر ۲|۲۱۹ کا نزول ہوا۔ یہ شراب اور جوئے کے متعلق پہلا حکمِ الٰہی تھا جس کے ذریعہ شراب کو قطعی حرام تو قرار نہ دیا گیا لیکن گناہ آلود بتایا گیا۔ اللہ تعالے حکیم و خبیر ہے وہ اپنے بندوں کی عادات اور خصوصیات کو اچھی طرح جانتا ہے اور اس کی منشا بھی یہی رہی ہے کہ اس کے بندے اپنی عقل و فہم کو کام میں لاتے ہوئے اپنی فلاح کی منزل اختیار کریں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر جبر نہیں چاہتا بلکہ وہ انہیں راہِ ہدایت بتا کر اس پر چلنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس کا قطعی حکم اسی

— (اے نبیؐ!) اور لوگ آپ سے حیض کا حکم دریافت کرتے ہیں، آپ کہہ دیجئے: "وہ ناپاکی ہے پس تم حیض کے دوران عورتوں سے الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان سے قربت نہ کرو، پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ جس جگہ سے اللہ نے تمہیں اجازت دے رکھی ہے، بے شک اللہ محبت رکھتا ہے توبہ کرنے والوں سے اور محبت رکھتا ہے پاک صاف رہنے والوں سے۔ تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں سو تم اپنی کھیتیوں میں آؤ جس طرح چاہو اور اپنے لئے بھلائی کے کام کرتے رہو، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تمہیں اس سے ملنا ہے، اور آپ بشارت دے دیجئے (اچھائی کی) ایمان والوں کو۔
(۲/۲۲۳-۲۲۲)

وقت آتا ہے جب کہ بندے اپنی حدود سے گزر جاتے ہیں۔

شراب اور جوئے کے حکم کے ساتھ ساتھ حق سبحانہ تعالیٰ نے کارِ خیر میں خرچ کرنے اور یتامیٰ سے متعلق احکامات بھی نازل فرمائے۔ زمانۂ جاہلیت سے لوگوں نے یہ طریقہ اختیار کر رکھا تھا کہ از راہِ ہمدردی یا از راہِ حق و رشتہ داری کمسن یتامیٰ کو اپنے پاس رکھ لیتے، ان کے اموال کو بے دریغ خرچ کرتے، اور ان مجبور و یتیم بچوں پر ظلم کرنے سے بھی باز نہ آتے۔ یہ باتیں بھی معاشرے کے اندر ناسور کی حیثیت رکھتی تھیں لہٰذا ہادیٔ مرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے حق سبحانہٗ تعالیٰ کی جانب سے حکم آ جانے کے بعد ان برائیوں کا بھی خاتمہ کیا۔

آپؐ نے عورت کو مقامِ تعظیم دلایا

ان دنوں عورت تحقیر و ذلت کی جن پستیوں میں گرفتار تھی وہاں عورت کی حرمت اور تقدس کا تصور بھی نہ تھا۔ کوئی تہذیب کوئی معاشرہ ایسا نہ تھا جس میں عورت کو مساویانہ حقوق دیئے گئے ہوں۔ مشرق میں ہندوؤں کے بت پرست اور فارس میں آتش پرست معاشروں کا غلبہ تھا۔ یورپ افریقہ اور مشرق وسطیٰ کے

— اور اللہ (کے نام) کو ایسی قسمیں کھانے کیلئے ذریعہ نہ بناؤ جن سے نیکی، تقویٰ اور بندگانِ خدا کی اصلاح کے کاموں سے باز رہنا مقصود ہو، اور اللہ (سب کچھ) سنتا اور جانتا ہے۔ اللہ تمہیں نہیں پکڑتا ان قسموں میں جو بے ارادہ زبان سے نکل جائیں ہاں اس پر گرفت فرماتا ہے جو قسمیں کہ تم قصداً کھاتے ہو، اور اللہ بہت بخشنے والا اور بردبار ہے۔
— جو لوگ قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی عورتوں کے پاس جانے کی ان کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے، پس اگر اس مدت میں وہ رجوع کرلیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر طلاق کا ارادہ پکا کر لیا تو اللہ بیشک (سب کچھ) سنتا اور جانتا ہے۔ ۲/۲۲۴ - ۲۲۷

علاقوں میں صحف آسمانی کے علمبردار یہود و نصاریٰ اپنی تہذیب و تمدن پر نازاں تھے لیکن ان میں سے کسی بھی ایک معاشرے میں عورت کو مقامِ حرمت حاصل نہ تھا۔
ہندوؤں کی رسم ستی سے ہم سب واقف ہی ہیں کہ بیوہ کو اس کے شوہر کی چتا میں زندہ ہی جھونک دیا جاتا تھا اور جب چتا میں جھونکنے کا سلسلہ ختم کیا گیا تو بیوہ ہندو معاشرہ کی ایک مظلوم و لاچار فرد بن کر رہ گئی۔ ویسے بھی قدیم ہندو معاشرہ میں عورت کو کبھی عزت و احترام کی نگاہ سے نہ دیکھا گیا۔ شوہر جب جوئے میں سب کچھ ہار جاتا تو اپنی جورو کو بھی داؤ پر لگا دیتا۔ یہی کچھ حالات فارس کے بت پرست معاشرے میں تھے جہاں عورت منڈیوں میں بکنے والی شئے تھی۔ فروخت کرنے والا اس کی نمائش کرتا اور اپنی مرضی سے سودا کر کے دوسرے کو تھما دیتا۔ گویا عورتوں کی حیثیت پالتو جانور یا گھر کے برتنوں سے زیادہ نہ تھی۔ خواہشاتِ نفسانی کے تحت اس کو دیوی بھی بنا لیتے لیکن وہ دیوی بھیڑ بکری اور برتن کی طرح رہن بھی رکھ دی جاتی تھی۔
یورپ کی تہذیب و معاشرت میں عورت کو کیا مقام حاصل تھا؟ اس کا اندازہ تاریخ اخلاق یورپ (History of European Morals) کے درج ذیل اقتباس

اور مطلقہ (عورتیں) اپنے کو تین حیض تک روکے رہیں اور ان کے لئے یہ جائز نہیں کہ اسے وہ چھپائیں جو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا کر رکھا ہے اگر وہ اللہ اور روزِ آخرت پر یقین رکھتی ہیں، اور ان کے شوہروں کو اس مدت کے اندر ان کو واپس لے لینے کا حق پہنچتا ہے بشرطیکہ اصلاحِ حال کا قصد رکھتے ہوں، اور عورتوں کا (بھی ایسا ہی) حق ہے جیسا کہ عورتوں پر حق ہے شرع کے موافق، اور مردوں کو ان کے اوپر ایک گونہ فضیلت حاصل ہے، اور اللہ بڑا زبردست بڑا حکمت والا ہے۔

—— طلاق تو دو ہی بار کی ہے پھر بھلائی کے ساتھ رکھ لینا ہے یا خوش عنوانی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔ اور تمہارے لئے جائز نہیں کہ جو کچھ عورتوں کو دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لو، ہاں سوائے اس صورت کے کہ جب اندیشہ ہو کہ اللہ کے ضابطوں کو دونوں قائم نہ رکھ سکیں گے۔ سو اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تم اللہ کے ضابطوں کو قائم نہ رکھ سکو گے تو دونوں پر اس (مال) کے باب میں کوئی گناہ نہ ہوگا جو عورت معاوضہ میں دیدے۔ یہ سب اللہ کے ضابطے ہیں سو ان سے باہر نہ نکلنا اور جو کوئی اللہ کے ضابطوں سے باہر نکل جائیگا تو ایسے ہی لوگ (خود اپنے حق میں) ظالم ہیں۔

(۲/۲۲۹—۲۲۸)

سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

"عقیدہ یہ تھا کہ عورت جہنم کا دروازہ ہے اور تمام آفاتِ بشری کی جڑ ہے۔ اسے اپنے کو ذلیل سمجھنے کے لئے یہی وجہ کافی ہے کہ وہ عورت ہے۔" (ج ۳۔ ۱۴۲۳)

یہودیوں کے نزدیک عورت کی کیا حیثیت تھی وہ بھی ملاحظہ ہو۔

"پہلا گناہ چونکہ بیوی کی تحریک پر سرزد ہوا تھا اسی لئے اس کو شوہر کا محکوم رکھا گیا۔ اور شوہر اس کا حاکم، اس کا مالک اور اس کا آقا اور وہ اس کی مملوکہ ہے۔"

(جیوئش انسائیکلوپیڈیا ج ۶۔ ۵۰۸)

صرف یہی نہیں کہ غیر مسلم معاشروں میں عورت مذکورہ پستیوں میں گرفتار تھی بلکہ ایسی

____ پھر اگر تیسری طلاق دے ہی دے تو اس کے بعد وہ عورت اسے حلال نہ ہوگی جب تک کہ دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے، پھر وہ دوسرا اگر اسے طلاق دیدے تو ان دونوں پر گناہ نہیں کہ پھر آپس میں مل جائیں بشرطیکہ دونوں سمجھتے ہوں کہ اللہ کی حدیں نباہیں گے، اور یہ اللہ کی حدیں ہیں جنہیں وہ بیان کرتا ہے دانشمندوں کے لئے۔ (۲/۲۳۰)

توہمات کا جال اس کے گرد بُن رکھا تھا کہ جس سے نہ صرف اس کی نسائیت بلکہ عزّت نفس بھی کچل کر رہ گئی تھی۔ جس طرح حائضہ عورت کو ہندو معاشرے میں پکوان کے قریب جانے کی بھی اجازت نہ تھی اسی طرح یہودی بھی حائضہ عورت کو اچھوت سمجھتے تھے۔ اس کے ساتھ کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا تو درکنار اس کو اپنے بستر کے قریب بھی نہ آنے دیتے تھے۔ گویا عورت حائضہ کیا ہوئی مجسم غلاظت بن گئی۔

اسی طرح مذکورہ معاشروں میں طلاق سے متعلق اصول و قوانین تھے۔ ہندو معاشرہ میں طلاق کا تصوّر ہی ناپید تھا۔ یہودیوں کے یہاں طلاق پر کوئی پابندی نہ تھی شوہر جب چاہتا بیوی کو طلاق دے کر گھر سے باہر کر دیتا اور اسی طرح دوسرا شخص جب چاہتا مطلقہ کو اپنے گھر میں ڈال لیتا۔ نہ عدت کا سوال تھا اور نہ اس سے متعلقہ معاملات کی پرواہ۔ آج بھی غالباً یہودی معاشرہ میں عورت کو کم و بیش یہی مقام حاصل ہے۔ چونکہ ان کی مذہبی کتاب توریت ان کے اس فعل کو جائز قرار دیتی ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو۔

"اگر کوئی مرد کسی عورت سے بیاہ کرے اور پیچھے اس میں کوئی ایسی بیہودہ بات پائے جس سے اس عورت کی طرف اس کی التفات نہ رہے تو وہ اس کا طلاق نامہ لکھ کر اس کے حوالے کرے اور اسے اپنے گھر سے نکال دے۔ اور جب وہ اس کے گھر سے نکل جائے تو وہ دوسرے مرد کی ہو سکتی ہے۔" (استثنار باب ۲۴۔ آیت ۱۔۲)

۔۔۔۔ اور جب تم عورتوں کو طلاق دیدو اور وہ اپنی مدت (عدت) گزرنے پر پہنچ جائیں تو اس وقت تک یا تو بھلائی کے ساتھ روکے رکھو یا عزت کے ساتھ چھوڑ دو، اور ان کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے نہ روکے رہو، اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ اپنی ہی جان پر ظلم کرے گا، اور اللہ کے احکام کو ہنسی کھیل نہ سمجھو، اور اللہ کی نعمتیں اپنے اوپر یاد کرو، اور اس کتاب وحکمت کو بھی جو اس نے تم پر اتاری ہے کہ اس سے وہ تمہیں نصیحت کرتا رہتا ہے، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

۔۔۔۔ اور جب تم طلاق دے چکو اپنی عورتوں کو اور پھر ان کی میعاد (عدت) پوری ہو جائے تو (اے لوگو!) تم انہیں اس سے مت روکو کہ وہ اپنے (تجویز کیے ہوئے) شوہروں سے نکاح کرلیں جب کہ وہ آپس میں شرع کے مطابق رضامند ہو جائیں، یہ نصیحت اسے دی جاتی ہے جو تم میں سے اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو، یہی تمہارے حق میں زیادہ پاکیزہ اور صاف تر ہے اور اللہ ہی جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ (۲/۲۳۲-۲۳۱)

یہودی معاشرے کی اس بے لگام طلاق اور شادی نے معاشرے کے اندر ایسی باتوں کو جنم دے رکھا تھا جن سے عورت کی حرمت اور تقدس پامال ہو کر رہ گئے تھے۔ یہودیوں کے برعکس عیسائیوں کے یہاں شدت پسندی کا دوسرا رخ تھا کہ ان کے معاشرے میں طلاق کا تصور ہی گناہ تھا۔ ایک عورت ایک بار کسی کی بیوی بن کر اپنے جملہ حقوق سے محروم ہو جاتی تھی اب یہ اس کے رحم وکرم پر تھا کہ وہ اپنی بیوی کو کیا حیثیت دیتا ہے اور کس طرح رکھتا ہے شوہر مالک تھا اور بیوی مملوک۔ عیسائیوں کے بڑے اور اصل فرقے کیتھولک کے یہاں یہ بات آج بھی موجود ہے۔ انجیل کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

— اور مائیں دودھ پلائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس، (یہ مدت) اس کے لئے ہے جو رضاعت کو پورا کرنی چاہے۔ اور جس کا بچہ ہے اُسی (باپ) کے ذمہ ہے ان (ماؤں) کا کھانا اور کپڑا دستور کے مطابق، کسی شخص پر بوجھ نہیں رکھا جاتا مگر بقدر اس کی برداشت کے، نہ کسی ماں کو تکلیف دی جائے اس کے بچہ کے باعث اور نہ کسی باپ ہی کو تکلیف پہنچائی جائے اس کے بچہ کے باعث اور اسی طرح کا انتظام وارث کے ذمہ بھی ہے، پھر اگر دونوں اپنی باہمی رضامندی اور مشورہ سے دودھ چھڑا دینا چاہیں تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں، اور اگر تم لوگ اپنے بچوں کو دودھ پلوانا چاہو (کسی اور سے) تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ تم ان کے حوالے کر دو جو کچھ بھی انہیں دینا ہے دستور کے موافق، اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔ (۲۳۳/۲)

"جسے خدا نے جوڑا ہے اسے آدمی جدا نہ کرے۔۔۔۔ جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ اس پہلی کے برخلاف زنا کرتا ہے۔ اور اگر عورت اپنے شوہر کو چھوڑ دے اور دوسرے سے بیاہ کرے تو زنا کرتی ہے۔" (مرقس باب ۱۰۔ آیات ۱۰ تا ۱۲)

عیسائی معاشرے کے ان اصولوں نے عورت کو کس مجبوری و لاچاری کی حالت میں مبتلا کر رکھا تھا اس کا اندازہ آج بیسویں صدی عیسوی میں وقوع پذیر ہونے والے حالات سے بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ آج کی عیسائی عورت نے ان بندشوں کو توڑنے کے لئے بغاوت تو کی ہے لیکن بجائے حرمت اور تقدس کا مقام پانے کے عیسائی مردوں کے نام نہاد فیشن اور ماڈرنزم کے تانوں بانوں میں پھنس کر رہ گئی ہے جہاں مردوں کے لئے بہر طور اب بھی سامانِ تفریح ہے۔ یہی کچھ مقام اس کو آج سے چودہ سو برس پہلے بھی حاصل تھا۔ صرف فرق اس قدر ہے کہ پہلے وہ مرد کی مرضی کے تابع تھی اب مرد اس کی مرضی کے تابع ہے لیکن حاصلِ زیست وہی۔ پہلے جبر کے ہاتھوں استحصال

۔۔۔۔۔ اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جاتے ہیں اور بیویاں چھوڑ جاتے ہیں، وہ بیویاں اپنے آپ کو چار مہینہ اور دس دن تک روکے رکھیں، پھر جب وہ اپنی مدت (عدت) کو پہنچ جائیں تو (اے لوگو!) تم پر اس باب میں کوئی گناہ نہیں کہ وہ عورتیں اپنے معاملے میں موافقِ شرع کچھ (فیصلہ) کریں، اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ اس سے خوب واقف ہے۔
(۲۳۴/۲)

تھا اب فیشن کے نام پر استحصال ہے۔

اس دور کے عرب معاشرہ میں بھی عورت کی حالت مذکورہ معاشروں سے مختلف نہ تھی بلکہ اس کو بدتر کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ کچھ باتیں تو ان کے یہاں یہود و نصاریٰ کے معاشروں سے آئی تھیں۔ مثلاً طلاق کا تصور یہودیوں کی طرح ان کے یہاں بھی تھا۔ لیکن بہت سی باتیں ان کی اپنی تھیں جن کی بنا پر عورت انتہائی انسانیت سوز حالات میں گرفتار تھی۔

حضرت زینب بنت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ عہدِ جہالت میں یعنی اسلام سے قبل جب کبھی کسی عورت کا خاوند مر جاتا تو اس عورت کو الگ تھلگ کسی جھونپڑے میں ڈال دیا جاتا جہاں رہ کر وہ بدترین کپڑے پہنتی۔ خوشبو اور سنگھار کی دیگر اشیا اس کے لئے ممنوع ہو جاتیں۔ اس طرح ایک سال کی مدت اسی حالتِ زار میں گذارتی۔ ایک سال کے بعد اس جھونپڑے سے باہر نکلتی تو قدیم رسوم کے مطابق اونٹ کی مینگنیاں لے کر پھینکتی اور کسی جانور کے جسم کے ساتھ اپنے جسم کو رگڑتی۔ یہ ایک سالہ مدت اس درجہ اذیت ناک ہوا کرتی تھی کہ بسا اوقات وہ عورت ہی مر جاتی تھی۔

یہ حالت تو پہلی بیوی کی تھی جو جہالت کی مذکورہ رسوم تلے کچلی جاتی تھی لیکن باقی بیویاں بطور ترکہ سوتیلے بیٹوں کے درمیان تقسیم کر دی جاتی تھیں اور جو بعد میں ان کے تصرف میں رہتیں۔

عورت کی یہ بے حرمتی، مجبوری و لاچاری اور مردوں کے ہاتھوں ان کا استحصال

—— اور تم پر گناہ نہیں اس بات میں جو پردہ رکھ کر تم (زیر عدت) عورتوں کے نکاح کا پیام دو یا اپنے دل میں پوشیدہ رکھو، اللہ کو تو علم ہے کہ تم ان عورتوں کا ذکر مذکور کرو گے، البتہ ان سے خفیہ وعدہ نہ کر رکھو، مگر ہاں کوئی بات عزت واحترام کے مطابق (چاہو) تو کہہ دو، اور عقدِ نکاح کی گرہ پکی نہ کرو جب تک کہ میعاد مقرر (عدت) اختتام کو نہ پہنچ جائے اور جان رکھو کہ اللہ تمہارے دل کی بات جانتا ہے، تو اسی سے ڈرو اور جان رکھو کہ اللہ بخشنے والا حلم والا ہے۔ (۲۳۵|۲)

حضور محسنِ انسانیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبع مبارک پر بڑا گراں گذرتا تھا۔ آپ کی بعثت کا مقصد تو انسانیت کو اس کی سربلندی اور عظمت سے ہمکنار کرنا تھا۔ اور عورت کو مساوی حقوق دلائے بغیر اس مقصد کا حصول ممکن نہ تھا۔ لہٰذا آپ نے خود بھی عورتوں کے ساتھ عزت واحترام کا مظاہرہ کیا اور اسی کی تلقین اپنے رفقائے کرام کو کی۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے سوال کیا۔ "اے اللہ کے رسول! ہماری عورتوں کے ہم پر کیا حقوق ہیں؟" آپ نے ارشاد فرمایا۔ "جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ، جب تم پہنو تو اسے بھی پہناؤ، اس کے منہ پر نہ مارو، نہ گالیاں دو اور نہ اس سے روٹھ کر اس کو کہیں اور بھیجو بلکہ اپنے گھر ہی میں رکھو۔" جب آپ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے تو یہ مسائل اور زیادہ سامنے آگئے۔ آئے دن آپ کے پاس کوئی نہ کوئی مظلوم عورت اپنی داستان لیے کھڑی رہتی۔ ایک دن ایک عورت حاضر ہوئی اور عرض کیا۔ "اے اللہ کے رسول! میرا شوہر کہتا ہے کہ نہ میں تجھے بساؤں گا اور نہ چھوڑوں گا۔ وہ کہتا ہے کہ طلاق دوں گا اور پھر عدت کی مدت ختم ہونے سے پہلے رجوع کر لوں گا اور اسی طرح کرتا رہوں گا۔" اسی طرح کی اور نہ جانے کتنی برائیاں تھیں جن کے تلے عورت معاشرے میں پس کر رہ گئی تھی۔ یہ مسائل یوں اور بھی پیچیدہ ہونے لگے تھے کہ بہت سے مسلمان غیر مسلموں کے

—— تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان بیویوں کو جنہیں تم نے نہ ہاتھ لگایا ہو اور نہ ان کے لیے مہر مقرر کیا ہو طلاق دیدو، اور ان کو کچھ برتنے کو دیدو، مقدور والے پر اس کے لائق اور تنگدست پر اس کے لائق حسب دستور کچھ برتنے کی چیز، یہ واجب ہے خوش معاملہ لوگوں پر۔

—— اور اگر تم نے عورتوں کو بے چھوئے طلاق دیدی اور ان کے لیے کچھ مہر مقرر کر چکے تھے تو جتنا مہر مقرر ہوا تھا اس کا آدھا واجب ہے سوائے اس کے کہ یا تو وہ عورتیں خود معاف کر دیں یا دہ زیادہ دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے (یعنی شوہر)۔ اور اے مردو! تمہارا زیادہ دینا ہی پرہیز گاری سے نزدیک تر ہے، اور آپس میں ایک دوسرے پر احسان کو بھلا نہ دو، بے شک اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔ (۲۳۶-۲۳۷، ۲)

ساتھ شادیاں کر لیتے اور پھر اپنے اپنے جھگڑے لئے آپؐ کی بارگاہ میں دہائی دیتے۔ آپؐ ان کے مسائل کو سلجھاتے اور راتوں کو بارگاہ الوہیت میں دکھی انسانیت کی نجات کے لئے دعائیں مانگا کرتے تھے۔ یہی شب و روز رہے ہوں گے کہ درج بالا آیاتِ ربانی کا نزول ہوا اور عورتوں کے حقوق کا تحفظ کرتے ہوئے احکاماتِ الٰہی نافذ کر دیئے گئے جو بہ اختصار درج ذیل ہیں۔

۱۔ مسلمان کنیز کے ساتھ نکاح کرنا بہتر ہے بمقابلہ مشرک کے خواہ وہ اپنے حسن و جمال اور دولت و ثروت کی بنا پر پسندہی کیوں نہ ہو۔ یہی حکم مرد سے متعلق عورتوں کے لئے ہوا۔

۲۔ حائضہ عورت بذاتِ خود غلاظت نہیں وہ صرف حالتِ گندگی میں ہے۔ صرف قربت کو منع کیا گیا۔ ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے وغیرہ پر کوئی پابندی نہیں۔

۳۔ بیوی کو کھیتی سے تشبیہ دے کر اس دائمی محبت کا اظہار کیا گیا جو ایک کسان کو اپنی دھرتی سے ہوا کرتی ہے۔ اور با الفاظِ دگر بتا دیا گیا کہ بیوی سامانِ تعیش نہیں بلکہ تمہاری محبت اور افزائشِ نسل کا ذریعہ ہے۔

(اے لوگو!) حفاظت کرو سب نمازوں کی اور (خاص طور پر) درمیانی نماز کی اور اللہ کے حضور کھڑے ہو ادب سے، لیکن اگر تم خوف (کی حالت) میں ہو تو پیادہ یا سوار جیسے بن پڑے (نماز ادا کرو) پھر جب تم امن میں ہو تو اللہ کو یاد کرو جس طرح کہ اس نے سکھایا ہے جس کو تم جانتے بھی نہ تھے۔ (۲/۲۳۹-۲۳۸)

۴۔ بحالتِ غصہ عورت سے علیحدگی کی قسم کو منع کیا گیا ہے۔ اور اگر کوئی ایسی غلطی کر ہی بیٹھے تو اس کو چار ماہ کی مہلت دی گئی جس کے دوران غلطی کا احساس ہو جانے کی صورت میں رجوع کر سکتا ہے۔

۵۔ مطلقہ عورت کو تین حیض تک عدت کرنے کے لئے کہا گیا تاکہ ممکنہ حمل ظاہر ہو جائے۔ اس طرح عورت کا ممکنہ بہتان سے تحفظ بھی ہوا اور ہونے والے بچے کے نسب کا تعین بھی۔ علاوہ ازیں رجعت کی بھی گنجائش رکھی گئی جس میں مرد سے زیادہ عورت کا مفاد محفوظ ہے۔

۶۔ عورتوں کے مردوں پر وہی حقوق ہیں جو مردوں کے عورتوں پر ہیں علاوہ اس تدریجی فضیلت کے جو مردوں کو حاصل ہے۔

۷۔ طلاق کو صرف ایک بار کہہ دینے سے قطعی نہیں کہا گیا بلکہ دو بار تک رجعت کی اجازت دی گئی لیکن تیسری بار کہنے یا خاموش رہنے سے طلاق کو قطعی قرار دیا گیا۔

۸۔ مطلقہ عورت سے دیئے گئے مال کو واپس لینے سے منع کر دیا گیا سوائے اس مال کے جو عورت بصورتِ خلع خود ہی واپس کرے۔

۹۔ مطلقہ عورت کو دوبارہ نکاح میں لینے کی ممانعت کر دی گئی تاوقتیکہ وہ عورت کسی دوسرے شخص کے نکاح میں جا کر پھر مطلقہ نہ ہو گئی ہو۔ اس شرط میں ان مردوں کے لئے تنبیہ اور سرزنش ہے جو غصہ میں یا انتقاماً عورت کے ساتھ ظلم کے مرتکب ہوتے ہیں اور عورت کا تحفظ کہ اگر اس کی دوسرے شوہر سے بھی نہ نبھی ہو اور اس کا پہلا شوہر رجوع

اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ اپنی عورتوں کے لیے وصیت کریں سال بھر تک نان و نفقہ دیے جانے کی بے نکالے ہوئے، لیکن اگر خود ہی نکل جائیں تو اس باب میں تم پر کوئی گناہ نہیں جو کچھ انہوں نے اپنے معاملے میں مناسب طور پر کیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (۲/۲۴۰)

کرنے پر رضامند ہو تو وہ در بدر بھٹکنے کے بجائے پہلے شوہر کی زوجیت میں دوبارہ آجائے پہلے شوہر کے لیے یہ سزا کافی ہے کہ اس کے غلط اقدام کی وجہ سے اس کی بیوی دوسرے کی زوجیت میں رہی۔

۱۰۔ مطلقہ عورت کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا اور اگر وہ بے سہارا ہے تو طلاق کے باوجود اس کو عزت کے ساتھ رکھنے کی تاکید کی گئی بصورتِ دیگر بعد طلاق اس کو عزت کے ساتھ رخصت کر دینے کا حکم ہوا۔ تکلیف، ایذا رسانی یا بے حرمتی کو بہر طور ناجائز قرار دیا گیا۔

۱۱۔ مطلقہ عورت کو اجازت دی گئی کہ وہ عدت کی مدت گذر جانے کے بعد اپنی مرضی کے مطابق نکاح کر سکتی ہے۔

۱۲۔ عورت بحیثیت ماں دودھ پلانے کی دو سال تک مجاز ہے، وہ دوسری عورت یعنی انّا کے ذریعہ بھی دودھ پلوا سکتی ہے جس کے لیے حکم ہے کہ اس کو معاوضہ دیا جائے۔

۱۳۔ بیوہ ہو جانے کی صورت میں عدت کی میعاد چار ماہ اور دس یوم مقرر ہے جس کے ذریعہ عورت کی حرمت اور ہونے والے بچے کے نسب کا تحفظ مقصود ہے۔

۱۴۔ مرد کو اجازت نہیں کہ وہ دورانِ عدّت کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے۔

۱۵۔ کسی عورت کو اگر بغیر ہاتھ لگائے طلاق دیدی گئی ہو اور اس کا مہر بھی مقرر نہ کیا گیا ہو تو ایسی صورت میں بھی مرد کو حکم ہے کہ وہ اس مطلقہ عورت کو حسبِ حیثیت کچھ ادا کر دے۔

— اور طلاق والیوں کے لئے بھی مناسب طور پر نان نفقہ ہے،
(اور) یہ واجب ہے اللہ سے ڈرنے والوں پر۔ (۲|۲۴۱)

۱۶۔ اور اگر کسی عورت کو جس کا مہر تو مقرر کر دیا گیا ہو لیکن بغیر ہاتھ لگائے طلاق دیدی گئی ہو تو اس کے لئے مرد کو حکم ہے کہ نصف ادا کرے۔ لیکن ترغیب اس امر کی دی گئی ہے کہ وہ مہر کی پوری رقم ہی ادا کر دے تو بھلائی کا کام ہے۔

۱۷۔ عورت کے حقوق اور اس کی خود مختاری کا تحفظ کرتے ہوئے مردوں کے لئے یہ بھی حکم ہوا کہ اگر وہ اپنی موت کو قریب سمجھیں تو وصیت کر جائیں کہ اُن کے بعد ان کی بیواؤں کو ایک سال تک نان و نفقہ دیا جائے اور گھر سے نہ نکالی جائیں اگر وہ خود ہی چلی جائیں اور اپنے مستقبل کے لئے قاعدے کے مطابق کوئی بھی فیصلہ کریں تو اس کی ذمہ داری مرنے والے یا اس کے ورثا پر نہیں ہوگی۔

یہ تھے وہ صحت مند اور منصفانہ احکاماتِ ربانی کہ جن کے نافذ ہوتے ہی اس رجعت پسند اور فرسودہ معاشرہ میں انقلاب آگیا۔ صدیوں کی کچلی ہوئی عورت، مرد کے شانہ بشانہ نظر آنے لگی۔ ان ہی دنوں کا واقعہ ہے کہ ایک دن محسنِ انسانیت فخرِ آدم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح فجر کی نماز کے لئے اندھیرے میں اپنے حجرۂ اقدس سے باہر تشریف لائے تو دیکھا ایک خاتون کھڑی ہیں۔ آپؐ نے دریافت فرمایا۔ "کون ہے"؟ خاتون بولیں۔ "میں جلیبہ بنتِ سہیل ہوں" آپؐ نے پھر دریافت کیا۔ "صبح سویرے آنے کی کیا وجہ ہے۔" انہوں نے عرض کیا۔ "حضور میں ثابت بن قیس کے گھر میں نہیں رہ سکتی" رات کو دونوں میاں بیوی میں جھگڑا ہوا تھا اور ثابت بن قیس نے ان کو مارا پیٹا تھا۔ واقعہ بیان کرتے ہوئے کہنے لگیں وہ حضور یادہ نہیں یا میں نہیں" غصہ میں بہت زیادہ بھری ہوئی تھیں۔ حضور نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت خاموشی اختیار کی۔ جب حضرت ثابت بھی آگئے تو آپؐ نے ان سے کہا۔

—— (اے لوگو!) اللہ اسی طرح کھول کر اپنے احکام بیان کرتا ہے شاید کہ تم سمجھو۔ (۲۴۲/۲)

"تمہاری زوجہ کچھ کہہ رہی ہیں۔" حضرت حبیبہ کہنے لگیں۔ "حضور میرے شوہر نے جو کچھ مجھے دیا ہے وہ سب کچھ میرے پاس ہے اور میں اسے واپس کرنے کے لئے تیار ہوں۔" المختصر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بموجب حضرت ثابت، اپنا مال واپس لینے پر رضامند ہوگئے اور حضرت حبیبہؓ آزاد ہو گئیں۔

(بحوالہ صحیح مسلم، بخاری، موطا امام مالک، ابن کثیر)

آپؐ کی کاوشیں بار آور ہو رہی تھیں

ہادی برحق نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم تو کوشش کر رہے تھے کہ امن و سلامتی کی ایک، ایسی فضا قائم ہو جائے جہاں محبت پروان چڑھے اور نفرت و غیریت کی دیواریں مسمار ہو جائیں لیکن مکہ سے آنے والی خبریں مشرکین قریش کی جارحیت کا پتہ دے رہی تھیں۔ مدینہ کی چراگاہ پر کرز کا حملہ بھی تو مشرکین کی جارحیت کا مظہر تھا۔ اگر آپؐ، نے بھی جارحیت کا سہارا لیتے ہوئے جوابی کارروائی کی ہوتی تو امن و سلامتی کی فضا قصۂ پارینہ بن کر رہ جاتی۔ آئے دن آپؐ کو یہ خبریں بھی ملتی رہتی تھیں کہ مشرکین مکہ کے نمائندے قبائل میں جا جا کر طرح طرح کی بدگمانیاں پھیلا رہے ہیں۔ ان حالات میں مسلمانوں کے درمیان بھی چہ میگوئیاں ہونے لگیں تھیں۔ گو صحابہ کرام میں ایسے حضرات کی کمی نہ تھی جو کہ راہِ حق میں سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار رہتے تھے لیکن ایسے بھی کچھ لوگ تھے جو جنگ کے لئے اپنے کو تیار نہ پاتے تھے۔ سب سے زیادہ تشویش ناک رویہ یہود مدینہ اور منافقین کا تھا جو افواہوں کے ذریعہ مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنا چاہتے تھے تاکہ مسلمانوں کی حوصلہ شکنی ہو کچھ یہی شب و روز رہے ہوں گے کہ درج بالا آیاتِ ربانی کا نزول ہوا جن کے ذریعہ راہِ حق پر چلنے والوں کی حوصلہ افزائی کی گئی۔ اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرنے کی ترغیب

— کیا تم نے نہ دیکھا تھا ان لوگوں کو جو اپنے گھروں سے نکل گئے تھے موت سے بچنے کے لئے اور وہ ہزاروں ہی تھے، تو اللہ نے ان سے کہا کہ مرجاؤ، پھر اس نے انہیں زندہ کر دیا۔ بے شک اللہ لوگوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے مگر اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔

— اور (اے لوگو!) لڑو اللہ کی راہ میں اور جان لو کہ اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

— ہے کوئی جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے، تو اللہ اسے بڑھا کر اس کے کے لئے کئی گنا (زیادہ) کر دیگا، اور اللہ ہی تنگی کرتا ہے اور فراخی بھی کرتا ہے، اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

— کیا تم نے نہ دیکھا کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو جس نے موسیٰ کے بعد اپنے ایک نبی سے کہا "ہمارے لئے ایک امیر مقرر کر دیجئے کہ ہم راہِ خدا میں لڑیں"، (نبی نے) کہا کہیں ایسا تو نہیں کہ تم پر جہاد فرض کر دیا جائے تو تم پھر (جہاد) نہ کرو۔ وہ بولے "بھلا ہمارے لئے کونسا ایسا سبب ہو سکتا ہے کہ ہم راہِ خدا میں نہ لڑیں جب کہ ہم نکالے جا چکے ہیں اپنے گھروں سے اور اپنے فرزندوں سے"، لیکن جب ان پر جہاد فرض کر دیا گیا تو منہ پھیر گئے سوائے ایک قلیل تعداد کے، اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو۔ (۲/۲۴۳-۲۴۶)

دی گئی اور اس راہ کے نشیب و فراز سے آگاہ کیا گیا۔

ان آیات کا نزول حق سبحانہٗ تعالیٰ کی طرف سے درحقیقت ایک اشارۂ غیبی تھا کہ جس کے پاتے ہی آپؐ نے لوگوں میں جذبۂ ایثار اور جہاد کی ایک نئی روح پھونکدی۔

موت کا خوف اچھے سے اچھے جیالے مردوں کو بزدل بنا دیا کرتا ہے لیکن

— اور ان لوگوں سے ان کے نبی نے کہا۔ "اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ مقرر کر دیا ہے" وہ بولے "اسے ہمارے اوپر کیسے بادشاہی حاصل ہو سکتی ہے حالانکہ ہم اس سے بڑھ کر ملک کے مستحق ہیں، اور اسے تو مال میں بھی وسعت نہیں دی گئی ہے۔" نبی نے کہا "اسے اللہ نے تمہارے مقابلے میں منتخب کر لیا ہے اور اسے علم وجسم دونوں میں کشادگی زیادہ دی ہے۔ اور اللہ اپنا ملک جسے چاہتا ہے دیتا ہے، اور اللہ بڑا وسعت والا اور علم والا ہے۔ (۲/۲۴۷)

جن قلوب میں موت کا خوف نہیں ہوتا وہ طوفانوں کا رخ موڑ دیا کرتے ہیں۔ اور یہی وقت کا تقاضہ تھا کہ مدینہ کے مٹھی بھر مسلمان موت کے خوف سے نڈر ہو کر مستقبل میں اٹھنے والے طوفانوں پر غالب آجائیں۔ آیت نمبر ۲۴۳ میں ایک ایسی بستی کے لوگوں کا ذکر کیا گیا جو موت کے خوف سے اپنے اپنے گھروں سے نکل بھاگے تھے لیکن لیکن موت نے انہیں جا پکڑا۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ یہ لوگ علاقہ واسط کی ایک بستی ذاوردان کے رہنے والے تھے جہاں طاعون کی وبا پھیلی تو یہ لوگ موت کے ڈر سے اپنے اپنے گھر بار چھوڑ کر دوسری بستی میں منتقل ہو گئے لیکن وہاں بھی موت کے چنگل سے نہ بچ سکے اور سب لقمۂ اجل بن گئے۔ ان کی تعداد چار ہزار بتائی جاتی ہے بعض روایات میں آٹھ اور دس ہزار بھی بتائی گئی ہے۔

ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن حکیم کی بیان کردہ اس مثال کی وضاحت فرماتے ہوئے مسلمانوں کو بار بار تلقین فرمائی کہ وہ موت سے نہ ڈریں۔ اگر موت کو آنا ہی ہے تو وہ ہر وقت اور ہر جگہ آسکتی ہے۔ صحیح مومن وہی ہوتا ہے جو موت کے لئے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔ ایک مقام پر ارشاد ہوا۔ "موت اور رزق دونوں قسمت میں مقرر ہو چکے ہیں، رزق نہ بڑھے اور نہ گھٹے اسی طرح موت نہ پہلے آئے اور نہ پیچھے وہ اپنے وقت پر ہی آتی ہے۔"

۔۔۔ اور ان سے ان کے نبی نے کہا اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق (تابوتِ سکینہ از خود) آجائے گا جس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے دلوں کا چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں جنہیں آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون چھوڑ گئے ہیں اسے فرشتے لے آئیں گے، بے شک اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لئے اگر ایمان والے ہو۔ (۲۴۸/۲)

جس طرح آپؐ نے لوگوں کو راہِ خدا میں جہاد کرنے اور موت سے نہ ڈرنے کی تلقین فرمائی اسی طرح آپؐ نے لوگوں کو راہِ خدا میں اپنا مال خرچ کرنے کی بھی دعوت دی۔ ایک مرتبہ آپؐ آیت نمبر ۲۴۴ اور ۲۴۵ کی وضاحت فرماتے ہوئے لوگوں کو تلقین فرما رہے تھے کہ اے لوگو! اللہ تعالٰے کو قرضِ حسنہ دو ۔ حضرت ابوالدحداحؓ قریب ہی بیٹھے تھے کہنے لگے ۔ "یا رسول اللہؐ! کیا اللہ تعالٰے ہم سے قرض طلب فرماتا ہے ۔؟" آپؐ نے فرمایا ۔ "ہاں" انہوں نے کہا ۔ "ہاتھ بڑھایئے" اور پھر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہنے لگے ۔ "میں نے اپنا کھجوروں کا باغ جس میں چھ سو پودے ہیں اللہ کو قرض دیا ۔"

اللہ اکبر! یہ تھا قرآنی تعلیمات اور آپؐ کی کاوشوں کا اثر کہ لوگ راہِ خدا میں اپنی جانیں اور اپنے اموال دینے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتے تھے ۔ مکہ سے آنے والی جارحیت سے پُر خبروں نے ان کے حوصلے پست نہیں کئے تھے بلکہ ایک نیا جذبہ اور نیا ولولہ بیدار کر دیا تھا۔ صحابہ کرام میں سے اکثر رات کو ہتھیار بند سوتے تھے کہ دشمن اگر رات کو حملہ آور ہو جائے تو وہ راہِ حق میں اپنی جانیں قربان کر سکیں۔

درج بالا آیات ۲۴۶ تا ۲۵۲ میں یہودیوں کی تاریخ کے ایک اہم واقعہ کا تذکرہ کیا گیا جس کے مطابق یہودیوں نے حضرت موسیٰؑ کے بعد اپنے ایک نبی

— پھر جب طالوت لشکروں کو لے کر شہر سے جدا ہوا تو بولا "اللہ تمہارا امتحان ایک دریا کے ذریعے سے لینا چاہتا ہے، سو جو کوئی اس میں سے پانی پی لے گا وہ میرا نہیں ہے، اور جو کوئی اسے نہ چکھے سو وہی میرا ہے۔ مگر ہاں جو کوئی اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے (تو کوئی برائی نہیں)۔ مگر ان سب نے اس سے پانی پی لیا سوائے چند آدمیوں کے، پھر جب طالوت اور مومنین بھی ان کے ساتھ دریا سے اُتر گئے تو وہ کہنے لگے "آج تو ہم میں طاقت نہیں جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کرنے کی۔ اور وہ لوگ کہ جنہیں یقین تھا کہ اللہ کے رو برو (ایک دن) پیش ہوں گے۔ بولے "بارہا چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب آگئی ہیں اور اللہ تو صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔" (۲/۲۴۹)

سے اللہ کی راہ میں لڑنے کا وعدہ کیا تھا لیکن جب وقت آیا تو چند کے سوا باقی تمام لوگ پشت دکھا گئے۔

یہ واقعہ حضرت موسیٰؑ کے تقریباً تین صدی بعد اور حضرت عیسیٰ سے تقریباً ایک صدی قبل ہوا تھا۔ ان دنوں یہودی انتہائی پستی اور ذلت کی زندگی سے گذر رہے تھے۔ حضرت موسیٰؑ کی تعلیمات کو فراموش کر چکے تھے۔ دنیوی آلائشوں میں گرفتار تھے۔ دشمنوں کا ہر طرف سے غلبہ تھا۔ عمالقہ قوم والے جو مذہباً مشرک تھے اُن کے لئے بلائے جان بنے ہوئے تھے۔ فلسطین کے بیشتر علاقوں پر وہ قابض ہو چکے تھے اور آئے دن ان کی دست درازیاں جاری تھیں۔ اُن دنوں حضرت شموئیل (زمانہ ۱۱۰۰ ق م تا ۱۰۲۰ ق م)، یہودیوں کے درمیان اللہ کے نبی بھی تھے اور ان کے بادشاہ بھی۔ کافی بوڑھے ہو چکے تھے۔ ان کے بیٹے دیگر یہودیوں کی طرح دنیا پرست اور یہودی تعلیمات سے دور تھے۔ اُن میں حالات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت بھی نہ تھی۔ لہٰذا ایک روز

۔۔۔ اور جب وہ (بنی اسرائیل) جالوت اور اس کی فوجوں کے مقابل آئے تو عرض کرنے لگے۔ "اے ہمارے پروردگار! ہمارے اوپر صبر انڈیل دے اور ہمارے پاؤں جمائے رکھ اور ہماری مدد فرما کافر لوگوں پر۔" (۲/۲۵۰)

یہودیوں کے بڑے بڑے سردار جمع ہو کر حضرت شموئیل کے پاس گئے اور ان سے درخواست کی کہ وہ ان کے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیں۔ المختصر حضرت شموئیل نے قبیلہ بن یمین کے ایک تیس سالہ نوجوان طالوت کو جس کا نام بائبل میں ساؤل لکھا گیا ہے یہودیوں کی بادشاہت کے لئے مقرر کر دیا۔ یہ شخص انتہائی حسین اور قد آور تھا کہ لوگ اس کے شانوں تک آتے تھے ایک غریب گھرانے کا فرد تھا۔ اپنے باپ کے کھوئے ہوئے گدھے تلاش کرنے نکلا تھا کہ بادشاہت کے لئے منتخب کر لیا گیا۔ اس کی بادشاہی کا اعلان ہوا تو یہودیوں نے اعتراض کیا کہ یہ تو معمولی گھرانے کا آدمی ہے اس سے تو بہتر ان کے سردار ہیں۔ اور پھر انہوں نے اپنے نبی سے کہا کہ اس کا کیا ثبوت ہے کہ تو نے اس کو اللہ کی رضا سے ہمارا بادشاہ مقرر کیا ہے۔ حضرت شموئیل نے جواب دیا کہ اس کا یہ ثبوت ہے کہ تم لوگوں کو اس کے ذریعہ تابوت سکینہ مل جائے گا۔ تابوتِ سکینہ اس صندوق کو کہتے تھے جس میں آلِ موسیٰ اور آلِ ہارون کے چھوڑے ہوئے تبرکات رکھے تھے جن میں پتھر کی تختیاں، ایک بوتل میں بھرا ہوا "من" اور حضرت موسیٰؑ کا عصا بھی رکھے تھے۔ یہ صندوق بھی یہودیوں سے فلسطی مشرک چھین کر لے گئے تھے جس کی بنا پر یہود پریشان اور غمگین تھے۔

قصہ مختصر مذکورہ بالا حالات کے تحت طالوت یہودیوں کا بادشاہ بن گیا اور پھر وہ واقعہ پیش آیا جس کا اشارہ درج بالا آیات ربانی میں ہے۔

طالوت یہودیوں کا لشکر لے کر ان کے دشمن جالوت کے مقابلے کے لئے روانہ ہوا۔ دشمن طاقتور تھا اور یہودیوں کا لشکر کم ہمت اور ناقابلِ اعتبار۔ جب طالوت

۔۔۔ پھر انہوں نے ان (کافروں) کو شکست دے دی اللہ کے حکم سے اور قتل کر ڈالا داؤد نے جالوت کو، اور اللہ نے داؤد کو بادشاہت اور دانائی عطا کی اور جو کچھ چاہا انہیں سکھایا۔ اور اگر اللہ (اسی طرح) بعض لوگوں کو بعض لوگوں کے ذریعہ دفع نہ کرتا رہتا تو (ہر جگہ) زمین پر فساد برپا ہو جاتا۔ لیکن اللہ تو سارے جہان پر فضل کرنے والا ہے۔
۔۔۔ یہ اللہ کی آیات ہیں، ہم انہیں آپ کو ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں، اور آپ بے شک رسولوں میں سے ہیں۔ (۲/۲۵۲-۲۵۱)

اپنی فوج کو لے کر دریائے اردن سے گذرا تو اس نے اپنی فوج کو آزمانے کے لئے کہ وہ اس کے حکم پر ثابت قدم ہیں یا نہیں کہا کہ وہ سب دریا سے بغیر پانی پئے گذر جائیں اور اگر کوئی پینا ہی چاہے تو ایک آدھ چلو پانی پی لے۔ لیکن سوائے چند لوگوں کے کسی نے اس کا حکم نہ مانا۔ اسی طرح جب طالوت اور جالوت کا مقابلہ ہوا اور یہودیوں کے دشمن جالوت (جولیت) نے آگے نکل کر یہودیوں کو دعوتِ مبارزت دی تو یہودیوں میں سے ان کا ایک بھی جوان اس کے مقابل آنے کی ہمت نہ کر سکا۔ حضرت داؤدؑ نوعمر تھے اور طالوت کی فوج میں نئے نئے شامل ہوئے تھے یہودیوں کی بزدلی دیکھ کر خود ہی جالوت کے مقابلے کے لئے اس کے مقابل پہنچ گئے۔ اللہ نے انہیں جالوت پر غالب کر دیا۔ حضرت داؤدؑ کی جوانمردی اور شجاعت سے خوش ہو کر طالوت نے اپنی بیٹی کی شادی ان کے ساتھ کر دی اور پھر وہی یہودیوں کے فرمانروا بنے، جس کا اشارہ آیت ۲۵۱ میں ہے کہ اللہ نے داؤدؑ کو بادشاہت اور دانائی عطا کی۔

حضور ہادی مرسل نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم تو واقفِ سرِّ الٰہی تھے، آپؐ منشائے ربانی کو بھی سمجھتے تھے اور آیاتِ قرآن کی غایت کو بھی لہٰذا درج بالا قصہ میں جو نکات باری تعالےٰ نے بیان فرمائے تھے ان کی وضاحت کرتے ہوئے آپؐ نے مسلمانوں کو راہِ خدا میں جہاد کرنے اور مستقل مزاجی سے راہِ حق پر قائم رہنے کی تلقین فرمائی۔

—— ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دے رکھی ہے۔ ان میں وہ بھی ہیں جن سے اللہ نے کلام فرمایا، اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا، اور ہم نے عیسیٰؑ ابن مریم کو کھلی نشانیاں دیں، اور ہم نے ان کی تائید روح القدس (جبرئیلؑ) کے ذریعے سے کی، اور اللہ چاہتا تو ان کے بعد والے آپس میں نہ لڑتے بعد اس کے کہ ان کے پاس کھلی نشانیاں آچکی تھیں۔ لیکن (لوگ) آپس میں جھگڑے، کوئی تو ان میں سے ایمان لے آیا اور کوئی ان میں کفر ہی کرتا رہا، اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں خونریزی نہ کرتے۔ لیکن اللہ وہی کرتا ہے جو ارادہ کر لیتا ہے۔ (۲۵۳|۲)

یہ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی کاوشوں کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کے قلوب جذبۂ ایثار سے سرشار ہو گئے۔ مومنین کے لئے موت اب موت نہ رہی جام شہادت بن گئی۔

(بحوالہ ابنِ کثیر، بخاری، مسلم، تورات)

آپؐ کی انکساری اور نبیوں کی فضیلت

یہودیوں کی اصلاح اور رہنمائی کے لئے حق سبحانہ تعالیٰ نے یکے بعد دیگرے کئی انبیاء علیہم السلام بھیجے۔ ان ظالموں نے نہ صرف ان کی زبردست مخالفت کی بلکہ انہیں قتل کرنے سے بھی باز نہ آئے۔ درحقیقت حضرت عیسیٰؑ کی بعثت بھی یہود کے درمیان ہوئی تھی اور یہی ظالم انہیں صلیب تک لے گئے تھے۔ ان تمام باتوں کے باوجود انہیں بے جا نسبی تفاخر تھا۔ اپنے نبیوں کو سب سے افضل گردانتے تھے اور خود کو جہنم کی آگ سے مستثنیٰ کہتے تھے۔ اس کے برعکس ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم میں حد درجہ انکساری تھی اور یہی درس آپؐ مومنین کو دیا کرتے تھے۔ آپؐ نے خود کو اللہ کا نبی اور رسول تو برملا کہا اور لوگوں کو دعوت بھی دی کہ وہ آپؐ کی رسالت پر ایمان لے آئیں چونکہ یہی حکمِ ربی تھا لیکن کسی مقام پر بھی اپنی فضیلت کا اظہار نہ کیا۔

— اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اسی میں سے خرچ کرو (اللہ کی راہ میں) وہ دن آنے سے پہلے جس میں نہ تجارت کام آئے گی اور نہ دوستی اور نہ سفارش، اور کافر تو خود ہی ظالم ہیں۔
(۲/۲۵۴)

یہودیوں کے بیجا نسبی تفاخر اور خودستائی نے مدینہ کی فضا کو مکدّر کر دیا تھا۔ باشعور اور سمجھ دار مسلمان تو ان کی باتوں کو نظر انداز کر جاتے تھے لیکن عام مسلمان کبھی کبھار یہودیوں کی ان حرکات پر مشتعل بھی ہو جایا کرتے تھے۔ ان ہی دنوں کا واقعہ ہے کہ دوران گفتگو ایک یہودی نے ایک مسلمان سے کہا۔ "قسم ہے اس خدا تعالےٰ کی جس نے موسیٰؑ کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔" مسلمان یہ کلمات سنکر مشتعل ہو گیا اور یہودی کے تھپیڑ مار کر کہنے لگا۔ "خبیث! کیا وہ ہمارے نبیؐ سے بھی افضل ہیں؟" اس وقت تو بات رفع دفع ہو گئی بعد میں وہی یہودی بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلّم میں حاضر ہوا اور اس مسلمان کی شکایت کی۔ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر دو فریق کی بات سُنی۔ ان حالات میں آپؐ کے لئے نہ تو یہ ممکن تھا کہ اپنی فضیلت بیان فرماتے اور نہ ہی یہ بات ممکن تھی کہ حضرت موسیٰؑ کی اس فضیلت کو تسلیم کرتے جو یہودی نے بیان کی تھی لہٰذا آپؐ نے اپنی مخصوص انکساری کے ساتھ ارشاد فرمایا۔ "مجھے نبیوں پر فضیلت نہ دو۔ روزِ قیامت سب بے ہوش ہوں گے تو سب سے پہلے میں ہی ہوش میں آؤں گا، اور دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰؑ اللہ جلّ شانہٗ کے عرش کا پایہ تھامے ہوئے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ وہ مجھ سے قبل ہوش میں آ گئے ہوں گے یا طور کی بے ہوشی کے بدلے قیامت کی بے ہوشی سے بچا دیئے گئے ہوں گے۔ پس مجھے نبیوں پر فضیلت نہ دو۔"

دانائے سبل مولائے کل ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلّم کے ان الفاظ میں نہ صرف انتہائی انکساری کے ساتھ عام لوگوں کو تلقین ہے کہ وہ فضیلت کی گفتگو سے پرہیز کریں بلکہ اس فضیلت کا اظہار بھی عیاں ہے جو حق تعالیٰ نے بعض نبیوں کو بعض نبیوں پر عطا کی ہے اور جس کا اشارہ درج بالا آیت نمبر ۲۵۳ میں کیا گیا ہے کہ "ان میں وہ بھی

اللہ (وہ) ہے کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ ہے اور سب کو قائم رکھنے والا ہے، اسے نہ اونگھ آئے نہ نیند، اسی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں، کون ہے ایسا جو اس کے پاس سفارش کر سکے بغیر اس کی اجازت کے۔ وہ جانتا ہے مخلوقات کے تمام حاضر اور غائب حالات کو اور وہ (مخلوق) اس کی معلومات میں سے کسی چیز کو بھی اپنے احاطۂ (علم) میں نہیں لے سکتے سوائے اس کے کہ جس قدر (علم) وہ خود (ہی دینا) چاہے، اس کی کرسی (حکومت) میں سمائے ہوئے ہیں آسمان اور زمین، اور اس پر نگہبانی ذرا بھی بھاری نہیں اور وہی ہے عالی اور عظیم شان والا۔ (۲|۲۵۵)

ہیں جن سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا..."

حضرت موسیٰؑ کو شرفِ کلام طُور پر عطا ہوا تھا جبکہ وہ انوارِ الٰہی کی تاب نہ لاتے ہوئے بیہوش ہو گئے تھے اور احمد مختار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شبِ معراج شرفِ ہم کلامی عطا ہوا جس کی یادگار تشہد (التحیات للہ والصلوات) ہے کہ جس کا پڑھنا نماز کے دونوں قعدوں میں واجب ہے۔ اور شبِ معراج ہی آپؐ نے مسجدِ اقصیٰ میں تمام انبیاء کی امامت فرمائی تھی۔

درحقیقت کسی کے مقام کا تعین تو وہی کر سکتا ہے جو اس مقام سے واقف ہو یا اس سے بڑا مقام رکھتا ہو یا خود مقام عطا کرنے والا ہو۔ لہٰذا مقامِ نبوت کے متعلق یا تو انبیاء علیہم السلام میں سے کوئی ایک دوسرے کے مقام کے متعلق کہہ سکتا ہے یا خود حق سبحانہ تعالیٰ کہ وہی مقامِ نبوت عطا کرنے والا ہے۔ اسی لئے ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو منع فرمایا کہ وہ نبیوں کی فضیلت کے موضوع پر خیال آرائی نہ کریں بلکہ اللہ تعالیٰ کو حقیقی طور پر سمجھیں اور اس کی رضا کے لئے اس کی راہ میں خرچ کرتے رہیں کہ آخرت میں یہی کام آنے والی چیز ہے۔ (بحوالہ ابنِ کثیر)

— کوئی زبردستی نہیں دین میں، بے شک خوب ممتاز ہو چکی ہے نیک راہ گمراہی سے، تو جو کوئی طاغوت (شیطانی طاقت) کو تسلیم کرنے سے انکار کرے اور اللہ پر ایمان لے آئے تو اس نے ایک بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا جس کے لئے کوئی شکستگی نہیں اور اللہ تو خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔ (۲۵۶/۲)

وحدانیت کا تصور اور آپ کی وضاحت

معاشرہ میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرتِ کاملہ کا تصور جس قدر واضح اور ہمہ گیر ہوتا ہے اسی قدر وہ معاشرہ انسانی عظمت کا علمبردار اور عدل و مساوات کا آئینہ دار ہوا کرتا ہے۔ چونکہ معاشرہ کی ترقی اور انسانیت کی سربلندی کے لئے ضروری ہے کہ لوگوں کے قلوب میں جہاں اللہ تعالیٰ کا ڈر ہو وہاں اس کی محبت اس کی رضا حاصل کرنے کی جستجو اور تڑپ بھی ہو۔ مالکِ حقیقی کا ڈر بندے کو غلط کاموں سے روکتا ہے اور اس کی محبت اور جستجو کارِ خیر کی طرف مائل کرتی ہے اور یہی ہادیٔ برحق رحمتِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن تھا اور اسی کے حصول کی طرف آپ کی کاوشیں تھیں۔ مکہ میں رہتے ہوئے واسطہ تھا مشرکین سے جو بُت پرست تھے لیکن مدینہ میں یہودی آپ کی مخالفت پر آمادہ ہو رہے تھے جو بزعمِ خود توحید کے علمبردار اور حضرت ابراہیمؑ کے دین کا پیرو ہونے کا دم بھرتے تھے۔ حالانکہ ان کے اعمال اور ان کے خود ساختہ اعتقادات ان کے دعوئ توحید کی نفی کر رہے تھے۔ حضرت عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے اور یہ بھی عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمانوں کو چھ دنوں میں بنایا اور ساتویں دن اسے سستانے اور آرام کرنے کی ضرورت ہوئی۔ حالانکہ آرام کرنے اور سستانے کی ضرورت مخلوق کی صفت ہے خالق کی نہیں۔ خالقِ حقیقی کو نہ تو نیند آتی ہے اور نہ اُونگھ وہ تو ہمہ وقت اپنی مخلوق پر نظر رکھتا ہے۔

کچھ یہی شب و روز تھے کہ درج بالا آیاتِ ربانی کا نزول ہوا۔ جن میں ایک

۔۔۔۔ اللہ والی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لے آئے، اور (وہی) انہیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ان کے ساتھی شیطان ہیں، جو انہیں روشنی سے نکال کر تاریکی کی طرف لے جاتے ہیں۔ یہی لوگ دوزخ والے ہیں اسی میں ہمیشہ پڑے رہیں گے۔ (۲/۲۵۷)

طرف تو حق سبحانہٗ تعالیٰ کی صفات کاملہ کا اظہار کیا گیا اور دوسری جانب اس کی قدرت کاملہ کی وضاحت کی گئی۔

درج بالا آیت نمبر ۲۵۵ میں حق سبحانہٗ تعالیٰ کا جو واضح اور جامع تصوّر پیش کیا گیا ہے وہ دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملتا۔ اسی لئے حضور اقدس نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر ارشاد فرمایا کہ یہ آیت قرآنِ حکیم کی افضل ترین آیت ہے۔ اس آیۂ مبارکہ کو آیت الکرسی کہا جاتا ہے چونکہ اس میں لفظ کرسی بمعنی حکومت آیا ہے اور جس کے ذریعہ یہ بات واضح کر دی گئی ہے کہ آسمانوں اور دنیا کی ہر چیز اسی کے زیرِ حکومت اور تابع ہے۔ اس جیسا عالی اور عظیم شان والا دوسرا کوئی نہیں ہے۔ وہی انسانوں کو جہالت و گمراہی کی تاریکیوں سے نکال کر حق کی راہوں اور صداقت کی روشنیوں سے آگاہ کرتا ہے۔ اور ان لوگوں کا ولی اور مددگار ہوتا ہے جو اس پر ایمان لے آتے ہیں۔ اس کے برخلاف جو لوگ شیطانی طاقتوں کے آگے جھک جاتے ہیں ان کا ٹھکانا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ پڑے رہیں گے۔

آیات ۲۵۸ تا ۲۶۰ میں حق سبحانہٗ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے اظہار کے لئے تاریخِ انسانیت سے تین اہم واقعات بیان کئے گئے تاکہ لوگ حق و باطل کو سمجھیں۔ ان میں سے دو واقعات کا تعلق حضرت ابراہیمؑ سے ہے اور ایک واقعہ کا تعلق بعض روایات کے مطابق حضرت عزیر سے ہے جو کہ پانچویں صدی قبلِ مسیح میں تھے اور

(اے نبیؐ!) کیا آپ نے اس شخص کے حال پر نظر نہیں کی جس نے ابراہیمؑ سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑا کیا تھا اس سبب سے کہ اللہ نے اسے بادشاہت دے رکھی تھی جبکہ ابراہیم نے اس سے کہا کہ میرا پروردگار تو وہ ہے جو زندگی بخشتا ہے اور موت دیتا ہے۔ وہ بولا" زندگی اور موت تو میں (بھی) دیتا ہوں۔" ابراہیم نے کہا کہ اللہ تو آفتاب کو مشرق سے نکالتا ہے تو اسے مغرب سے نکال کر دکھا۔ اس (بات) پر وہ جو کافر تھا دنگ رہ گیا، اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دکھاتا۔ (۲/۲۵۸)

بعض روایات میں اس واقعہ کا تعلق حضرت یرمیاہ نبیؑ سے متعلق بتایا گیا ہے جو کہ ساتویں صدی قبلِ مسیح میں مبعوث ہوئے تھے۔ ہر صورت ہر دو کا تعلق یہود سے تھا جو ان کی اصلاح کے لئے بھیجے گئے تھے۔

پہلا واقعہ جو کہ آیت نمبر ۲۵۸ میں بیان کیا گیا ہے حضرت ابراہیمؑ کے اس دور کا ہے جب کہ آپ نے دعوتِ توحید کی ابتدا کی تھی۔ ایک دن جبکہ اہلِ شہر کسی میلہ میں شرکت کے لئے مضافات میں گئے ہوئے تھے تو آپ نے بُت خانہ میں جا کر بتوں کو توڑ ڈالا۔ حضرت ابراہیمؑ کے والد نے خود آپ کے خلاف مقدمہ بادشاہ وقت نمرود کے دربار میں پیش کیا۔ نمرود نے جو کہ خود خدائی کا دعویدار تھا حضرت ابراہیمؑ سے سوال کیا "تیرا پروردگار کون ہے۔" آپ نے جواب دیا کہ میرا پروردگار تو وہ ہے جو زندگی بخشتا ہے اور موت دیتا ہے۔" یہ جواب سن کر نمرود نے مذاق اُڑایا اور کہا کہ یہ کام تو میں کرتا ہوں کہ جس کو چاہوں زندہ رکھوں جس کو چاہوں موت دیدوں۔ اسی طرح کی گفتگو جاری تھی کہ حضرت ابراہیم نے کہا کہ اللہ تو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اگر تو بھی خدائی کا دعویدار ہے تو سورج کو مغرب سے نکال کر دکھا۔ نمرود یہ بات سن کر دنگ رہ گیا کہ یہ بات اس کے قبضۂ قدرت سے باہر تھی لیکن وہ تو ظالم تھا اور اللہ تعالےٰ ظلم کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے اور نہ ہدایت دیتا ہے۔ اسی لئے وہ اس دلیل سے

— یا (آپ نے) اس شخص (کے حال پر نظر کی) جو ایک بستی سے گزرا تھا جب کہ وہ اپنی چھتوں کے بل گری پڑی تھی۔ وہ کہنے لگا "اللہ اس آبادی کو اس کی موت کے بعد کیوں کر دوبارہ زندہ کر اٹھائے گا"۔ تو اللہ نے اس شخص کو مردہ رکھا سو برس (تک) پھر زندہ کر دیا۔ پھر پوچھا "تو کتنی مدت اس حالت میں رہا۔ اس نے عرض کیا" دن بھر یا کچھ کم۔" اللہ نے فرمایا "نہیں بلکہ تو سو سال کی مدت تک رہا، اپنے کھانے اور پانی کی طرف دیکھ کہ اب تک وہ سڑا گلا نہیں ہے، اور اپنے گدھے کو دیکھ جس کی ہڈیاں تک سلامت نہ رہیں اور یہ اس لئے (کیا گیا) کہ ہم تجھے نشانی بنائیں لوگوں کے لئے، اور ان (گدھے کی) ہڈیوں کی طرف دیکھ ہم انہیں کس طرح ترتیب دیتے ہیں اور پھر ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔" پھر جب اس پر یہ روشن ہو گیا تو اس نے کہا "میں یقین رکھتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۲/ ۲۵۹)

درس توحید نہ پا سکا ورنہ تو ایمان لانے کے لئے یہی دلیل کافی تھی۔

دوسرا واقعہ حضرت عذیر یا حضرت یرمیاہ نبی سے متعلق ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ قدرت کاملہ حاصل ہے کہ وہ روز قیامت لوگوں کو دوبارہ زندہ کریگا قطع نظر اس بات کے کہ اس واقعہ کا تعلق کس نبی سے ہے قابلِ غور تو اس واقعہ کا ماحصل ہے اور یہی قرآن کی صفت ہے کہ وہ فرد سے تعلق پر زور نہیں دیتا بلکہ گوہرِ مقصود کو پیش کرتا ہے۔ یہ واقعہ جو آیت نمبر ۲۵۹ میں بیان ہوا ہے بعض روایات کے مطابق یروشلم یا بیت المقدس شہر کا ہے جس کو ۵۸۶ ق م میں بابل کے حکمراں بخت نصر نے تباہ و برباد کر ڈالا تھا جس کا تذکرہ مذکورہ آیت میں پیش کیا گیا ہے۔ اس کی حالتِ زار اور اس کے مکینوں کی ہلاکت و بربادی کو دیکھ کر اللہ کے ایک برگزیدہ بندے کے دل میں یہ بات آئی کہ کیوں کر اللہ ان کو دوبارہ زندہ کر اٹھائے گا۔ لہٰذا حق تعالیٰ نے جو دلوں میں پیدا ہونے والے وسوسوں کو بھی جانتا ہے اپنے اس بندے کو اپنی قدرتِ کاملہ کا

— اور (وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے) جب ابراہیم نے عرض کیا۔ "اے میرے پروردگار مجھے دکھا دے کہ تو مُردوں کو کس طرح دوبارہ زندہ کرے گا؟" (اللہ نے) فرمایا "کیا تجھے یقین نہیں؟" عرض کی۔ "یقین تو ضرور ہے لیکن یہ چاہتا ہوں کہ میرے قلب کو (اور) اطمینان ہو جائے" ارشادِ (ربّانی) ہوا۔ "اچھا چار پرندے کر اپنے ساتھ ہلا لو، پھر (انہیں قیمہ کر کے) ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دو، پھر ان کو اپنی طرف بلاؤ تو وہ دوڑتے ہوئے تمہارے پاس چلے آئیں گے اور یقین رکھو کہ اللہ بڑا زبردست بڑا حکمت والا ہے۔ (۲/۲۶۰)

عملی مظاہرہ دکھانے کے لئے موت طاری کر دی اور سو برس بعد جب انہیں دوبارہ زندہ کیا تو وہ گفتگو ہوئی جو درج بالا آیت میں بیان کی گئی ہے۔ چونکہ یہ بندہ نمرود کی طرح ظالم نہ تھا بلکہ اللہ کا ولی اور برگزیدہ تھا لہٰذا اس نے فوراً کہا کہ میں یقین رکھتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ درحقیقت یہ واقعہ اس بندہ پر حق سبحانہٗ تعالےٰ کا ایک انعام تھا کہ اسے دولتِ ایقان سے نوازا گیا اور اس کے ذریعہ دوسروں کو روزِ قیامت دوبارہ زندہ کئے جانے کی حقیقت بتائی گئی۔

تیسرا واقعہ جو آیت نمبر ۲۶۰ میں بیان کیا گیا ہے بہ نفسِ مضمون مذکورہ واقعہ سے مربوط ہے۔ چونکہ یہاں بھی اسی حقیقت کا اظہار ہے۔ یہ واقعہ بھی حضرت ابراہیمؑ کی بعثت کے بعد ابتدائی زمانے کا معلوم ہوتا ہے جب کہ آپ علم الیقین کی منزل سے گذر کر عین الیقین کی طرف آ رہے تھے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے سمندر کے ساحل پر ایک لاش پڑی دیکھی۔ جب سمندر کا پانی چڑھتا تو مچھلیاں اس لاش کو کھاتیں جب پانی اتر جاتا تو درندے کھانے لگتے اور جب درندے چلے جاتے تو پرند کھاتے۔ یہ منظر دیکھ کر آپ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا۔ "پروردگار مجھے یقین ہے کہ تو قیامت کے روز دوبارہ زندہ فرمائے گا اور (انسانی اجزا کو دریائی جانوروں، درندوں

___ جو لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں ان کے مال کی مثال اس دانے کی طرح ہے کہ جس سے سات بالیں اُگیں (اور) ہر ہر بالی کے اندر سو سو دانے ہوں، اور اللہ جسے چاہے بڑھا چڑھا کر دے اور اللہ تعالیٰ بڑا وسعت (دینے) والا بڑا علم والا ہے۔ (۲/۲۶۱)

اور پرندوں کے پوٹوں سے بھی نکال دے گا لیکن میں دوبارہ زندہ کئے جانے کے منظر کو دیکھنے کی آرزو رکھتا ہوں۔" لہٰذا آپ کو بارگاہِ الوہیت سے چار پرندے لینے کا حکم ہوا۔ پھر آپ نے ان چاروں پرندوں کو ذبح کرکے قیمہ کیا اور بحکمِ خداوندی ان کے ٹکڑوں کو خلط ملط کرکے اپنے گرد چار پہاڑوں پر رکھ دیا۔ بعدہٗ حق سبحانہٗ تعالیٰ کے حکم کے بموجب حضرت ابراہیمؑ نے ان پرندوں کو پکارا تو ہر ایک پرندے کے مختلف مقامات پر پڑے ہوئے اجزاء آپس میں مل گئے اور وہ پرندہ زندہ ہو کر آپ کے پاس آ گیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا مظاہرہ حضرت ابراہیمؑ نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

حضور سرورِ کائنات نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ تھا کہ آپؐ ان آیاتِ ربانی کو پڑھ کر لوگوں کو دعوتِ حق دیتے اور انہیں روزِ قیامت دوبارہ زندہ کئے جانے کی خبر دیتے جس دن کہ سب بارگاہِ الوہیت میں حاضر ہو کر اپنے اعمال کی جواب دہی کریں گے۔ اور وضاحت کے لئے مذکورہ واقعات لوگوں کے سامنے بیان فرماتے تاکہ لوگ روزِ قیامت کی حقیقت کو دل سے سمجھ لیں۔

(بحوالہ جلالین، بخاری، ترمذی، ابن کثیر، خازن، بیضاوی)

حق تعالیٰ نے اقتصادی اُصول وضع فرمائے

اطرافِ مدینہ میں پھیلے ہوئے قبائل اور اہالیانِ مدینہ کے ساتھ آپؐ کے معاہداتِ امن، انصار اور مہاجرین کے درمیان رشتۂ مواخات کا قیام، جوئے اور شراب نوشی کے خلاف مہم۔ عورتوں اور مردوں کے مساوی حقوق اور ان کا تحفظ یہ تمام

۔۔۔۔۔ جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور پھر خرچ کیے پیچھے نہ احسان رکھیں نہ تکلیف دیں ان کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے اور ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

۔۔۔۔۔ مناسب بات اور درگزر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے اذیت دینا ہو، اور اللہ تو بڑا غنی اور حلم والا ہے۔

۔۔۔۔۔ اے ایمان والو! اپنے صدقے باطل نہ کر ڈالو احسان جتا کر اور اذیت دے کر، اس کی طرح جو اپنا مال خرچ کرتا ہے لوگوں کے دکھاوے کے لئے، اور اللہ اور قیامت پر ایمان نہ لائے، تو اس کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے ایک چٹان جس پر مٹی پڑی ہو پھر اس پر زور کی بارش ہو تو وہ اس کو بالکل صاف کر دے، ایسے لوگ کچھ بھی حاصل نہ کر سکیں گے اپنی کمائی سے اور اللہ کافر لوگوں کو راہِ ہدایت نہیں دکھائے گا۔ (۲۶۴/۲-۲۶۲)

اقدامات اس امرِ حق کی نشاندہی کر رہے تھے کہ حق تعالیٰ اپنے حبیب احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ایک ایسے مثالی معاشرہ اور ماحول کی تشکیل چاہتا تھا کہ جس میں امن و سلامتی کے ساتھ ساتھ انسانیت کی سربلندی اور عظمت کے دائمی اصول متعیّن ہو جائیں۔ جہاں انسان کی فطری صلاحیتوں اور پوشیدہ قوتوں کو ابھرنے کے مواقع ہوں، جہاں نہ انسان کسی پر ظلم کرے اور نہ اس پر ظلم کیا جائے۔ جہاں انسان کو سوائے اللہ کے نہ کسی کا خوف ہو اور نہ غم۔

خوف اور غم درحقیقت دو ایسی خباثتیں ہیں جو انسان کی حریت پسندی کے آڑے آتی ہیں اور انسان کا اللہ تعالیٰ سے رشتہ قائم ہونے میں مزاحم ہوتی ہیں۔ خوف ہی انسان کو دوسرے انسان کے حضور یا اس کے خود ساختہ خداؤں کے سامنے جھکاتا ہے، اور غم انسان کی استقامتِ عمل اور قوتِ ارادی کو کچل کر رکھ دیتا ہے۔ خوف قناعت کا قاتل اور غم ایثار کا دشمن ہے۔ خوف ہوس کو جنم دیتا ہے اور غم لالچ کو پروان

—— اور ان لوگوں کی مثال جو رضاءِ الٰہی کی طلب میں خرچ کرتے رہتے ہیں دل کے پورے ثبات و قرار کے ساتھ، اس باغ کی سی ہے جو اونچی اور تر زمین پر ہو کہ اس پر زور کا پانی پڑا تو دو نے پھل لایا، اور اگر زور کا مینہ نہ بھی پڑا تو شبنم ہی کافی ہے، اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔

—— کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا ہو جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں، اور اس کے ہاں اس باغ میں (اور بھی) ہر قسم کے میوے ہوں اور اس کا بڑھاپا آچکا ہو، اور اس کے بچے ناتوان ہوں تو اس باغ پر ایک بگولا آئے جس میں آگ ہو سو وہ باغ جل جائے، اللہ اسی طرح تمہارے لئے کھول کر اپنی آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر سے کام لو۔ (۲/۲۶۶ - ۲۶۵)

چڑھتا ہے۔ لہٰذا جس معاشرے پر خوف اور غم کے بادل چھائے رہتے ہیں وہاں ہوس اور لالچ ہی کا دور دورہ ہوا کرتا ہے۔

اور یہی ہوس اور لالچ کی فضا مدینہ پر چھائی ہوئی تھی۔ جو لوگ سرمایہ دار تھے وہی قبیلوں کے سردار بنے ہوئے تھے۔ مدینہ کے بڑے بڑے باغات اور بڑے بڑے کاروبار ان ہی کی ملکیت تھے۔ عام لوگوں پر ان کا وہ رعب اور دبدبہ طاری تھا کہ کسی کو ان کے سامنے زبان کھولنے کی جرأت نہ تھی۔ چونکہ پیداوار اور آمدنی کے تمام تر ذرائع ان ہی لوگوں کے قبضے میں تھے لہٰذا ہر شخص ان مٹھی بھر افراد کا محتاج تھا۔ اور اگر کوئی شخص ایک بار بھی ان ساہوکاروں سے قرض لے لیتا تو اس کی نسلیں تک اس بار سے آزاد نہ ہو سکتی تھیں۔ سود کی ادائیگی ہی نہ ہو پاتی تھی تو اصل کا کیا سوال تھا۔ ان حالات میں ایک طرف ان سرمایہ داروں اور ساہوکاروں کا خوف پورے معاشرے پر چھایا ہوا تھا جس نے عام لوگوں کی صلاحیتوں اور امنگوں کو کچل کر رکھ دیا تھا دوسری طرف ان سرمایہ داروں کی روز افزوں ہوس اور لالچ نے ان کے قلوب اس درجہ سخت بنا دیئے تھے کہ انہیں نہ خوف خدا رہا تھا

ب۔ اے ایمان والو! جو تم نے کمایا ہے اس میں سے عمدہ چیزیں خرچ اور اس میں سے بھی جو ہم نے تمہارے لیئے زمین سے نکالی ہیں، اور خراب چیز کا ارادہ بھی نہ کرو کہ اس میں سے دو گے، حالانکہ تم خود بھی اس کے لینے والے نہیں ہو سوائے اس صورت کے کہ چشم پوشی ہی کر جاؤ، اور جان رکھو کہ اللہ بے نیاز اور خوبیوں والا ہے۔

۔۔۔ شیطان تمہیں محتاجی سے ڈراتا ہے اور حکم دیتا ہے بے حیائی کا، اور اللہ تم سے وعدہ فرماتا ہے بخشش اور فضل کا اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

۔۔۔ اللہ حکمت دیتا ہے جسے چاہے اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی، اور نصیحت تو صاحبانِ عقل ہی قبول کرتے ہیں۔ ۲/(۲۶۹-۲۶۷)

اور نہ مخلوق خدا سے شفقت و محبت تھی۔

یہی اقتصادی ابتری ایک طرف سازشوں اور منافقانہ حرکتوں کو پروان چڑھا رہی تھی تو دوسری طرف پیغامِ حق کی تلقین اور معاشرے کی تطہیر میں سدِّ رہ بنی ہوئی تھی کچھ یہی شب و روز تھے کہ درج بالا آیاتِ ربانی کا نزول ہوا جن کے ذریعہ اقتصادی بے راہ روی اور عدم توازن کو ختم کرنے کے لئے چند بنیادی اصول بتلائے گئے جو بہ اختصار درج ذیل ہیں۔

۱۔ مال کے خرچ کرنے کا مقصد صرف اللہ کی رضا کا حصول ہونا چاہیئے۔ اس مقصد کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مال خواہ ذاتی مصرف میں آئے، اہل و عیال یا تجارت کے لئے خرچ کیا جائے یا غربا اور مساکین کی امداد یا فلاحی کاموں کے لئے خرچ ہو بارگاہِ الوہیت میں شرفِ قبولیت پاتا ہے اور اس مال کی مثال اس دانہ کی طرح ہوتی ہے جس سے سات بالیں اگیں اور ہر بال میں سو دانے ہوں۔

۲۔ احسان جتا کر مال خرچ کرنا کارِ خیر نہیں۔ مال خواہ فلاحی کام کے لئے خرچ کیا

ــــ اور تم جو کچھ خرچ کرو یا منّت مانو اللہ کو اس کی خبر ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔
ــــ اگر صدقات کو اعلانیہ دو تو جب بھی اچھی بات ہے، اور اگر انہیں چھپا کر فقیروں کو دو تو یہ تمہارے لئے سب سے بہتر ہے، اور اللہ تم سے تمہارے کچھ گناہ دور کر دے گا، اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔ (۲/۲۷۱ــ۲۷۰)

جائے یا ذاتی منفعت کے لئے اس کے اجر یا نفع کی توقع صرف اللہ سے رکھنی چاہئے کسی طرح کا احسان جتانا کار خیر نہیں۔

۳ـ مال خرچ کرنے میں خلوص ہونا ضروری ہے۔ جہاں خلوص ہوگا وہاں فریب اور ریا کاری نہ ہوگی۔ نہ آدمی کسی کا حق مارے گا اور نہ غلط راہ اختیار کرے گا۔

۴ـ دولت کا حصول ممنوع نہیں لیکن اس کے ساتھ اللہ کا خوف اور اس کی رضا کا حصول دل میں جاگزیں ہونا ضروری ہے۔ جو دولت یہ باتیں فراموش کر کے حاصل کی جاتی ہے تو اس کی مثال کھجوروں اور انگوروں کے اس ہرے بھرے باغ کی سی ہوتی ہے کہ جس کے نیچے نہریں بھی بہتی تھیں لیکن جب اس کا مالک بوڑھا ہو گیا تو ایک بگولے نے اس باغ کو جلا کر خاکستر کر ڈالا۔ اس وقت اس کے بچے بھی ناتوان ہی تھے اور اس طرح اس کی عمر بھر کی غلط کمائی خاک میں مل گئی۔ ایسی باتیں روزمرّہ مشاہدہ میں آتی رہتی ہیں۔

۵ـ کمائی ہوئی دولت میں سے ایک حصّہ اللہ کا ہے جو صرف نیک کاموں میں خرچ کیا جائے۔ اللہ کی راہ میں دیا جانے والا حصّہ بہتر سے بہتر ہونا چاہئے۔

۶ـ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہوئے مال کی کمی کا خیال نہیں کرنا چاہئے چونکہ یہ شیطان ہے جو کہ انسان کے دل میں وسوسے ڈال کر اس کو محتاج ہونے سے ڈراتا ہے۔ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ تم پر اور زیادہ فضل فرمائے گا اور

— (اے نبیؐ!) ان کی ہدایت آپ کے ذمہ نہیں، بلکہ اللہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔ اور تم جو کچھ بھی مال میں سے خرچ کرتے ہو سو اپنے ہی لیے کرتے ہو تم کو خرچ کرنا مناسب نہیں مگر اللہ کی رضا کے لیے، اور مال میں سے جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو تم کو وہ پورا پورا لوٹا دیا جائے گا اور تم پر (ذرا بھی) زیادتی نہ کی جائے گی۔

— حق ان حاجتمندوں کے لیے جو اللہ کی راہ میں گھر گئے ہیں، ملک میں کہیں چل پھر نہیں سکتے، نادان انہیں غنی سمجھتا ہے ان کے سوال احتیاط سے کرنے کی بنا پر، حالانکہ (اے انسان!) تو انہیں ان کی صورت ہی سے پہچان لے گا۔ وہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔ اور تم مال میں سے جو کچھ خرچ کرتے ہو اللہ اس کو خوب جانتا ہے۔

— جو لوگ اپنا مال رات اور دن، پوشیدہ اور ظاہر خرچ کرتے رہتے ہیں سو ان لوگوں کے لیے ان کے پروردگار کے پاس اجر ہے، نہ ان کے لیے کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (۲:۲۷۲-۲۷۴)

تمہارے مال میں وسعت دے گا۔ اس نکتہ میں بیان کردہ حکمت کو صرف اہلِ دانش ہی سمجھ سکتے ہیں جس نے یہ حکمت پائی اس کو بہت بڑی بھلائی مل گئی۔

۷۔ اللہ کی راہ میں دیئے جانے والے صدقات خواہ اعلانیہ دیئے جائیں یا پوشیدہ طور پر اللہ ہر ایک کو جانتا ہے۔ ان صدقات پر ان لوگوں کا زیادہ حق ہے جو اللہ کی راہ میں گھر گئے ہوں۔ ملک میں چل پھر نہ سکتے ہوں اور کسی سے سوال بھی نہ کرتے ہوں۔

۸۔ سود کی قطعی ممانعت اور اس کا کاروبار حرام۔ اس کے مقابل بیع کو حلال قرار دیا گیا۔

۹۔ دولت کے معاملے میں نہ کسی پر ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے یعنی نہ تم کسی کا استحصال کرو اور نہ کوئی تمہارا استحصال کر پائے۔

— وہ لوگ جو سود کھاتے رہتے ہیں قیامت کے دن نہ کھڑے ہو سکیں گے مگر اس شخص کی طرح جسے شیطان نے جنون سے خبطی بنا دیا ہو۔ یہ سزا اس لئے ہو گی کہ وہ کہتے ہیں کہ بیع بھی تو سود ہی کی طرح ہے۔ حالانکہ اللہ نے بیع کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے، پھر جس کسی کو نصیحت اس کے پروردگار کی طرف سے پہنچ گئی اور وہ باز آگیا تو اسے حلال ہے جو پہلے لے چکا اور اس کا معاملہ اللہ کے حوالے رہا، اور جو کوئی اب ایسی حرکت پھر کرے گا تو وہ دوزخی ہے اس میں وہ ہمیشہ پڑا رہے گا۔

— اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے اور اللہ کسی کفر کرنے والے گنہگار کو دوست نہیں رکھتا۔

— بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے اور نماز کی پابندی کی اور زکوٰۃ دی ان کے لئے ان کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے نہ ان پر کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (۲/۲۷۵-۲۷۷)

۱۰۔ آپس میں جب بھی لین دین کرو خواہ ذاتی ہو یا تجارتی بہر صورت اس کی لکھت ضروری ہے۔ جس کے شاہد بھی ہوں اس کا طریقہ بھی بتا دیا گیا ہے۔

۱۱۔ قرض ممنوع نہیں اس کا لینا اور دینا دونوں جائز ہیں۔

درج بالا اصولوں سے یہ بات ظاہر ہے کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے جو طریقہ اقتصادی اصلاح کے لئے پسند فرمایا اس میں انسانی حرمت اور خود مختاری کا تحفظ کیا گیا۔ ان اصولوں سے یہ بات قطعی واضح ہے کہ پیداوار اور آمدنی کے ذرائع پر کوئی پابندی عائد نہیں کی گئی بلکہ انسان کو پوری آزادی دی گئی کہ وہ اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے پیداوار اور آمدنی کے ذرائع بڑھائے اور پھر اس میں سے بہتر سے بہتر مال، خلوص کے ساتھ بغیر کسی نمائش کے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے خرچ کرے تاکہ اللہ کے وہ بندے جو محنت و مشقت یا صنعت و حرفت کی صلاحیت نہیں رکھتے یا کسی طرح

— اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو۔ لیکن تم نے ایسا نہ کیا تو خبردار ہو جاؤ جنگ کے لئے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے، اور اگر تم توبہ کر لو گے تو تمہارے اصل اموال تمہارے ہی ہیں، نہ تم (کسی پر) ظلم کرو گے نہ تم پر (کسی کا) ظلم ہوگا۔ اور اگر (قرضدار) تنگ دست ہے تو اسے مہلت دو آسودہ حالی تک، اور اگر (قرض) معاف کر دو تو تمہارے حق میں اور بہتر ہے، اگر تم علم رکھتے ہو۔

— اور اس دن سے ڈرتے رہو جس میں تم سب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے، پھر ہر شخص کو اس کا معاوضہ پورا پورا ملے گا اور ان پر ظلم (ذرا بھی) نہ ہوگا۔ (۲/۲۸۱ - ۲۷۸)

معذور و مجبور ہیں مستفید ہوں اور اس طرح معاشرے سے محرومی کا خاتمہ ہو جائے۔

اس کے علاوہ دوسرا طریقہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ پیداوار اور آمدنی کے ذرائع کو مشترک ملکیت قرار دیتے ہوئے اللہ کے رسول احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر مختارِ کل بنا دیا جاتا، گو اس وقت تک مدینہ کا اقتدارِ اعلیٰ آپ کے ہاتھوں میں نہ تھا لیکن آپ کا ادب و احترام اور حکم اس درجہ باا ثر ضرور تھا کہ انصار اور مہاجرین آپ کی زبان سے نکلی ہوئی ہر بات کے آگے سرِ تسلیم خم کر دیا کرتے تھے۔ جس کا عملی مظاہرہ رشتۂ مواخات کے سلسلے میں ہو چکا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس طریقہ کو پسند نہ فرمایا چونکہ اس طریقہ میں ایک طرف تو انسان کی خود مختاری مجروح ہو رہی تھی دوسری طرف باصلاحیت اور بے صلاحیت برابر کے دعویدار بن جانے کی صورت میں انتشار جبر و ظلم کو راہ دیتا جو کہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہے۔ تیسری بات یہ کہ آپس کی کشمکش انسانی ہمدردی اور محبت کے ان جذبات کو کچل کر رکھ دیتی جس کے قائم کرنے کے لئے آپ کی کاوشیں جاری تھیں۔

اے ایمان والو! جب ادھار کا معاملہ کسی مقررہ مدت کے لیے کرنے لگو تو اس کو لکھ لیا کرو اور لازم ہے کہ تمہارے درمیان لکھنے والا ٹھیک ٹھیک لکھے اور لکھنے والا لکھنے سے انکار نہ کرے، جیسا کہ اللہ نے اسے سکھایا ہے تو اسے لکھ دینا چاہیئے اور جس پر حق آتا ہے وہ لکھاتا جائے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے، اور حق میں سے کچھ رکھ نہ چھوڑے، پھر جس پر حق آتا ہے اگر بے عقل یا ناتواں ہو یا لکھا نہ سکے تو اس کا ولی انصاف سے لکھائے، اور دو گواہ کر لو اپنے مردوں میں سے، اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ایسے گواہ جن کو پسند کرو، تاکہ کہیں ان میں ایک عورت بھولے تو اس کو دوسری یاد دلا دے۔ اور گواہ جب بلائے جائیں تو آنے سے انکار نہ کریں۔ اور اسے بھاری نہ سمجھو کہ دین چھوٹا ہے یا بڑا، اس کی میعاد تک لکھت کر لو۔ یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے اس میں گواہی خوب ٹھیک رہے گی، اور یہ اس سے قریب ہے کہ تمہیں شبہ نہ پڑے سوائے اس کے کہ کوئی سودا ہاتھ در ہاتھ دے والا ہو جیسے تم آپس میں لیتے ہی رہتے ہو، سو تم پر اس بارے میں کوئی الزام نہیں کہ تم اسے نہ لکھو، اور جب خرید و فروخت کرتے ہو تب بھی گواہ کر لیا کرو، اور کسی کاتب اور گواہ کو نقصان نہ دیا جائے اور اگر ایسا کرو گے تو یہ تمہارے حق میں ایک گناہ شمار ہوگا، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے اور ہر چیز کے متعلق سب کچھ جانتا ہے۔ (۲۸۲|۲)

آپؐ نے اقتصادی توازن قایم کیا حضور سرورِ کائنات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے درج بالا اصولوں کی روشنی میں معاشرہ سے اقتصادی بدحالی دور کرنے کے لیے زبردست جدوجہد کی۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے کہ ان دنوں لوگوں کے قلوب ہوس اور لالچ سے اس درجہ معمور تھے کہ نہ حق اور بے حق

—— اور اگر تم سفر میں ہو اور کوئی لکھنے والا نہ پاؤ سو رہن رکھنے کی چیزیں ہی قبضہ میں دیدی جائیں، اور تم میں سے کوئی کسی اور پر اعتبار رکھتا ہے تو جس کا اعتبار کیا گیا ہے اسے چاہیئے کہ دوسرے کی امانت کا حق ادا کر دے اور چاہیئے کہ اللہ سے ڈرے جو اس کا پروردگار ہے، اور گواہی نہ چھپاؤ اور جو کوئی اسے چھپائے گا تو اس کا قلب گنہگار ہوگا اور اللہ تمہارے سارے کاموں کو جانتا ہے۔ (۲/۲۸۳)

کی تمیز تھی اور نہ مفلس و حاجتمند کے لئے جذبۂ شفقت۔ ان کے قلوب جیسے محبّت سے بالکل عاری تھے۔ چھوٹی سے چھوٹی رقم کے لئے بے ایمانی کر لینا روزمرّہ کا معمول تھا۔ سود خوری کے وہ وہ طریقے بنا رکھے تھے کہ جن کو عام لوگ سمجھ بھی نہ سکتے تھے۔ اونٹ کی فروخت کا ایک دیرینہ طریقہ تھا جس کو حَبَلُ الحِبَالَۃ کہتے تھے۔ جس کے مطابق اس طرح سودا ہوتا کہ اونٹنی بچہ جنے اور پھر وہ بچہ بھی جنے تو اس بچّے کے گوشت کا سودا پہلے سے طے کر لیا جاتا تھا اس طریقہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ کسی مجبور انسان کی مجبوری سے زیادہ سے زیادہ نفع کمانے کا ایک طریقہ بنا رکھا تھا۔ آپؐ نے اس طریقے کو سختی سے منع فرمایا۔ اسی طرح بیع کی مختلف شکلیں تھیں جن سے سرمایہ داروں کو زبردست فائدہ ہوتا اور غریبوں کا استحصال۔ مثلاً ایک سرمایہ دار ایک شخص کے کئے ہوئے بیع کے سودے پر بیع کا اپنا سودا بھی کر لیتا اور اس طرح جس کا سرمایہ زیادہ ہوتا وہ تمام نفع لے جاتا۔ اناج کا کاروبار بھی آج کے سٹّے کی طرح رائج تھا کہ اناج منڈی میں آنے سے قبل ہی فروخت ہو جاتا تھا اور خریدار اس کا قبضہ لینے سے قبل دوسرے کو فروخت کر دیتا۔ اس طرح سرمایہ داروں کو خوب منافع ملتا اور دیگر لوگ بری طرح ان کی سرمایہ داری سے متاثر ہوتے۔ ہادی مرسل نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کی تمام ظاہری اور باطنی شکلوں کی ممانعت فرمائی جو بظاہر بیع کہلاتی تھیں لیکن باطنی طور پر سود ہی تھیں —— اسی طرح آپؐ نے ذخیرہ اندوزی کی مخالفت کرتے ہوئے ایک مقام پر ارشاد فرمایا کہ جس نے بھی گرانی کے خیال سے غلّہ روکا

— اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور جو کچھ تمہارے نفسوں کے اندر ہے اگر تم اس کو ظاہر کر دیا اسے چھپاؤ دکھو بہر حال اللہ اس کا حساب تم سے لے گا، پھر جسے چاہے گا بخشدیگا اور جسے چاہے گا عذاب دیگا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۲/۲۸۴)

وہ گنہگار ہوا۔ ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا جس نے غلّہ کو چالیس دن تک بند رکھا اس نے اللہ تعالےٰ کے عہد کو توڑ ڈالا اور اللہ بھی اس سے بیزار ہوا۔ غرض آپؐ نے نہ صرف معاشرہ سے غلط مروجہ طریقوں کا استیصال کیا بلکہ لوگوں کے قلوب میں انسانی ہمدردی اور محبت کے وہ جذبات بیدار کئے جو ان کے قلوب میں پیوستہ ہوس اور لالچ کو دور کرنے کے لئے ضروری تھے۔

آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبّت سے پیش آنے کی تلقین فرماتے ہوئے آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ "سب سے زیادہ فضیلت والا کام اللہ پر ایمان لانے کے بعد لوگوں سے محبت کرنا ہے۔" ایک اور مقام پر آپؐ نے تلقین فرمائی۔ "تم میں سے بہتر لوگ وہی ہیں جن سے خیر کی امید کی جائے اور برے لوگ وہ ہیں جن سے خیر کی امید نہ ہو اور ان کے شر سے لوگ محفوظ اور مطمئن نہ ہوں۔"

آپؐ نے اصحابِ صفّہ کی تربیت فرمائی

فقراء، مساکین اور نادار لوگوں کو معاشرہ میں اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا ہے، بلکہ بعض خوشحال اور دولتمند لوگ تو برملا نفرت کا اظہار کرتے ہیں جو سراسر انسانیت کی توہین ہے اور کبر وغرور کا ایک فعل۔ حضور محسنِ انسانیت نبی محتشم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انسانیت سوز رویئے کے خلاف بھی جدوجہد فرمائی اور برملا لوگوں کو تلقین فرمائی کہ "تم فقیروں اور مسکینوں سے محبت کرو اور ان کے ساتھ اٹھو بیٹھو۔" ایک دوسرے موقع پر ارشاد ہوا "جب تم کو کوئی چیز بلا مانگے مل جائے تو تم اس سے خود بھی کھاؤ اور اگر بچ جائے تو اسے صدقہ کر دو۔" ایک اور جگہ صدقہ کی وضاحت فرماتے ہوئے ارشاد ہوا۔ "سب سے بہترین صدقہ یہ ہے کہ تم کسی بھوکے پیٹ کو کھلانا کھلاؤ۔"

——— رسول ایمان لائے اس پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ان پر نازل ہوا ہے اور مومنین بھی، یہ سب ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر، اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر یہ کہتے ہوئے کہ ہم فرق نہیں کرتے اس کے کسی رسول پر ایمان لانے میں، اور کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور ہم نے اطاعت کی، ہم تیری مغفرت چاہتے ہیں اے پروردگار! اور تیری ہی طرف ہماری واپسی ہے۔ (۲/۲۸۵)

حضور سرورِ کائنات نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جو باتیں ارشاد فرماتے تھے ان کا عملی نمونہ خود آپؐ کی ذات اقدس تھی۔ جب لوگ آپؐ کو فقراء اور مساکین کے درمیان شفقت اور محبت سے بیٹھے ہوئے اور ان کی اعانت فرماتے ہوئے دیکھتے تو پتھر سے پتھر دل بھی موم ہو جاتے تھے۔ مدینہ میں نادار، مفلس اور مفلوک الحال صحابۂ کرام کی تعداد خاصی تھی۔ بالخصوص وہ حضرات جو مکہ اور دیگر مقامات سے آکر پناہ گزیں ہو گئے تھے۔ ان کے پاس نہ فن تھا اور نہ سرمایہ۔ بہت سوں کے تو عزیز و اقارب میں سے بھی کوئی نہ تھا۔ ان میں سے بیشتر کے پاس تو تن ڈھانپنے کو دو کپڑے بھی نہ تھے۔ ایک چادر کو گلے میں اس طرح باندھے رہتے کہ چادر رانوں تک لٹک جاتی۔ غیرت کا یہ عالم کہ بھوک سے نڈھال ہو کر گر گر پڑتے لیکن نہ زبان پر سوال لاتے اور نہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلاتے تھے۔ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کے لئے مسجدِ نبوی سے ملحق چبوترہ پر ایک سائبان بنوا دیا تھا جہاں یہ لوگ رہا کرتے تھے۔ عربی زبان میں چبوترے کو صُفّہ کہتے ہیں لہٰذا اسی نسبت سے یہ لوگ اصحابِ صُفّہ کہلائے۔ وہی صُفّہ آج بھی مسجدِ نبوی میں محفوظ ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان حضرات پر خاص توجہ فرمایا کرتے تھے۔ جب کہیں سے صدقہ کا کھانا آتا تو آپؐ اسی طرح پورا کھانا ان حضرات کے پاس بھیجدیتے۔ جب دعوت کا کھانا آپؐ کی خدمت میں پیش ہوتا تو ان مفلوک الحال صحابہ کو بلا لیتے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر

— اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت کے مطابق۔ اسی کا فائدہ ہے جو (اس نے) اچھا کمایا اور اسی کا نقصان ہے جو (اس نے) برائی کمائی۔ اے پروردگار! ہماری پکڑ نہ کر اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں۔ اے پروردگار! ہم پر بوجھ نہ ڈال جیسا تو نے ڈالا تھا ان لوگوں پر جو ہم سے پیشتر تھے۔

کھانا کھاتے۔ اکثر اوقات ایسا بھی ہوتا کہ نہ تو کہیں سے صدقہ کا کھانا آتا اور نہ دعوت کا تو جو کچھ آپؐ کے خانۂ اقدس میں ہوتا ان حضرات کو دیدیتے اور باقی مسلمانوں پر بھی ان حضرات کو تقسیم کر دیتے۔ وہ ان کو اپنے ہمراہ گھر لے جاتے اور حتی المقدور ان کی تواضع کرتے۔ مسلمانوں میں حضرت سعدؓ بن عبادہ بڑے دولت مند تھے۔ یہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا فیضان تھا کہ وہ سرمایہ دار ہوتے ہوئے بھی بڑے فیاض اور سخی تھے۔ راہِ خدا میں خرچ کرنے کا وہ جذبہ رکھتے تھے کہ ایک ایک وقت اسّی اسّی افراد کو کھانا کھلاتے تھے۔

اصحابِ صُفّہ میں سب ہی غیر شادی شدہ یا تنہا تھے۔ لہٰذا یہ حضرات دن میں جنگل سے لکڑیاں بھی چُن کر لے آتے تھے اور اس طرح کچھ آمدنی کا ذریعہ بھی ہو جاتا تھا۔ دن کے باقی حصّہ میں ہادیٔ مرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے اور تعلیم حاصل کرتے تھے۔ بعض حضرات نے تو اپنے کو دینی تعلیم کے لئے ہی وقف کر دیا تھا۔ لہٰذا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے ایک معلّم بھی مقرر فرما دیا تھا۔ یہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اور آپؐ کی خاص توجّہ کا فیضان تھا کہ ان مفلوک الحال اور غریب الدّیار لوگوں میں سے کئی تو بہترین قاری ہوئے اور کئی بہترین مبلّغ بنے۔ ان حضرات نے دور دور کے مقامات پر جا کر لوگوں کو اسلام کی تعلیمات سے آگاہ کیا۔ جو لوگ معاشرے میں کسی حیثیت کے مالک نہ تھے آپؐ کی تربیت سے معاشرہ کے قابلِ قدر افراد بن گئے۔ کئی نے شادیاں کیں اور

اے ہمارے پروردگار! ! ہم سے وہ (بوجھ) نہ اٹھوا جس کی ہمیں برداشت نہ ہو، اور ہمیں معاف فرمادے اور ہم کو بخش دے، اور ہم پر رحم فرما کہ تو ہی ہمارا مولیٰ ہے، سو ہم کو غالب کر کافر لوگوں پر۔
(۲/۲۸۶)

عام لوگوں کے ساتھ زندگی میں رچ بس گئے۔ حضرت ابوہریرہؓ اسی اوّلین درسگاہ اسلامیہ کے تربیت یافتہ ہیں جن سے بیشتر احادیث مروی ہیں۔
(بحوالہ بخاری، مسلم، ابنِ کثیر، ابنِ ہشام، سیرت النبیؐ)

سُورۃُ الاَنفَال (پ۹)
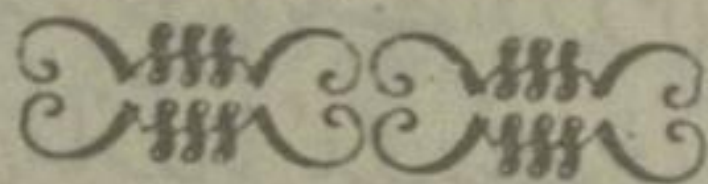
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(اے نبیؐ!) آپ سے (یہ لوگ) غنیمتوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے کہ غنیمتیں اللہ کی ملک ہیں اور رسول کی، پس اللہ سے ڈرتے رہو اور اپنے آپس میں اصلاح کرو، اور اللہ اور رسول کا حکم مانو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

—— ایمان والے تو بس وہی ہیں (۱) کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل سہم جاتے ہیں۔ (۲) اور جب انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کا ایمان اور ترقی پاتا ہے اور (۳) وہ اپنے پروردگار پر توکل رکھتے ہیں، جو (۴) نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور (۵) جو کچھ ہم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے خرچ کرتے رہتے ہیں۔ یہی لوگ تو سچے مومن ہیں۔ بڑے درجے ہیں ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس اور مغفرت اور عزت کی روزی بھی۔ (۸/۴-۱)

غزوۂ بدر کا پسِ منظر ایک طرف حضور محسنِ انسانیت نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل کاوشیں جاری تھیں کہ صدیوں کی کچلی ہوئی انسانیت ان اعلیٰ اقدار سے روشناس ہو جائے کہ جن میں انسانی عظمت اور سربلندی کا راز مضمر تھا دوسری طرف مکہ کی حاسدانہ فضا تھی جس میں ننگِ انسانیت رجعت پسند طاقتیں مدینہ میں ابھرنے والی آفاقی تحریک انسانیت کو کچل دینے کے منصوبے بنا رہی تھیں۔ عبداللہ بن ابی کے نام مشرکینِ مکہ کا خط جس کا تذکرہ صفحہ نمبر ۲۵ پر گذر چکا ہے ان کے عزائم کا آئینہ دار تھا۔ اس کے علاوہ مشرکینِ قریش کے وفود مدینہ کے اطراف میں آباد قبائل میں جا جا کر مسلسل ہادی برحق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بدگمانیاں پھیلا رہے تھے۔ مشرکین کی مسلح ٹولیاں مدینہ کے اطراف میں گشت لگاتی ہوئی بھی دیکھی گئیں تھیں۔

(اے حبیبؐ!) جس طرح کہ آپ کے پروردگار نے آپ کے گھر سے حق کے ساتھ آپ کو روانہ کیا، اور مسلمانوں کی ایک جماعت (تو) اس کو گراں سمجھتی تھی۔ وہ اس مصلحت میں بعد اس کے کہ اس کا ظہور ہو چکا تھا آپ سے اس طرح جھگڑتے تھے کہ گویا وہ آنکھوں دیکھی موت کی طرف ہانکے جا رہے ہوں۔

(اے مسلمانو! یاد کرو وہ وقت) جب اللہ تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ دو گروہوں میں سے ایک تمہارے لئے ہے، اور تم یہ چاہ رہے تھے کہ غیر مسلح گروہ تمہارے ہاتھ آجائے۔ حالانکہ اللہ کو یہ منظور تھا کہ حق کو حق کر دکھائے اور منکرین حق کی جڑ کاٹ دے تا کہ حق حق ہو کر رہے اور باطل باطل ہو کر رہ جائے خواہ مجرموں کو یہ کتنا ہی ناگوار ہو۔
(۸/۸-۵)

کرز مہری کا مدینہ کی چراگاہوں پر حملہ بھی ان دنوں ہو چکا تھا۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود مدینہ کی فضا پُر امن تھی۔ حالات سے باخبر رہنے کے لئے آپؐ نے دفاعی مہمیں ضرور روانہ کی تھیں جن کا تذکرہ سورۂ بقرہ کے تحت ہو چکا ہے لیکن جارحیت کی طرف کوئی قدم نہ اٹھایا گیا تھا چونکہ یہ آپؐ کے مشن کے خلاف تھا۔ اس کے برعکس مکہ سے ملنے والی خبریں مسلمانوں کے لئے مسلسل تشویش کا باعث ہو رہی تھیں چونکہ حقائق مشرکین کی جارحانہ تیاریوں کا پتہ دے رہے تھے۔ ان ہی دنوں باوثوق ذرائع سے یہ خبر بھی ملی تھی کہ مکہ سے ابوسفیان کی قیادت میں ایک قافلۂ تجارت ملک شام کی طرف گیا ہے جس کو خلاف معمول مکہ کے ہر فرد نے اپنی کل کی کل رقم دیدی ہے اور ہر خاندان کا ایک فرد لازمی طور پر اس میں شریک کیا گیا ہے۔ گو یہ قافلۂ تجارت تھا لیکن خلاف معمول مذکورہ اہتمام اس بات کا پتہ دے رہے تھے کہ قریش مکہ کسی بڑے معرکہ کے لئے کثیر رقم کا حصول چاہتے ہیں تا کہ سامانِ حرب اور اخراجاتِ جنگ پورے کئے جا سکیں۔

— (اور یہ بھی یاد کرو کہ) جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے پھر اس نے تمہاری سن لی اور فرمایا۔ "میں تمہاری مدد کے لئے پے بہ پے ایک ہزار فرشتے بھیج رہا ہوں۔" یہ بات تمہیں اللہ نے صرف اس لئے بتا دی کہ تمہیں بشارت ہو اور تمہارے دل اس سے مطمئن ہو جائیں۔ حالانکہ نصرت تو بس اللہ ہی کے پاس ہے۔ بے شک اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔
(۸/۱۰-۹)

سوئے اتفاق ان ہی دنوں نخلہ کا واقعہ بھی ہو چکا تھا جس میں مشرکین مکہ کا ایک آدمی حضرمی قتل ہو گیا تھا۔ گو نہ اس واقعہ کی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی تھی اور نہ اس کو بعد میں پسند فرمایا تھا جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا ہے لیکن اسی خبر نے قریش مکہ کی آتشِ حسد کو آتشِ انتقام میں تبدیل کر دیا تھا۔ ان ہی دنوں مکہ میں یہ خبر بھی عام ہو گئی کہ مسلمان مشرکین کے اس تجارتی قافلے کو لوٹنے کے لئے روانہ ہو رہے ہیں جو کہ اب ملک شام سے واپس ہو رہا تھا۔ لہٰذا مشرکینِ قریش سامانِ جنگ سے لیس ہو کر مدینہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

پہلا ماہِ رمضان المبارک مدینہ کا ماحول ابھی تک پرسکون اور پرامن تھا۔ روزوں کی فرضیت کے بعد پہلا ماہِ رمضان المبارک شروع ہوا تھا۔ مسلمان انتہائی ذوق و شوق اور خشوع و خضوع کے ساتھ عبادتِ الٰہی میں مصروف تھے۔ راتیں رکوع و سجود، قعود و شہود، تلاوتِ قرآن اور ذکرِ الٰہی میں گذر رہی تھیں اور دن میں روزہ داری بھی تھی اور معاشی جدوجہد بھی۔ ایک پرامن، پاکیزہ اور مقدس ماحول مدینہ پر سایہ فگن تھا۔

مشرکینِ قریش کی مکہ سے روانگی ان ہی دنوں ہادی برحق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ منکرینِ حق کا ایک کثیر لشکر سامانِ جنگ سے لیس مدینہ کی جانب روانہ ہوا ہے۔ ساتھ ہی یہ خبر بھی تھی کہ مشرکین قریش کا تجارتی قافلہ کثیر سامانِ تجارت اور سرمایہ لے کر شام سے مکہ کی جانب روانہ ہو چکا ہے

—— (اور وہ وقت بھی یاد کرو) جب اللہ اپنی طرف سے غنودگی کی شکل میں تم پر اطمینان اور بے خوفی کی کیفیت طاری کر رہا تھا اور آسمان سے تمہارے اوپر پانی برسا رہا تھا تاکہ تمہیں پاک کرے اور تم سے شیطان دور کر دے اور تمہاری ہمت بندھائے اور اس کے ذریعہ سے تمہارے قدم جما دے۔
—— (اور وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے کہ) جب آپ کا پروردگار وحی کر رہا تھا فرشتوں کی جانب کہ میں تمہارے ساتھ ہوں سو ایمان والوں کو جمائے رکھو میں ابھی کافروں کے دلوں میں رعب ڈالے دیتا ہوں۔ سو تم کافروں کی گردنوں کے اوپر مارو اور ان کے پور پور پر ضرب لگاؤ۔ یہ اس لئے کہ ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کیا۔ اور جو اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرے تو اللہ اس کو سخت سزا دینے والا ہے۔ سو یہ سزا چکھو اور جان لو کہ کافروں کے لئے جہنم کا عذاب ہے۔ (۸/۱۴-۱۱)

جس کے ساتھ ستر سے زائد محافظ نہیں ہیں اور مدینہ کے قریب اس مقام سے گذرنے والا ہے جو مسلمانوں کی زد میں ہے۔

ایک طرف دشمنوں کی فوج سامانِ حرب سے لیس مسلمانوں کو تہہ تیغ کرنے کو نکلی تھی دوسری طرف ان ہی دشمنوں کی کثیر دولت مسلمانوں کی دسترس کے قریب تھی ہادی مرسل صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بارگاہِ رب العالمین میں رجوع فرمایا۔ حکمِ ربی ہوا کہ دونوں لشکروں میں سے ایک تمہارے لئے ہے۔ لیکن یہ نہیں بتایا گیا کہ کون سا لشکر۔ یہی تو وہ نکتہ حق ہے کہ جس میں عظمتِ انسانی کا راز مضمر ہے۔ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کی رہبری و اعانت تو کرتا ہی ہے لیکن ساتھ ہی دعوتِ فکر بھی دیتا ہے اور جب بندہ تفکر سے کام لیتا ہے تو اسرارِ الٰہی منکشف ہوتے چلے جاتے ہیں اور بندہ انعام و اکرام سے نوازا جاتا ہے۔

آپؐ نے صحابۂ کرام کا اجلاس طلب کیا | مذکورہ خبروں کے ملتے ہی آپؐ نے

ـــــ اے ایمان والو! جب تم ایک لشکر کی صورت میں کفار سے دوچار ہو تو ان کے مقابلے میں پشت نہ پھیرو۔ جس نے ایسے موقع پر پشت پھیری، سوائے اس کے کہ جنگی چال کے طور پر ایسا کرے یا کسی دوسری فوج سے جا ملنے کے لئے، تو وہ اللہ کے غضب میں آجائے گا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔ (۸/۱۶-۱۵)

مہاجرین اور انصار کا اجلاس طلب کیا۔ ہر دو خبریں تفصیل کے ساتھ بیان فرمائیں اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ان دونوں میں سے ایک لشکر پر اللہ تم کو غالب کر دے گا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ نے جذبۂ ایثار سے بھرپور ولولہ انگیز تقریریں کیں اور راہِ حق میں جانثاری کا اظہار فرمایا۔ بعض کمزور مسلمانوں نے قافلۂ تجارت پر ترجیح کا اظہار کیا۔ حضور نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی کے ساتھ ہر ایک مہاجر کے خیالات سن رہے تھے اور انصار کی جانب دیکھتے تھے۔ کیونکہ انصارِ مدینہ نے بیعت کے وقت یہ عہد کیا تھا کہ وہ اس وقت تلوار اٹھائیں گے جب کہ دشمن مدینہ پر حملہ آور ہوگا۔ خزرج کے سردار حضرت سعدؓ بن عبادہ جو خاموشی کے ساتھ مہاجرین کی باتیں سُن رہے تھے اپنی جگہ سے اٹھے اور عرض کیا۔ "کیا حضورِ اقدس کا اشارہ ہماری جانب ہے؟ اللہ کی قسم! آپؐ فرمائیں تو ہم سمندر میں کود پڑیں...."

قبیلۂ اوس کے حضرت مقدادؓ بن عمرو نے عرض کیا۔ "اے اللہ کے رسولؐ! ہم موسیٰؑ کی قوم کی طرح یہ نہ کہیں گے کہ آپؐ اور آپؐ کا خدا جا کر لڑیں۔ ہم لوگ آپؐ کے داہنے سے، بائیں سے، سامنے اور پیچھے سے لڑیں گے...." حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ اقدس مسرت سے چمک اٹھا۔ صحابۂ کرام کی کثیر تعداد نے آپؐ کے مجوزہ اقدام کی تائید کر دی تھی۔ مشاورت کی بھی تکمیل ہوئی اور جمہوری تقاضہ بھی پورا ہوا۔

___ سو تم نے انہیں قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا۔ اور (اے حبیبؐ!) وہ خاک جو آپ نے پھینکی (دراصل) آپ نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی، اور اس لئے کہ مسلمانوں کو اس سے اچھا انعام عطا فرمائے بے شک اللہ سنتا جانتا ہے۔

___ یہ تو (معاملہ) ہو چکا، اور بے شک اللہ کمزور کر کے رہے گا کافروں کی تدبیر کو۔

___ اے کافرو! اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو یہ فیصلہ تم پر آچکا، اور اگر باز آؤ تو تمہارا بھلا ہے اور اگر تم پھر شرارت کرو گے تو ہم پھر سزا دیں گے اور تمہارا جتھا تمہیں کچھ کام نہ دے گا چاہے کتنا ہی بہت ہو اور (جانے رہو) کہ اللہ تو ایمان والوں کے ساتھ ہے۔ (۸/۱۹-۱۷)

مجاہدینِ اسلام کی مدینہ سے روانگی

۱۲ رمضان المبارک ۲ھ کو مجاہدینِ اسلام کا دستہ آپؐ کی قیادت میں مدینہ سے روانہ ہوا۔ ایک میل چلنے کے بعد آپؐ نے جانثاروں کا جائزہ لیا۔ جو ان میں کم عمر تھے واپس کر دیئے گئے۔ کم سن بچوں میں عمیرؓ بن ابی وقاص بھی تھے واپسی کا حکم سنتے ہی رو پڑے آپؐ نے اس نوخیز مجاہد کا یہ جذبہ جانثاری دیکھا تو اجازت عطا فرما دی اور ان کے بھائی سعدؓ بن ابی وقاص نے فوراً ان کے گلے میں تلوار حمائل کر دی۔

حضرت ابو لبابہؓ بن عبدالمنذر کو مدینہ کا قائم مقام حاکم مقرر فرما کر واپس مدینہ بھیج دیا گیا اسی طرح عاصمؓ بن عدی کے لئے حکم ہوا کہ وہ عالیہ (مدینہ کی بالائی آبادی) کے حاکم مقرر کئے جاتے ہیں۔ لہٰذا وہ بھی عالیہ روانہ ہو گئے۔ اس سے قبل حضرت عبداللہؓ ابنِ مکتوم کو مسجدِ نبوی میں امامت کے فرائض سونپے جا چکے تھے۔

روانگی سے قبل فوج کو شمار کیا گیا تو کل تعداد ۳۱۳ تھی ساٹھ مہاجر اور باقی انصار پھر مکہ کی جانب جنوبی راستہ اختیار کیا گیا جس سے یہ حقیقت ظاہر ہو گئی کہ آپؐ نے

—— اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور حکم سُننے کے بعد اس سے روگردانی نہ کرو۔ اور ان جیسے نہ ہو جانا جنہوں نے کہا کہ ہم نے سنا حالانکہ وہ نہیں سنتے۔ بدترین اللہ کے نزدیک وہ بہرے اور گونگے ہیں جو عقل سے ذرا بھی کام نہیں لیتے۔ اور اگر ان میں کسی خوبی کا علم اللہ کو ہوتا تو وہ انہیں سنوا دیتا، اور اگر (اب بھی) وہ انہیں سنوا دے تو یہ ضرور روگردانی کریں گے بے رُخی کرتے ہوئے۔

—— اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی آواز پر لبیک کہو جبکہ رسول تمہیں اس چیز کی طرف بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے گی، اور جان لو کہ اللہ کا حکم آدمی اور اس کے دلی ارادوں میں حائل ہو جاتا ہے، اور (آخرِ کار) تم سب کو اسی کی طرف اکھٹا ہونا ہے۔ اور ڈرتے رہو اس فتنے سے جو خاص ان ہی لوگوں پر واقع نہ ہوگا جو تم میں سے ظلم کے مرتکب ہوئے ہیں اور جان لو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔

(۸/۲۵—۲۰)

تجارتی قافلے کے بجائے مشرکین کی فوج سے مقابلہ کو ترجیح دی ہے۔ اگر آپؐ کا مقصود تجارتی قافلہ ہوتا تو آپ مدینہ سے شمال کی جانب روانہ ہوتے جس طرف سے کہ تجارتی قافلہ گزر رہا تھا۔

تین سو تیرہ مجاہدینِ اسلام میں سے صرف ساٹھ افراد کے پاس زرہیں تھیں اور سواری کے لئے صرف تین گھوڑے اور ستّر اونٹ تھے۔ لہٰذا مجاہدین باری باری سواری کر رہے تھے۔ لیکن جذبہ سرفروشی کا یہ عالم تھا کہ فرزندانِ توحید کشاں کشاں آگے کی جانب بڑھ رہے تھے کہ دشمنانِ حق کو مدینہ کی حدود سے باہر ہی روک دیں۔

بدر میں قیام

علم بردارانِ توحید مدینہ سے پانچ دن کی مسافت طے کر کے مقامِ بدر کے قریب پہنچے تو خبر رسانوں سے اطلاع ملی کہ مشرکین قریش کی فوج

___ اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے ملک میں دبے ہوئے، ڈرتے رہتے تھے کہ کہیں لوگ تم کو اُچک نہ لے جائیں، سو اللہ نے تمہیں رہنے کو جگہ دی اور اپنی نصرت سے تمہاری تائید کی اور تم کو ستھری چیزیں عطا کیں تاکہ تم شکرگذار ہو۔

___ اے ایمان والو! اللہ اور رسول سے دغا نہ کرو اور نہ اپنی امانتوں میں جانتے بوجھتے خیانت (کے مرتکب ہو) اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد حقیقت میں سامانِ آزمائش ہیں اور اللہ کے پاس اجر دینے کے لئے بہت کچھ ہے۔ (۸/۲۶-۲۸)

وادیٔ بدر کے دوسری جانب خیمہ زن ہے۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اسی مقام پر رک گئے۔

بدر نام تھا ایک کنویں کا اور اسی کی نسبت سے یہ وادی مشہور تھی۔ اس وادی کے شمال مشرق میں پہاڑوں کا سلسلہ تھا، جنوب کی طرف چٹانیں تھیں اور جانبِ غرب ریت کے ٹیلے۔ مسلمانوں کا دستہ اسی طرف پہنچا تھا لہٰذا آپؐ نے اسی ریتیلے علاقہ میں قیام کیا۔

مشرکینِ قریش بڑے سازوسامان کے ساتھ آئے تھے۔ ہزار آدمیوں کی مسلّح فوج تھی جن میں سو گھوڑسوار تھے۔ ابولہب کے علاوہ تقریباً تمام سردارانِ قریش شامل تھے۔ ابولہب کسی مجبوری کے تحت مکہ میں رہ گیا تھا لیکن اس نے اپنا قائم مقام بھیجا تھا۔ چونکہ یہ لوگ بدر میں پہلے ہی پہنچ گئے تھے لہٰذا انہوں نے جنگی اعتبار سے تمام مناسب جگہوں پر قبضہ کر رکھا تھا۔ اس کے برخلاف مسلمان جس علاقہ میں خیمہ زن تھے وہ ریتیلا ہونے کے علاوہ نشیبی تھا اور وہاں نہ کوئی چشمہ تھا اور نہ کنواں۔

مشرکینِ قریش کو بدر پہنچتے ہی یہ اطلاع مل گئی تھی کہ ان کا تجارتی قافلہ ابوسفیان کی قیادت میں خطرہ کی زد سے نکل کر مکہ کی جانب رواں ہے۔ لہٰذا قبیلہ زہرہ اور قبیلہ عدی کے سرداروں نے مشورہ کیا کہ ان حالات میں محمدؐ ابنِ عبداللہ اور ان کے ساتھیوں سے

— اے ایمان والو!! اگر تم خدا ترسی اختیار کرو گے تو اللہ تمہیں وہ (شعور) دے گا کہ جس سے حق کو باطل سے جدا کر لو اور تمہاری برائیوں کو تم سے دور کر دے گا اور تمہارے قصور معاف کر دے گا۔ اللہ بڑا افضل و کرم فرمانے والا ہے۔

— اور (اے حبیبؐ) یاد کرو جب کافر آپ کی نسبت تدبیر کر رہے تھے کہ آپکو قید کر لیں یا قتل کریں یا (وطن سے) خارج کر دیں، اور وہ (اسی طرح) اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیریں کر رہا تھا اور اللہ بہترین تدبیر کرنے والا ہے۔
(۲۹-۳۰/۸)

جنگ کرنا ضروری نہیں۔ لیکن جب یہ بات ابوجہل کے سامنے آئی تو اس نے اتفاق نہ کیا اور اسی عزمِ قتل و قتال پر قائم رہا۔

جاںنثارانِ مصطفےٰ نے ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک سائبان ڈال کر چھوٹی سی جھونپڑی بنا دی جس کو عریش کہتے ہیں اور خود اِدھر اُدھر جھاڑیوں اور درختوں کے زیرِ سایہ پھیل گئے۔ یہ رات مسلمانوں کے لئے ایک کڑی آزمائش اور بڑی کٹھن تھی۔ ظاہری اسباب ہمت شکن تھے۔ خود ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ شب کس طرح گذاری؟ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کا ارشاد ہے۔

"اور شب گذاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب سے مناجات کرتے ہوئے کہ "الٰہی! اگر یہ گروہ ہلاک ہو گیا تو پھر تیری عبادت زمین پر نہ ہو گی"۔ پس جب صبح ہوئی مؤذن نے پکارا کہ اے بندگانِ خدا۔ نماز کو چلو تو لوگ درخت اور ڈھالوں کے نیچے سے نکلے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔"

رات کو ہادی برحق تو بارگاہِ الوہیت میں سجدہ ریز ہو کر مناجات کر رہے تھے جیسا کہ مذکورہ روایت سے ظاہر ہے اور ادھر اللہ تعالیٰ کی رحمت ابرِ باراں بن کر برسی اور خوب برسی۔ بالائی حصوں سے پانی بہہ بہہ کر نشیب کے ریتیلے علاقوں میں آیا تو وہی ریتیلی زمین

—— اور جب ان کے سامنے ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو کہنے لگتے ہیں: "بس ہم نے سن لیا، ہم چاہتے تو ایسا ہی ہم بھی کہہ دیتے، یہ ہے ہی کیا سوائے اگلوں کی کہانیوں کے۔"

—— اور (وہ وقت بھی یاد دلایئے) جب (ان مشرکین نے) کہا تھا کہ اے اللہ اگر یہ (کلام) تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا کوئی اور درد ناک عذاب ہم پر لا۔

—— حالانکہ اللہ ایسا نہیں کرنے کا کہ انہیں عذاب دے جب تک کہ آپ ان میں موجود ہیں اور نہ اللہ ان پر عذاب لانے کا ہے اس حال میں کہ وہ استغفار کر رہے ہوں۔

—— اور اب کیوں نہ وہ ان پر عذاب نازل کرے جب کہ وہ مسجدِ حرام کا راستہ روک رہے ہیں حالانکہ وہ اس کے اہل نہیں ہیں۔ اس کے اولیاء تو اہلِ تقویٰ ہی ہو سکتے ہیں مگر اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔ (۸/۳۱-۳۴)

جس پر قدم نہ جمتے تھے اب پتھر کی طرح سخت ہو گئی۔ مسلمانوں نے بارش کا پانی چھوٹے چھوٹے حوض بنا کر ذخیرہ کر لیا تھا۔ یہ تائیدِ غیبی تھی کہ جس نے مسلمانوں کے حوصلے بلند کر دیئے۔ ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز سے فارغ ہو کر خطبہ عطا فرمایا جس کے ایک ایک لفظ سے فرزندانِ توحید کے قلوب میں جذبۂ جہاد موجزن ہو گیا۔ آپؐ نے جنگی نقطۂ نظر سے مسلمانوں کے تین دستے مرتب فرمائے۔ مہاجرین کا علم حضرت مصعبؓ بن عمیر کو عطا ہوا، خزرج کے علم بردار حضرت حبابؓ بن منذر مقرر ہوئے اور اوس کا علم حضرت سعدؓ بن معاذ کے سپرد ہوا۔ میدانِ جنگ کا پہلا حکم صادر ہوا "خاموشی سے کھڑے رہیں، حملہ کی ابتدا نہ کریں لیکن جب منکرینِ حق حملہ آور ہوں اور قریب آ جائیں تو تیروں کی بوچھاڑ سے دفاع کریں۔" پھر ہادیٔ برحقؐ عریش میں تشریف لے گئے۔ اور بارگاہِ رب العالمین میں عرض کیا "اے خداوندا! یہ قریش غرور و نخوت کے ساتھ

—— اور کعبہ کے پاس ان (مشرکین) کی نماز ہی کیا ہوتی ہے بس سیٹیاں بجاتے اور تالیاں پیٹتے ہیں، پس (اے منکرینِ حق) اب عذاب کا مزا چکھو بدلا اپنے کفر کا جو تم کرتے رہے ہو۔

—— بے شک جو لوگ کفر اختیار کیے ہوئے ہیں اپنے مال کو اس لیے خرچ کر رہے ہیں کہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکیں، سو یہ لوگ تو خرچ کرتے ہی رہیں گے لیکن وہی (اموال) ان کے حق میں حسرت بن جائیں گے، پھر یہ لوگ مغلوب ہو جائیں گے اور جو لوگ کفر اختیار کیے ہوئے ہیں انہیں دوزخ کی طرف اکھٹا کیا جائے گا۔ تاکہ اللہ ناپاکوں کو الگ کر دے پاکوں سے اور ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملا دے، پھر اس مجموعۂ (ناپاکی) کو دوزخ میں ڈال دے یہی لوگ تو ہیں خسارے میں رہنے والے۔ (۸/۳۷-۳۵)

تجھ سے لڑنے اور تیرے رسولؐ کو جھٹلانے آگئے ہیں تو نے جو مجھ سے نصرت کا وعدہ فرمایا ہے اسے پورا کر اور آج ہی ان کا خاتمہ کر دے۔"

غزوۂ بدر | مشرکینِ قریش رات ہی سے جنگ کے لئے بیتاب تھے مسلمانوں کی قلیل تعداد کے پیشِ نظر وہ اپنی فتح و نصرت کے زعم میں جھوم رہے تھے۔ لیکن ان میں چند ایسے بھی تھے جو جنگ کا جواز نہ پاتے تھے۔ ان ہی میں حکیم بن حزام تھے (بعد میں مسلمان بھی ہو گئے) وہ مشرکین کی فوج کے سردار عتبہ کے پاس گئے اور کہا "اگر آپ چاہیں تو آج کا دن آپ کی نیک نامی کی ابدی یادگار رہ جائے۔" عتبہ نے دریافت کیا۔ "وہ کیونکر؟" حکیم نے کہا۔ "قریش کا مطالبہ حضرمی کا خون ہے۔ وہ آپ کا حلیف تھا۔ آپ اس کا خونبہا ادا کر دیجئے۔ قتل و قتال کا جواز نہ رہے گا۔" عتبہ نیک نفس آدمی تھا راضی ہو گیا۔ لیکن اس بات کی منظوری کے لئے ابوجہل کی رائے بھی ضروری تھی۔ حکیم، عتبہ کا پیغام لے کر جب اس دشمنِ رسولؐ کے پاس پہنچے تو وہ ترکش سے تیر نکال کر جنگ کے لئے پھیلا رہا تھا۔ عتبہ کا پیغام سنتے ہی کہنے لگا۔ "ہاں عتبہ کی ہمت نے

___ (اے حبیبؐ!) آپ کہدیجئے ان (کافروں) سے کہ اگر یہ لوگ باز آجائیں گے تو جو کچھ پہلے ہوچکا ہے وہ (سب) انہیں معاف کر دیا جائے گا اور اگر وہی (عادت) دہراتے رہیں گے تو (جان لیں کہ ہمارا) معاملہ بھی اگلوں کے ساتھ گذر چکا ہے۔

___ اور (اے پیغمبرؐ!) (منکرین حق) سے لڑو یہاں تک کہ فساد باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کا ہو جائے، پھر اگر یہ باز آجائیں تو اللہ خوب دیکھنے والا ہے ان کے عملوں کو۔ (۸/ ۳۹-۳۸)

جواب دیدیا" عتبہ کے فرزند حضرت ابوحذیفہؓ ایمان لاچکے تھے اور وہ مسلمانوں کی صفوں میں شامل تھے اسی بنا پر ابوجہل نے اس بدگمانی کا اظہار کیا۔ اور پھر حضرمی کے بھائی عامر کو بلاکر کہنے لگا۔ "دیکھتے ہو تمہارا خون بہا تمہاری آنکھوں کے سامنے نکلا جاتا ہے۔" ابوجہل کے زہر آلود الفاظ سنتے ہی عامر نے عرب دستور کے مطابق اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے، گرد اڑائی اور اپنے مقتول بھائی حضرمی کا نعرہ زور سے بلند کیا۔ "واعمرہ! واعمرہ!!" عتبہ سردارِ فوج نے جب ابوجہل کا طعنہ سنا تو غیرت سے سخت برہم ہوگیا۔ کہنے لگا۔ "میدانِ جنگ بتادے گا کہ نامردی کا داغ کون اٹھاتا ہے۔" اور پھر اپنے بیٹے ولید اور شیبہ کو ساتھ لے کر میدان میں آگیا اور عرب طریقہ کے مطابق مسلمانوں کو للکار کر مبارزت طلب کی۔ کافر کی للکار سنتے ہی انصار میں سے حضرت عوفؓ، حضرت معاذؓ اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ مقابلے پر آگئے عتبہ کو معلوم ہوا کہ یہ انصار ہیں تو کہنے لگا۔ "تم لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں ہو،" پھر حضورِ اقدسؐ کو خطاب کرتے ہوئے کہنے لگا۔ "محمدؐ! یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں" لہٰذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بموجب مہاجرین سے حضرت حمزہؓ حضرت علیؓ اور حضرت عبیدہؓ میدان میں آگئے۔ تینوں حضرات خود پہنے ہوئے تھے۔ عتبہ نے کہا۔ "تم کون ہو؟" اور پھر ان کے نام سن کر کہنے لگا "ہاں اب ہمارا جوڑ ہے۔"

——— اور (اے نبیؐ!) اور اگر یہ روگردانی کئے رہیں تو جانے رہو کہ تمہارا رفیق اللہ ہے اور بہترین مددگار۔

——— اور جان لو کہ جو کچھ تمہیں بطور غنیمت حاصل ہو سو اس کا پانچواں حصہ اللہ اور رسول، اور قرابت داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کا ہے، اگر تم اللہ پر اور اس چیز پر ایمان رکھتے ہو جسے ہم نے اپنے بندہ (محمدؐ) پر نازل کیا تھا فیصلہ (جنگ بدر) کے دن، جس دن کہ دونوں جماعتیں مقابل ہوئی تھیں) اور اللہ ہر شئے پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔
(۸/۴۱-۴۰)

عرب دستور کے مطابق دونوں فوجیں اپنی اپنی جگہ پر کھڑی رہیں اور مبارزت کا آغاز ہوا۔ دیکھتے ہی دیکھتے حضرت حمزہؓ نے اپنے مخالف عتبہ کو اور حضرت علیؓ نے ولید کو ٹھکانے لگا دیا۔ مگر حضرت عبیدہؓ اپنے حریف شیبہ کے ہاتھوں زخمی ہو گئے لہٰذا حضرت علیؓ اُن کی جگہ شیبہ کے مقابلے پر پہنچ گئے اور اس کو بھی جہنم رسید کر دیا۔ اور حضرت عبیدہؓ کو اپنے کاندھوں پر اٹھائے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو گئے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے عرض کیا "یارسولؐ اللہ! کیا میں شہادت سے محروم رہا؟" آپؐ نے فرمایا۔ "نہیں، تم شہید ہو" ابو عبیدہؓ کہنے لگے "اگر آج ابو طالبؓ زندہ ہوتے تو تسلیم کرتے کہ ان کے اس شعر کا مستحق میں ہوں۔" اور پھر شعر پڑھا۔

ونسلمہٗ حتیٰ نصرّع حولہ ونذھل عن ابنائنا والحلائل

(ہم محمدؐ کو اس وقت دشمنوں کے حوالے کریں گے جب ان کے گرد لڑکر مر جائیں گے اور ہم اُن کے لئے اپنے بیٹوں کو بھول جاتے ہیں۔)

ادھر تو حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عریش میں یہ گفتگو ہو رہی تھی ادھر سعید بن العاصؓ کا بیٹا عبیدہ تینوں مشرکین کی موت سے مشتعل سرتاپا لوہے کی زرہ اور خود میں محفوظ مسلمانوں کی صفوں کے مقابل آکر للکارا۔ "میں ہوں ابوکرش"۔ حضرت زبیرؓ یک لخت اس کے مقابلے کو پہنچ گئے اور تاک کر اس کی آنکھوں میں ایسی برچھی ماری کہ وہ اندر تک پیوست ہوتی چلی

ـــــ اور (یاد کرو وہ وقت) جب کہ تم (میدانِ جنگ کے) نزدیک والے کنارے پر تھے اور وہ دور والے کنارے پر اور قافلۂ (تجارت) تم سے نیچے کی جانب کو تھا، اور اگر تم (اور وہ کافر) وقت مقرر کرتے تو ضرور اس تقرر کے بارے میں تم میں اختلاف ہو جاتا۔ لیکن (لڑائی بلا قصد ٹھن گئی) تا کہ اللہ اس امر کو پورا کر دے جو ہو کر رہنا تھا تا کہ جسے ہلاک ہونا ہے وہ دلیلِ روشن کے ساتھ ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے وہ دلیل روشن کے ساتھ زندہ رہے۔ یقیناً اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔

(۸/۴۲)

گئی اور وہ سرتاپا لوہے میں ڈوبا ہوا مشرک زمین پر تڑپنے لگا۔ کفارانِ قریش نے جو اپنے سورماؤں کو اس طرح قتل ہوتے اور زمین پر تڑپتے دیکھا تو یکبارگی مسلمانوں پر حملہ کر دیا اور اس طرح عام جنگ شروع ہو گئی۔ مہاجر اور انصار ہر دو جامِ شہادت کے طلبگار تھے۔ موت سے بے خوف دشمن پر جھپٹ رہے تھے۔ انصار میں سے معاذ اور معوذ دو جوان جو عفراؔ کے بیٹے تھے عہد کر کے آئے تھے کہ ابوجہل کو قتل کر کے دم لیں گے خواہ ان کی جان چلی جائے۔ لیکن دونوں میں سے کسی نے اس کو نہ دیکھا تھا گو اس دشمنِ رسول کی بہت سی ظالمانہ باتیں سن رکھی تھیں۔ جنگ کے دوران دونوں میں سے ایک نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے پوچھا "ابوجہل کہاں ہے؟" انہوں نے اشارہ کیا ہی تھا کہ دونوں جوانوں نے اس دشمنِ حق پر ایسا بھرپور حملہ کیا کہ وہ ظالم دشمنِ رسول زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ ابوجہل کے بیٹے نے جو یہ منظر دیکھا تو فوراً عقب سے آ کر معاذ کے اوپر تلوار کا وار کیا جس سے ان کا بازو کٹ گیا گو تسمہ باقی رہا۔ اس مجاہدِ بدر نے کٹے ہوئے ہاتھ کو پاؤں کے نیچے دبا کے تسمہ بھی الگ کر دیا اور ایک ہی ہاتھ سے تلوار اٹھائے ہوئے عکرمہ کا تعاقب کیا مگر وہ بچ کر نکل گیا۔ حضرت امیر حمزہؓ علیؓ اور زبیرؓ بھی شیروں کی طرح لپک لپک کر دشمنانِ حق پر حملے کر رہے تھے۔ حضور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عرش میں سے ہدایات بھی دیتے اور بارگاہِ رب العالمین

—— (اور وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے) جب اللہ نے آپ کے خواب میں آپ کو وہ لوگ کم دکھلائے۔ اور اگر (اللہ) انہیں آپ کو زیادہ دکھا دیتا تو تم لوگ ہمت ہار جاتے اور آپس میں جھگڑنے لگتے اس باب میں، لیکن اللہ نے (تم کو) بچا لیا بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔

—— (اور وہ وقت بھی یاد کرو) جب کہ اس نے ان لوگوں کو تمہاری نظروں میں کم کر کے دکھلایا اور ان کی نگاہ میں تمہیں کم کر کے تاکہ اللہ اس امر کو پورا کر دے جو ہو کر رہنا تھا اور اللہ ہی کی طرف سارے امر رجوع ہوں گے۔

—— (اے ایمان والو!) جب کسی فوج سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کی یاد بہت کرو تاکہ تم مراد کو پہنچو۔ (۸/۴۵-۴۳)

میں دعائیں بھی کرتے تھے۔ ایک مقام پر آپؐ نے حضرت ابو بکرؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔ "اے ابو بکرؓ! خوش ہو جاؤ کہ تمہارے پاس اللہ کی امداد آ گئی یہ جبرئیل ہیں گھوڑے کی باگ تھامے ہوئے۔"

حضرت عمرؓ کے آزاد کردہ مہجع پہلے مسلمان تھے کہ ان کے ایک تیر آ کر ایسا لگا کہ شہید ہو گئے۔ حارثہ بن سراقہ حوض پر پانی پینے لگے تھے کہ ایک تیر ان کے گلے کو چھیدتا ہوا نکل گیا اور وہ بھی شہید ہو گئے۔ جنگ ہر لمحہ تیز سے تیز تر ہو رہی تھی۔ تلواروں کی جھنکار تھی اور دلیروں کی للکار۔ احمد مختار نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے باآواز بلند فرمایا۔ "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے آج جو بھی شخص ان لوگوں سے جنگ کرے گا اور صبر سے ثواب سمجھ کر قتل ہو جائے گا۔ آگے بڑھتا ہوا ہو گا پیٹھ پھیرنے والا نہ ہو گا تو اللہ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔" پھر کچھ دیر آپؐ نے توقف فرمایا عریش سے باہر نکلے مٹھی بھر کنکریاں اٹھا کر کفارِ قریش کی طرف پھینکیں اور فرمایا۔

—— اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور آپس میں جھگڑو نہیں کہ پھر بزدلی کرو گے اور تمہاری بندھی ہوئی ہوا جاتی رہے گی، اور صبر کرو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

—— اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھلانے کے لئے نکلے، اور (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روکتے تھے حالانکہ اللہ ان کے اعمال کو احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔ (۸/۴۷-۴۶)

شَاہَتِ الوُجُوہ (چہرے بگڑ جائیں) اور اصحاب کو حکم دیا "حملہ کرو حملہ کرو"۔ دیکھتے ہی دیکھتے دشمنانِ حق کے قدم اکھڑ گئے۔ ان کے بڑے بڑے سورما جہنم رسید ہو چکے تھے۔ میدانِ جنگ چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ مسلمانوں کے حوصلے اور بڑھے۔ انہوں نے بڑھ بڑھ کر دشمنانِ حق کو قتل اور قید کرنا شروع کر دیا۔ اور اب فتح و نصرت مجاہدینِ حق کے قدم چوم رہی تھی۔ دشمنانِ رسولؐ میں سے ستر قتل کئے گئے اور اسی قدر اسیر ہوئے باقی میدانِ جنگ سے فرار ہو گئے۔ مسلمانوں کی طرف سے چھ مہاجر اور آٹھ انصار نے جامِ شہادت نوش فرمایا۔ "اور جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں، ہاں تمہیں ان کا شعور نہیں" (۲/۱۵۴)

شہداء اور مقتولانِ مشرکین کی تدفین

جنگ ختم ہو گئی دشمنانِ حق میدانِ جنگ سے فرار ہوئے جگہ جگہ مشرکین کے لاشے بکھرے پڑے تھے۔ مسلمان اپنے شہداء کو میدان سے اٹھا کر لے گئے تھے اور ان کی تدفین کا اہتمام ہو رہا تھا۔ ہادی برحق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کے متعلق معلوم کیا تو عبداللہ ابنِ مسعودؓ پھر میدان کی طرف چل دیئے۔ دیکھا کہ ایک مقام پر ابوجہل پڑا دم توڑ رہا ہے۔ ابوجہل نے حضور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے کے علاوہ صحابہ کرام کو بھی سخت اذیتیں دی تھیں عبداللہ ابنِ مسعودؓ بھی ان ہی میں سے تھے۔

___ اور (وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے) جب شیطان نے ان کی نگاہ میں ان کے کام بھلے کر دکھائے اور بولا آج تم پر کوئی شخص غالب آنے والا نہیں اور میں تمہارا حامی ہوں، پھر جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے تو الٹے پاؤں بھاگا اور کہنے لگا میں تم سے بری الذمہ ہوں میں وہ دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھ سکتے، میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ کا عذاب سخت ہے۔

___ اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب منافق اور جن کے دلوں میں (شک کی) بیماری تھی یہ کہہ رہے تھے کہ ان لوگوں کو ان کے دین نے گھمنڈ میں ڈال دیا ہے۔ اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔ (۸/۴۹-۴۸)

دشمنِ حق کو اس طرح پڑے ہوئے دیکھ کر بولے۔ "کیا تو ہی ابوجہل ہے؟" اس کی جان لبوں تک آچکی تھی بولا۔ "ایک شخص کو اس کی قوم نے قتل کر دیا تو فخر کی کیا بات ہے۔"

حضرت عبداللہ ابنِ مسعود نے واپس آکر ہادی مرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر سنائی۔

آپؐ نے فرمایا۔ "الحمدللہ"

جب مسلمان شہدائے بدر کی تدفین سے فارغ ہو چکے تو محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ دشمنانِ حق کے مقتولوں کی بھی تدفین کی جائے۔ چونکہ اس طرح لاشوں کا پڑا رہنا انسانی حرمت کے منافی تھا۔ یہاں دوست اور دشمن کا فرق نہیں بلکہ انسانی حرمت مقصود تھی۔ لہٰذا سرورِ کائنات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے بموجب ایک گڑھے میں منکرینِ حق کے لاشے ڈال کر ان کی تدفین کی گئی۔ امیہ بن خلف کی لاش زرہ کے اندر پھول گئی تھی

— اور کاش! آپ دیکھیں (وہ منظر) جب فرشتے کافروں کی جان نکالتے ہیں، مار رہے ہوتے ہیں ان کے منہ پر اور ان کی پیٹھ پر اور (کہتے جاتے ہیں کہ اب) آگ کا مزا چکھو۔ یہ بدلا ہے اس کا جو کچھ تمہارے ہاتھوں نے سمیٹا ہے۔ اور اللہ ہرگز ظالم نہیں ہے بندوں کے حق میں۔

— ان کی حالت ایسی ہے جیسے فرعون والوں کی اور ان لوگوں کی تھی جو ان سے قبل تھے (کہ) انہوں نے آیاتِ الٰہی سے کفر کیا سو اللہ نے انہیں پکڑ لیا ان کے (ان) گناہوں پر۔ بے شک اللہ بڑی قوت والا ہے سخت سزا دینے والا ہے۔ (۸/۵۲-۵۰)

جب اس کو اٹھانے لگے تو اس کا جوڑ جوڑ الگ ہو گیا چنانچہ اس کی لاش کو اسی حالت میں اسی مقام پر مٹی اور پتھر ڈال کر چھپا دیا گیا۔

تیسرے روز ہادی برحق نبی محتشم صلی اللہ علیہ وسلم مدفن کے علاقہ میں تشریف لے گئے۔ مشرکینِ قریش کو جس گڑھے میں دفن کیا گیا تھا اس کے کنارے کھڑے ہو کر آپؐ نے ارشاد فرمایا۔"

"اے گڑھے والو! اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ، اے ابوجہل بن ہشام .... (آپؐ نے بیشتر کے نام اسی طرح پکارے اور کہا) "تم اپنے نبیؐ کے لئے اس کی قوم کے برے لوگ تھے، تم نے مجھے جھٹلایا، دوسرے لوگوں نے میری تصدیق کی اور تم نے مجھے گھر سے نکالا دوسرے لوگوں نے مجھے پناہ دی اور تم نے مجھ سے جنگ کی، دوسروں نے مدد کی، تمہارے پروردگار نے جو کچھ وعدہ فرمایا تھا میں نے اسے سچا پایا۔"

صحابہ کرام نے جو آپؐ کے قریب ہی کھڑے تھے عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! کیا آپؐ ایسے لوگوں کو پکار رہے ہیں جو سڑ گئے ہیں۔" آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

"یہ (سب) اس لئے ہے کہ اللہ کسی نعمت کو جس کا انعام وہ کسی قوم پر کر چکا ہو نہیں بدلتا۔ جب تک کہ وہی لوگ اس کو نہ بدل دیں جو کچھ ان کے پاس ہے" اور بے شک اللہ خوب سننے والا ہے خوب جاننے والا ہے۔ (۸/۵۳)

"میں جو کچھ کہہ رہا ہوں تم ان سے زیادہ سننے والے نہیں لیکن وہ لوگ مجھے جواب دینے کی قدرت نہیں رکھتے۔"

بدر سے واپسی اور حضرت رقیہؓ کی وفات

حق سبحانہ تعالیٰ نے جس دن مسلمانوں کو غزوۂ بدر میں فتح و نصرت سے نوازا تھا اسی دن حضرت یزیدؓ بن حارثہ نے مدینہ آکر مسلمانوں کو یہ مژدہ سنادیا تھا۔ اور اسی دن حضور سرورِ کائنات نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ نے وفات پائی۔ بدر کی روانگی سے قبل سیدہ کے دانے نکل آئے تھے اسی لئے ان کے شوہر حضرت عثمانؓ ابن عفان کو آپؐ نے ان کی تیمارداری کے لئے مدینہ میں چھوڑ دیا تھا۔ چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد میں تاخیر تھی لہٰذا آپؐ کی عدم موجودگی میں تدفین کر دی گئی۔ آپؐ جوں ہی بدر سے واپس مدینہ پہنچے تو یہ غمناک خبر ملی۔ نہایت رنجیدہ ہوئے فوری جنت البقیع میں بیٹی کی قبر پر تشریف لے گئے۔ آپؐ نے قبرِ اقدس کے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا۔ "عثمانؓ ابن مظعون پہلے جا چکے اب تم بھی ان کے پاس چلی جاؤ۔" حضرت عثمان ابن مظعون کا کچھ ہی عرصہ قبل انتقال ہوا تھا۔ وہ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے متعلق ہونے کے ساتھ ساتھ آپؐ کے دودھ شریک بھائی بھی رہے تھے۔ حضور اقدسؐ کی زبان سے جو مذکورہ جملہ ادا ہوا تو عورتوں میں کہرام مچ گیا۔ حضرت عمرؓ کوڑا لے کر اٹھے تو محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "رونے میں کچھ حرج نہیں لیکن نوحہ و بین شیطانی حرکت ہے۔" خاتونِ جنت سیدہ فاطمہؓ بھی موجود تھیں روتی جاتی تھیں اور آپؐ ان کے آنسو پونچھتے

——— ان کی حالت فرعون والوں کی سی ہے اور ان لوگوں کی سی جو ان سے پہلے ہوئے ہیں کہ انہوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کو جھٹلایا، سو ہم نے ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کر دیا اور ہم نے فرعون والوں کو تو غرق ہی کر دیا اور وہ سب کے سب ظالم تھے۔ (۵۴/۸)

جاتے تھے۔

مالِ غنیمت کی تقسیم کا مسئلہ بدر سے واپس ہوتے ہوئے مسلمانوں کے لشکر میں مالِ غنیمت سے متعلق مسئلہ ایک سنگین صورت اختیار کر گیا۔ عربوں میں زمانۂ جاہلیت سے طریقہ چلا آرہا تھا کہ جو شخص جنگ میں جس کو قتل کرتا اس کا مال بھی اسی کی ملکیت ہو جاتا۔ اسی طرح جو کوئی کسی دوسرے کو قید کرتا تو وہ اسی کا قیدی کہلاتا۔ لوٹ مار کے دوران جو جس کے ہاتھ آجاتا اسی کا ہوتا۔ اس وقت تک مسلمانوں کے لئے کوئی مخصوص احکام نہ تھے۔ لہٰذا شرکائے بدر نے زمانۂ جاہلیت کے مطابق مالِ غنیمت پر اپنے حقوق جتلائے۔ لیکن یہ جنگ ایک نئے جذبے اور نئے ولولے کے تحت لڑی گئی تھی۔ ان میں ایک گروہ وہ بھی تھا جس نے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گرد حصار بنا رکھا تھا جس کی بنا پر دشمن کو آپؐ کے قریب آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ دوسرا گروہ ان مجاہدین کا بھی تھا کہ جب دشمن میدانِ جنگ سے بھاگا تو ان حضرات نے مالِ غنیمت لوٹنے کے بجائے دشمن کا بھرپور تعاقب کیا تھا۔ جس کی بنا پر دشمن کو پلٹ کر حملہ کرنے کا موقع ہی نہ ملا۔ تیسرا گروہ ان حضرات کا تھا جنہوں نے مالِ غنیمت پر بھی قبضہ کیا تھا اور قیدی بھی بنائے تھے۔ ہر فریق اپنا اپنا حق جتا رہا تھا۔ بات اس درجہ بڑھی کہ تلخی بھی نمایاں ہونے لگی۔ کچھ یہی حالات تھے کہ درج بالا سورۂ مبارکہ کا نزول ہوا اور ابتدا اسی تنازعہ سے کی گئی۔ حبیبؐ ربانی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرتے ہوئے ارشادِ ربانی ہوا۔ آپؐ سے انفال کے متعلق پوچھتے ہیں، کہہ دیجئے کہ یہ انفال تو اللہ

ــــ بے شک بدترین حیوانات اللہ کے نزدیک وہ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور ایمان نہیں لاتے۔

ــــ وہ (لوگ) جن سے آپ نے بار بار عہد لیا تھا، پھر ہر بار اپنا عہد توڑ دیتے ہیں اور ڈرتے نہیں۔ سو اگر آپ انہیں جنگ میں پا جائیں تو ان کی ایسی خبر لیں کہ ان کے بعد جو دوسرے لوگ ان کی راہ اختیار کرنے والے ہوں ان کے حواس اڑ جائیں۔ امید ہے کہ بدعہدوں کے اس انجام سے وہ سبق لیں گے۔ اور اگر آپ کو کسی قوم سے دغا کا اندیشہ ہو تو ان کا عہد ان کی طرف پھینک دو اعلانیہ طور پر۔ بیشک دغا کرنے والے (خائن) کو اللہ پسند نہیں کرتا۔ (۸/۵۵-۵۸)

اور اس کے رسولؐ کے ہیں۔" اللہ اکبر۔ سارے تنازعہ کا حل اسی ابتدائی جملے میں بتا دیا گیا۔ لوگ اپنا اپنا حق جتا رہے تھے۔ حکمِ ربّی سُنا تو ہر ایک نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ لہٰذا ہادی برحق کے حکم کے بموجب تمام مالِ غنیمت لشکرِ اسلام کے ہر فرد نے یکجا جمع کر دیا۔ عبداللہ بن کعب کو مالِ غنیمت کا نگراں مقرر کیا گیا۔ بعد میں آیت نمبر ۴۱ میں بیان کردہ حکم ربّی کے بموجب کل مال غنیمت کا پانچواں حصّہ الگ کر دیا گیا جس کے حقدار تھے اللہ اور اس کا رسولؐ، آپؐ کے رشتے دار، یتامیٰ، مساکین اور مسافر۔ دکھی اور محروم انسانیت کی فلاح و بہبود کی طرف یہ ایک بھرپور قدم تھا۔ چونکہ یتامیٰ، مساکین اور مسافروں کو اللہ کے رسولؐ اور آپؐ کے رشتہ داروں کے ساتھ شامل کر دینے کا مقصد درحقیقت انسانی عظمت کا تحفظ تھا تاکہ کوئی ان مجبور و لاچار انسانوں کو نہ تو نظرانداز کرے اور نہ ان پر حقارت کی نظر ڈالے۔ باقی ماندہ مالِ غنیمت کو مہاجرین اور انصار میں مساوی طور پر تقسیم کر دیا گیا۔ ہر ایک خوش و خرم تھا کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ کی بارگاہ سے وہ انعام و اکرام سے نوازا گیا۔ نہ تلخی رہی اور نہ رنجش ہر ایک کو اس کی قربانی اور ایثار کا صلہ مل گیا۔

—— اور منکرین حق اس خیال میں نہ رہیں کہ وہ بچ گئے، یقیناً وہ لوگ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے۔

—— اور ان سے مقابلہ کے لئے تم سے جس قدر بھی ہو سکے سامان درست رکھو، قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے جس کے ذریعہ سے تم اپنا رعب رکھتے ہو اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر۔ اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی کہ تم انہیں نہیں جانتے، اللہ انہیں جانتا ہے۔ اور جو کچھ بھی تم اللہ کی راہ میں خرچ کروگے وہ تمہیں پورا پورا دے دیگا اور تمہارے لئے ذرا بھی کمی نہ ہوگی۔ (۸/۶۰-۵۹)

قیدیوں کے ساتھ آپؐ کا برتاؤ

بدر سے واپسی پر مدینہ میں حضور محسن انسانیت نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مشرکین قریش کے قیدی پیش کئے گئے۔ ان قیدیوں میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا عباس، حضرت علیؓ کے بھائی عقیل، آپؐ کے داماد حضرت زینبؓ کے شوہر ابو العاص، حضرت مصعبؓ بن عمیر کے حقیقی بھائی ابو عزیز بن عمیر اور آپؐ کی زوجہ محترمہ حضرت سودہؓ بنت زمعہ کے ایک قریبی عزیز ابو یزید سہیل بن عمرو بھی تھے۔ اس وقت حضرت سودہؓ بنت زمعہ، حضرت عفراء اور ان کے رشتہ داروں کے پاس عوفؓ اور معوذؓ کی تعزیت کے لئے گئی ہوئی تھیں جو حضرت عفراء کے بیٹے تھے اور بدر میں درجۂ شہادت پا چکے تھے۔ واپس ہوئیں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قیدیوں کو دیکھا۔ جب ان کی نظر ابو یزید سہیل بن عمرو پر پڑی جن کے دونوں ہاتھ رسی سے گردن میں بندھے ہوئے تھے۔ تو اپنے دل پر قابو نہ پا سکیں، کہنے لگیں۔

"اے ابو یزید! تم لوگوں نے قیدی بننا قبول کر لیا عزت کی موت کیوں نہ مر گئے۔"

آپؐ نے حیرت سے زوجۂ محترمہ کی طرف دیکھا اور ارشاد فرمایا۔ "اے سودہؓ! کیا عزوجل والے اللہ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت پر ابھار رہی ہو۔" اب حضرت

—— اور (اے حبیبؐ!) اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو (آپ کو اختیار ہے کہ) آپ بھی اس طرف جھک جائیں، اور اللہ پر بھروسہ رکھئے —— بے شک وہ خوب سُننے والا ہے

—— اور (اے نبیؐ!) اگر وہ لوگ آپ کو دھوکہ دینا چاہیں تو اللہ آپ کے لئے کافی ہے۔ وہ وہی ہے جس نے آپ کو نصرت اور مومنین کے ذریعہ سے قوّت دی۔ اور اس نے ان کے قلوب میں اتفاق پیدا کر دیا، اگر آپ دنیا بھر کا مال خرچ کر ڈالتے جب بھی ان کے قلوب میں اتحاد نہ پیدا کر سکتے تھے، لیکن اللہ نے ان میں اتحاد پیدا کر دیا۔ بے شک وہ بڑا قدرت والا بڑا باحکمت ہے۔ (۸/٦۳-٦۱)

سودہؓ کو اپنی غلطی کا احساس ہوا عرض کیا۔ "یا رسول اللہ! اس ذات کی قسم جس نے آپؐ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ میں نے جب ابویزید کو اس حال میں دیکھا تو اپنے آپ کو سنبھال نہ سکی۔" حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار کی اور بعدہٗ چار چار اسیرانِ جنگ کو صحابۂ کرام کی سپردگی میں دیدیا اور ارشادِ عالی ہوا کہ تاوقتیکہ کوئی مناسب فیصلہ ہو تمام قیدی آرام کے ساتھ رکھے جائیں۔

قیدیوں میں سہیل بن عمرو نامی ایک اور شخص بھی تھا جو حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تقریریں کیا کرتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ "اے اللہ کے رسولؐ اس کے نیچے کے دو دانت اکھڑوا دیجئے کہ پھر اچھی طرح تقاریر نہ کر سکے۔" آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ "اگر میں اس کے اعضاء بگاڑ دوں گا تو گو اللہ کا نبی ہوں لیکن اس کی پاداش میں اللہ میرے اعضاء بھی بگاڑ دے گا۔"

اور یہ بھی آپؐ کی تعلیمات کا فیضان تھا کہ صحابۂ کرام نے تمام اسیرانِ جنگ کو انتہائی عزت و احترام کے ساتھ رکھا۔ خود نہ کھاتے لیکن اپنے قیدی کو اچھی طرح کھلاتے۔ ابوعزیز بن عمیر کا بیان ہے کہ مجھے جن انصاریوں کی قید میں دیا گیا تھا

— اے نبی! آپ کے لئے اللہ کافی ہے اور مومنین بھی جنہوں نے آپ کا اتباع کیا ہے۔ (۸/۶۴)

وہ صبح و شام کھانا لاتے تو روٹیاں میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں کھا کر گزارا کر لیتے جس کی بنار پر مجھے شرم آتی میں روٹی ان کے ہاتھ میں دیدیتا لیکن وہ روٹی کو ہاتھ بھی نہ لگاتے مجھے واپس کر دیتے۔

ایک دن ہادی برحق صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا کہ اسیران جنگ کے معاملے میں کیا کیا جائے۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا۔ "سب اپنے ہی عزیز و اقارب ہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے شاید کہ یہ لوگ ایمان سے فیضیاب ہو جائیں۔"

حضرت عمرؓ نے عرض کیا کہ سب قتل کر دیئے جائیں حضرت عبداللہ بن رواحہ انصار میں سے تھے اور یہود مدینہ کے جنگی اصولوں سے آگاہ تھے کہنے لگے کہ تمام قیدی جلا ڈالے جائیں۔

رحمت مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم نے فدیہ کی رقم چار ہزار درہم مقرر فرمائی۔ جو لوگ بوجہ ناداری فدیہ ادا کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے وہ چھوڑ دیئے گئے۔ قیدیوں میں سے جو لکھنا جانتے تھے ان کے لئے حکم ہوا کہ وہ دس دس بچّوں کو لکھنا سکھا دیں چھوڑ دیئے جائیں گے۔

انصار نے عرض کیا۔ "عبّاس ابنِ مطلب ہمارے بھانجے ہیں ہم ان کا فدیہ چھوڑ دیتے ہیں۔" لیکن آپؐ نے مساوات کی بنار پر اس کی اجازت نہ دی۔ اگر قربت کا لحاظ رکھنا ہوتا تو آپؐ کے تو وہ چچا تھے۔ عباس ابنِ مطلب دولت مند تھے انہوں نے اپنا زرِ فدیہ بھی ادا کیا اور عقیل ابنِ ابو طالب کا بھی۔ آپ کی صاحبزادی نے اپنے شوہر ابوالعاص کی رہائی کے لئے فدیہ میں وہ ہار بھیجا جو ام المومنین حضرت خدیجہؓ نے بیٹی کو جہیز میں دیا تھا۔ آپؐ کی نظر جو اس ہار پر پڑی تو آبدیدہ ہو گئے حضرت خدیجہؓ کی محبّت عود کر آئی۔ ارشاد فرمایا۔ "اے مسلمانو! اگر تمہاری خوشی ہو تو بیٹی کو اس کی

— اے نبیؐ! مؤمنین کو قتال پر آمادہ کیجئے۔ اگر تم میں سے بیس آدمی بھی ثابت قدم ہوں گے تو دو سو پر غالب رہیں گے اور اگر تم میں سے سو ہوں گے تو ایک ہزار کافروں پر غالب آجائیں گے اس لئے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو کچھ نہیں سمجھتے۔ (۸/۶۵)

ماں کی یادگار واپس کر دو۔" مجاہدینِ حق نے وہ ہار واپس کر دیا۔ ابو العاص رہا ہو کر مکہ چلے گئے۔ لیکن اسی واقعہ سے متاثر ہو کر حضرت زینبؓ کو مدینہ باپؐ کے پاس روانہ کر دیا۔ اور کچھ عرصہ بعد خود بھی دامنِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہو کر فرزندانِ توحید میں شامل ہو گئے۔

صدقۂ عید الفطر اور دوگانۂ عید بدر سے واپس ہوئے تو رمضان المبارک کا آخری عشرہ شروع ہو چکا تھا مسلمان عبادت و ریاضت میں پھر اسی خشوع و خضوع کے ساتھ مصروف ہو گئے۔

ایک مقام پر حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "جب ماہِ رمضان المبارک آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔" ایک اور موقع پر آپؐ نے تلقین فرمائی "سحری کھاؤ اس لئے کہ سحری کھانے میں برکت ہے۔" حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کی راتوں میں نماز پڑھتے تھے ایک دن انہوں نے دیکھا تو بازو میں کھڑے ہو گئے۔ پھر ایک اور شخص آیا وہ بھی شامل ہو گیا اس طرح آپؐ کے پیچھے خاصی بڑی جماعت ہو گئی آپؐ نے دیکھا کہ آپؐ کے پیچھے خاصی بڑی جماعت ہو گئی ہے تو آپؐ نے نماز ہلکی کی اور پھر اپنے گھر تشریف لے گئے۔ بعد میں آپؐ نے اہتمام کیا کہ کسی کے سامنے رات میں نماز نہ پڑھتے تھے۔

رمضان المبارک کا مہینہ ختم ہوا تو اس مرتبہ آپؐ کے حکم کے بموجب عید الفطر

—— اب (اے مومنو!) اللہ نے تم پر تخفیف کر دی اور معلوم کر لیا کہ تم میں جوش کی کمی ہے۔ سو (اب) اگر تم میں سے سو ثابت قدم ہوں تو دو سو پر غالب آجائیں گے۔ اور اگر تم میں سے ہزار ہوں تو دو ہزار پر غالب رہیں گے اللہ کے حکم سے۔ اور اللہ ثابت قدموں کے ساتھ ہے۔

—— نبی کی شان کے لائق نہیں کہ اس کے (قیدی) باقی رہیں جب تک وہ زمین میں اچھی طرح خونریزی کی جنگ نہ کرے۔ تم لوگ تو دنیا کا مال و اسباب چاہتے ہو، اور اللہ (تمہارے لئے) آخرت کو چاہتا ہے، اور اللہ بڑی قوت والا باحکمت ہے۔ (۸/۶۷-۶۶)

کی نماز با جماعت عیدگاہ میں ادا کی گئی اس سے قبل عید کی نماز نہ ہوئی تھی محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ عید الفطر کا بھی حکم جاری فرمایا کہ مفلس اور مفلوک الحال لوگوں کی خدمت بھی عبادتِ الٰہی ہے۔ آپؐ نے ایک خطبہ بھی دیا جس میں صدقۂ عید الفطر کے فضائل بیان فرمائے۔

حضرت عائشہؓ کی رخصتی حضرت عائشہؓ کے ساتھ گو آپؐ کا نکاح ہجرت سے قبل ہی ہو چکا تھا لیکن ابھی تک رخصتی نہ ہوئی تھی۔ اسی سال ماہِ شوال میں رخصتی کر دی گئی۔ گو عمر کچھ زیادہ نہ تھی لیکن اٹھان اچھی تھی اور اب آپ باقاعدہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں داخل ہو گئیں۔

غزوۂ بنی قینقاع گو حضور محسنِ انسانیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کاوشوں سے مدینہ کے یہودیوں سے معاہدۂ دوستی ہو چکا تھا لیکن بدر میں مسلمانوں کی کامیابی پر بہت سے یہودی خوش نہ تھے۔ بالخصوص بنی قینقاع بڑے چراغ پا تھے اور اکثر حاسدانہ باتیں کرتے تھے۔ شوال ۲ھ کا مہینہ تھا۔ ابھی غزوۂ بدر کو کم و بیش ایک ماہ کا عرصہ ہوا تھا کہ بنی قینقاع کے بازار میں ایک ایک یہودی نے ایک مسلمان عورت سے فحش مذاق کر کے اس کی بے حرمتی کی۔

— اگر اللہ ہی کا ایک قانون پہلے سے نہ ہوتا تو جو امر تم نے اختیار کیا اس کے بارے میں تم پر کوئی سخت سزا نازل ہوتی۔ (۳/۶۸)

ایک مسلمان بھی اس وقت بازار سے گذر رہا تھا۔ اس نے عورت کی مظلومیت اور بے حرمتی کو دیکھا تو جوشِ غضب میں اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکا اور اس یہودی پر ایسا وار کیا کہ وہ وہیں ختم ہو گیا۔ یہودیوں نے جو اپنے ہم مذہب کو اس طرح دم توڑتے دیکھا تو سب اس مسلمان پر ٹوٹ پڑے اور اس کو قتل کر دیا۔ اس واقعہ سے بنی قینقاع اور مسلمانوں کے درمیان مخالفت کی سخت آگ بھڑک اٹھی۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم معاملہ کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے خود بہ نفسِ نفیس بنی قینقاع کے پاس تشریف لے گئے۔ بنی قینقاع یہودیوں میں سب سے زیادہ جری اور بہادر تھے۔ انہیں اپنی قوت اور ہتھیاروں پر بھی بڑا ناز تھا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تیور دیکھتے ہوئے انہیں اللہ کا خوف دلایا تو کہنے لگے۔ "ہم قریش نہیں ہم سے معاملہ پڑے گا تو دکھا دیں گے کہ لڑائی اس کا نام ہے۔" بنی قینقاع کا جواب نہ صرف معاہدۂ امن کی خلاف ورزی تھا بلکہ ایک طرح کا اعلانِ جنگ بھی۔ ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے۔ صحابہ کرام سے مشورہ کیا اور پھر شوال ہی کے مہینہ میں ان کے مقابلے کے لئے نکلے۔ بنی قینقاع نے قلعہ بند ہو کر مقابلہ کرنے کی ٹھانی۔ لیکن مسلمان آہنی دیوار کی مانند ان کا محاصرہ کئے رہے۔ پندرہ یوم کے محاصرہ سے وہ لوگ عاجز آ گئے۔ عبداللہ بن ابی ان کا حلیف تھا اس نے حضرت نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی سفارش کر کے آپ کو اس بات پر راضی کر لیا کہ بنی قینقاع مدینہ چھوڑ کر چلے جائیں۔ لہٰذا اس معاہدہ کے تحت بنی قینقاع شام کے علاقہ میں جا کر آباد ہو گئے۔

غزوۂ سویق — ابوسفیان اُس قافلۂ تجارت کا سردار تھا جو کہ غزوۂ بدر سے قبل شام سے واپس آتے ہوئے مدینہ کے قریب سے گذرا تھا۔ چونکہ ہادیٔ برحق

—— سو جو کچھ تم نے ان سے لیا ہے اس کو حلال سمجھ کر کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ بڑی مغفرت والا اور بڑی رحمت والا ہے۔

—— اے نبی ان قیدیوں سے کہہ دیجئے جو آپ کے ہاتھ میں ہیں کہ اگر اللہ کو تمہارے قلب میں نیکی کا علم ہوگا تو جو کچھ تم سے (بطور فدیہ) لیا گیا ہے اس سے بہتر تمہیں دے گا اور تمہیں بخشدے گا اور اللہ بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے۔ (۸/ ۷۰ - ۶۹)

صلی اللہ علیہ وسلم نے مالِ تجارت کے مقابلہ میں جہاد کو ترجیح دی تھی اسی لیے یہ قافلہ بخیر و عافیت مکہ پہنچ گیا تھا لیکن ان ہی دنوں میدانِ بدر میں مشرکین کی المناک شکست کی خبر بھی مل گئی تھی چنانچہ مکہ کا ہر گھر ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ مقتولینِ بدر کا انتقام لینے کے لیے مشرکینِ قریش کا بچہ بچہ مضطرب تھا۔ ابوسفیان خود انتقام کی آگ میں جل رہا تھا۔ اس نے عہد کیا کہ جب تک وہ مقتولین بدر کا انتقام نہ لے گا، نہ غسل جنابت کرے گا اور نہ سر میں تیل ڈالے گا۔ لہٰذا ذی الحجہ کے ماہ میں دو سو شتر سوار کا دستہ لے کر خاموشی سے مدینہ پہنچ گیا۔ اس کو قوی امید تھی کہ مسلمانوں کے خلاف مدینہ کے یہودی اس کی مدد کریں گے۔ لیکن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بصیرت افروزی اور روشن ضمیری نے بنی قینقاع کا پہلے ہی صفایا کر دیا تھا ورنہ وہ مارِ آستین اس موقعہ پر دشمنانِ حق کی ضرور مدد کرتے۔ ابوسفیان رات کی خاموشی میں خیبر کے یہودی سردار حیّ ابنِ اخطب کے پاس گیا لیکن اس نے دروازہ بھی نہ کھولا۔ مایوس ہو کر بنو نضیر کی آبادیوں میں ان کے سردار سلام بن مشکم کے پاس پہنچا۔ اس نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ ابوسفیان اور اس کی فوج کا استقبال کیا۔ اور خوب زوردار دعوت ہوئی شراب کے دور چلے۔ اس یہودی سردار نے مدینہ کے راز بھی بتائے۔ ابوسفیان نے پوچھے عریض پر حملہ کر دیا جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر تھا۔ ایک انصاری سعدؓ بن عمرو شہید ہوئے۔ چند مکانات اور گھاس کے انبار حملہ آوروں نے نذرِ آتش کر ڈالے۔

— اور اگر آپ سے دغا کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو اس سے قبل اللہ سے بھی دغا کر چکے ہیں، پھر اس نے انہیں گرفتار کرا دیا، اور اللہ بڑا علم والا اور با حکمت ہے۔ (۸/۷۱)

حضور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جونہی اطلاع ملی آپؐ نے مجاہدین کو ہمراہ لے کر تعاقب کیا۔ ابوسفیان کے نزدیک اس کی قسم پوری ہو چکی تھی لہٰذا وہ اور اس کے ساتھی جان بچا کر مکہ کی طرف فرار ہو گئے۔ ستو کی بوریاں جو کھانے کے لئے ساتھ لائے تھے بوجھ ہلکا کرنے کی غرض سے راہ میں پھینکتے گئے۔ عربی میں ستو کو سویق کہتے ہیں۔ اسی بنا پر یہ واقعہ غزوۂ سویق کہلایا۔

حضرت فاطمہ زہرا رضؓ کی شادی

مذکورہ حالات میں جہاں مسلمان تلوار اٹھانے پر مجبور ہوئے تھے وہیں ان کا عزم اور پختہ ہو گیا تھا۔ ایک طرف دشمنوں کی یلغار بھی تھی اور دوسری طرف ہادی مرسل صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے رفقائے کرام کی معاشرتی ذمہ داریاں بھی تھیں۔ گذشتہ چار ماہ کے دوران تین معرکے ہو چکے تھے لیکن اللہ تعالےٰ کے فضل وکرم سے مسلمانوں کی صفوں میں نہ انتشار تھا اور نہ گھبراہٹ زندگی اپنے معمول کے مطابق رواں دواں تھی۔ انہی دنوں حضرت فاطمہؓ کی شادی کی بات چل نکلی۔ اسی ماہ ذالحجہ میں حضرت ابوبکرؓ نے عرب طور وطریق کے مطابق آپؐ سے حضرت فاطمہؓ کے ساتھ شادی کی درخواست کی۔ ارشاد ہوا "جو اللہ کا حکم ہوگا۔" پھر حضرت عمرؓ کی طرف سے درخواست آئی۔ آپؐ نے سکوت اختیار کیا۔ چند یوم بعد حضرت علیؓ نے بھی درخواست پیش خدمت کر دی۔ آپؐ نے حضرت فاطمہؓ کی رضا معلوم کی تو وہ چپ رہیں جو ایک طرح کا اظہارِ رضامندی تھا۔ المختصر شادی ہو گئی۔ حضرت علیؓ کا کل سرمایہ ایک زرہ جس کی قیمت سو سوا سو دینار سے زیادہ نہ ہوگی، ایک بھیڑ کی کھال اور ایک یمنی چادر تھی۔ انہوں نے یہ چیزیں سیدہ فاطمہ کی نذر کر دیں۔ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بان کی چارپائی، چمڑے کا

—— بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اپنے مال اور اپنی جان سے جہاد بھی کیا اللہ کی راہ میں، اور جن لوگوں نے انہیں پناہ دی اور ان کی مدد کی، یہ لوگ ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ اور جو لوگ ایمان تو لائے لیکن ہجرت نہیں کی تمہارا ان سے کوئی تعلق میراث کا نہیں جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں۔ اور اگر تم سے مدد چاہیں دین کے کام میں تو تم پر واجب ہے مدد کرنا سوائے اس کے کہ اس قوم کے مقابلے میں ہو جس کے اور تمہارے درمیان معاہدہ ہو، اور اللہ خوب دیکھ رہا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔

—— اور جو لوگ کافر ہیں وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں، اگر یہ نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد ہوگا۔

—— اور وہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں لڑے اور جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی، وہی سچے ایمان والے ہیں ان کے لئے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔ (۸/۷۲-۷۴)

گدا جس کے اندر کھجور کے پتے بھرے تھے، ایک چھاگل، ایک مشک، دو چکیاں اور دو مٹی کے گھڑے بیٹی کو بطور جہیز عطا فرمائے۔ اب تک حضرت علیؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی رہتے تھے۔ حضرت حارثہؓ بن نعمان انصاری نے اپنے مکانوں میں سے ایک مکان ان کو پیش کر دیا لہٰذا حضرت علیؓ حضرت فاطمہ رضؓ کے ساتھ وہاں سکونت پذیر ہو گئے۔

سنہ ۲ھ کے یہی شب و روز تھے کہ درج بالا سورۂ مبارکہ کا نزول ہوا۔ جس کے ذریعہ حق سبحانہٗ تعالےٰ نے ان خامیوں کی طرف بھی توجہ دلائی جو کہ ابھی تک اسلامی معاشرہ میں موجود تھیں۔ ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا گیا کہ اس فتح و نصرت میں جو حق سبحانہٗ تعالےٰ نے میدانِ بدر میں مسلمانوں کی عطا فرمائی تائیدِ غیبی شامل

— اور جو لوگ بعد کو ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا وہ بھی تم ہی میں سے ہیں، اور قرابت دار ایک دوسرے کی میراث کے زیادہ حقدار ہیں اللہ کی کتاب میں۔ بے شک اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

(۸/۷۵)

تھی۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کی اسی طرح مدد کیا کرتا ہے۔ اس میں ہادی برحق رحمتِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے رفقائے کرامؓ کے لئے ہمت افزائی بھی تھی اور بشارت بھی۔

(بحوالہ بخاری، مسلم، ابنِ کثیر، جلالین، ابنِ ہشام، طبری، ابن سعد)

سورۃ آلِ عمران (پ ۳)
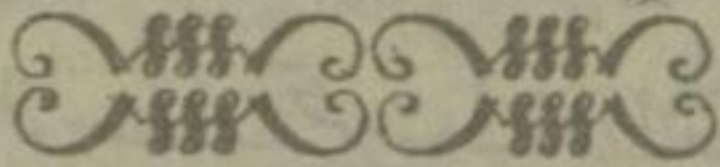
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٓمّٓ ! اللہ وہ زندہ جاوید ہستی ہے جو نظام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے اس کے علاوہ کوئی خدا نہیں۔ اس نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے جو حق ہے اور ان کتابوں کی تصدیق کر رہی ہے جو اس سے پہلے آ چکی ہیں، اور اسی نے اس سے پہلے نازل کیا تھا توریت اور انجیل کو انسانوں کی ہدایت کے لئے اور اسی نے فرقان (قرآن حکیم) کو نازل کیا ہے۔ بے شک جن لوگوں نے اللہ کی آیات سے کفر کیا ان کے لئے شدید عذاب ہے، اور اللہ بڑا زبردست اور برائی کا انتقام لینے والا ہے۔ (۳/۴-۱)

یہودِ مدینہ کا مفسدانہ روّیہ جنگ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی اور اس کے کم و بیش تین ماہ بعد بنی قینقاع کی جلاوطنی سے ایک طرف تو مسلمانوں کا تشخص بحیثیت ایک قوم کے ابھر کر سامنے آیا تھا لیکن دوسری طرف مشرکین قریش کے ساتھ یہودی بھی دشمنانِ حق کی صفوں میں شامل ہو گئے تھے۔ گو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے ساتھ معاہدہ دوستی کر رکھا تھا اور آپؐ اس پر سختی سے عمل پیرا بھی تھے لیکن یہود کا رویّہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ وہ درپردہ معاہدہ کی خلاف ورزی بھی کر رہے تھے اور مسلمانوں کے ساتھ ایسی اشتعال انگیز باتیں بھی کرتے رہتے تھے جن سے امن و سلامتی کی فضا مکدر ہونے لگی تھی۔ ان لوگوں کی مفسدانہ اور حاسدانہ باتوں کا یہ عالم ہو چلا تھا کہ جب آپؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوتے تو بجائے آپؐ کو السلام علیک کہنے کے "السّام علیک" کہتے جس کے معنی ہیں "تجھ کو موت آئے" یہ بدنصیب بجائے سلامتی کے آپؐ کی موت کے طلبگار تھے۔ صحابہ کرام میں سے جو ان کی اس کمینہ حرکت کو پا لیتے وہ بھی تلملا کر خاموش ہو جاتے

— بے شک اللہ سے کچھ پوشیدہ نہیں زمین میں نہ آسمان میں۔
— وہی ہے وہ جو تمہاری صورت رحموں کے اندر بناتا ہے جس طرح وہ چاہتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں وہ زبردست ہے اور بڑا باحکمت۔
— (اے نبیؐ!) وہی ہے وہ جس نے آپ پر یہ کتاب نازل کی ہے۔ اس میں محکم (صاف اور واضح احکام والی) آیات ہیں اور وہی کتاب کی اصل بنیاد ہیں، اور دوسری (کچھ) آیات متشابہ (تعبیر و تفسیر میں مختلف پہلو والی) ہیں۔ سو وہ لوگ جن کے دلوں میں ٹیڑھا پن ہے وہ فتنے کی تلاش میں ہمیشہ اسی (متشابہات یعنی مختلف پہلو والی آیات) کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کو (غلط) معنی پہنانے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ ہی کو معلوم ہے۔ اور پختہ علم والے کہتے ہیں کہ ہم تو اس پر ایمان لے آئے یہ سب ہی ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے اور نصیحت تو بس عقل والے ہی قبول کرتے ہیں۔
(۳۔۷۔۵)

چونکہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تلقین تو صبر کرنے کی تھی۔ ایک دن اتفاق سے حضرتِ عائشہؓ نے یہ الفاظ ان بدبختوں کی زبان سے سن لیے۔ انہیں آپؐ کے حرم میں قدم رکھے ہوئے ابھی چند ماہ کا عرصہ ہوا تھا نو عمر بھی تھیں، سخت غصہ آیا۔ بے اختیار کہنے لگیں۔ "تم بختو موت آئے تم کو" ہادیٔ مرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ "عائشہ! نرمی سے کام لو" وہ تو غصہ میں بھری ہوئی تھیں کہنے لگیں "آپؐ نے سنا بھی کہ ان لوگوں نے کیا کہا" آپؐ نے فرمایا ہاں میں نے سنا اور "علیک" (اور تم کو بھی) کہہ دیا۔ بس یہی کافی ہے۔"

ان ہی ایام کا ایک اور ذکر ہے کہ ایک دن آپؐ یہودیوں کی بستی میں تشریف لے گئے۔ بیت المدارس میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو راہِ حق پر چلنے کی تلقین

—— اے ہمارے پروردگار! ہمارے قلوب کو ٹیڑھا نہ کر بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت عطا کی اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت (بھی) عطا فرما بے شک تو ہی بڑا عطا کرنے والا ہے۔

—— اے ہمارے پروردگار! بے شک تو ہی سب لوگوں کو جمع کرنے والا ہے اس دن جس کے واقع ہونے میں (ذرّہ برابر) شک نہیں۔ یقیناً اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں جاتا۔

—— بے شک جن لوگوں نے کفر کیا، ان کے مال ان کی اولاد اللہ کے مقابلے میں کچھ بھی کام نہ آئیں گے اور یہی لوگ آگ کے ایندھن ہونگے۔

—— جیسا کہ معاملہ فرعون والوں کے ساتھ ہوا اور ان سے قبل والوں کے، انہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا سو اللہ نے ان کی گرفت کی ان کے گناہوں کے باعث اور اللہ بڑا سخت سزا دینے والا ہے۔ (۳/۱۱-۸)

فرما رہے تھے کہ نعیم ابن عمرو اور حارث ابنِ زید دو یہودیوں نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ "اے محمدؐ! آپ کس دین پر ہیں؟" آپؐ نے ارشاد فرمایا "ملّتِ ابراہیمی پر" وہ کہنے لگے "ابراہیمؑ تو یہودی تھے"، آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ "اچھا اپنی مذہبی کتاب تورات لے آؤ ابھی فیصلہ ہوا جاتا ہے"۔ یہ سنتے ہی اکھڑ گئے اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے لگے۔ چونکہ یہ بات وہ لوگ بھی سمجھتے تھے کہ حضرت ابراہیمؑ یہودی نہ تھے اور نہ تورات میں اس طرح کی کوئی بات تھی وہ ظالم تو آپؐ کو اشتعال دلانے کے لئے ایسی بات کر رہے تھے۔

ان ہی دنوں ایک اور واقعہ ہوا کہ خیبر کے یہودیوں میں سے ایک شخص زنا کا مرتکب ہوا اور بات ہر سو پھیل گئی۔ عورت اور مرد دونوں ہی بااثر اور دولت مند خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ عام لوگوں کا تقاضہ تھا کہ دونوں کو سنگسار کر دیا جائے اور خواص ان مجرمین کے ساتھ نرمی چاہتے تھے۔ بات بڑھتے بڑھتے تنازعہ کی شکل

۔۔۔۔ (اے حبیبؐ !) آپ ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ کوئی دم جاتا ہے کہ تم مغلوب ہو گے اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ بہت ہی بڑا ٹھکانہ ہے۔

۔۔۔۔ بے شک نشانی ہے تمہارے لئے ان دو گروہوں میں جو (میدانِ بدر) ایک دوسرے کے مقابل ہوئے۔ ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا (تھا) کافر (انکارِ حق کرنے والا) یہ اپنے کو کھلی آنکھوں دیکھ رہے تھے ان (مسلمانوں) سے کئی گنا (زیادہ)۔ اللہ اپنی نصرت سے جس کی چاہتا ہے مدد کر دیتا ہے۔ بے شک اس میں اہلِ بصیرت کے لئے بڑا سبق ہے۔

۔۔۔۔ لوگوں کے لئے خوشنما کر دی گئی ہے خواہشات کی محبت خواہ عورتوں سے ہو یا بیٹوں سے یا ڈھیر لگے ہوئے سونے اور چاندی سے یا نشان زدہ گھوڑوں سے یا مویشیوں سے یا زراعت سے۔ یہ (سب) دنیوی زندگی کے سامان ہیں اور حسنِ انجام تو اللہ ہی کے پاس ہے۔
(۳/۱۴-۱۲)

اختیار کر لی۔ یہودیوں کے بڑے بڑے سرداروں کے دل میں خیال آیا کہ اس مقدمہ کا فیصلہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کرایا جائے چونکہ نرم دل ہیں سنگسار کرنے کا فیصلہ نہ دیں گے۔ دوسرا فریق بھی اس تجویز پر متفق ہو گیا لہٰذا مقدمہ آپؐ کی عدالت میں پیش ہوا۔ آپؐ نے دونوں کو سنگسار کرنے کا حکم صادر فرما دیا۔ یہودیوں کے خواص اور سردار بڑے برہم ہوئے کہنے لگے "آپؐ نے ظلم کیا۔ اس گناہ کی اتنی بڑی سزا نہیں ہو سکتی۔" آپؐ نے ارشاد فرمایا "میں نے جو کچھ بھی فیصلہ دیا ہے وہ اللہ کی مرضی کے مطابق ہے اور تمہاری کتاب تورات بھی یہی کہتی ہے۔" یہودیوں نے آپؐ کو جھٹلایا، لہٰذا تورات منگائی گئی۔ ان کے ایک عالم عبداللہ بن صوریا نے تورات کھول کر

——— آپ کہئے کہ کیا میں تم کو ایسی چیز کی خبر دوں جو ان (دنیوی چیزوں) سے (کہیں زیادہ) بہتر ہے؟ (تقویٰ کی راہ!) جو لوگ ڈرتے رہتے ہیں (اللہ سے) ان کے لئے ان کے پروردگار کے پاس باغ ہیں جنّت کے جن کے نیچے نہریں رواں ہیں، ہمیشہ ان میں رہیں گے اور صاف ستھری کی ہوئی بیویاں ہوں گی اور اللہ کی خوشنودی ہوگی، اور اللہ اپنے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے۔ (یہ وہ لوگ ہیں) جو کہتے رہتے ہیں کہ اے پروردگار! ہم یقیناً ایمان لے آئے سو ہمارے گناہ بخش دے اور ہمیں دوزخ کی آگ سے بچادے۔ یہ (متقی لوگ) صبر کرنے والے ہیں اور ادب والے اور راہِ خدا میں خرچ کرنے والے اور پچھلی راتوں میں گناہوں سے بخشش چاہنے والے ہیں۔

——— اللہ کی گواہی ہے کہ کوئی معبود نہیں ہے سوائے اس کے، اور فرشتے اور اہلِ علم راستی اور انصاف کے ساتھ اس (بات) پر گواہ ہیں کہ کوئی اور معبود نہیں سوائے اس زبردست اور حکمت والے کے۔

(۱۸/۳-۱۵)

متعلقہ حصّہ دکھایا لیکن جس جگہ سنگسار کرنے کا ذکر تھا اس جگہ کو ہاتھ رکھ کر چھپالیا۔ اس وقت عبداللہ بن سلامؓ بھی موجود تھے جو یہودیت چھوڑ کر دامنِ مصطفٰےؐ سے وابستہ ہو چکے تھے۔ انہوں نے فوراً توریت کو عبداللہ بن صور کے ہاتھوں سے لے کر متعلقہ حصّہ لوگوں کو پڑھ کر سنادیا۔ تمام یہودی دم بخود رہ گئے۔

دشمنِ رسولؐ اشرف بن کعب

یہودِ مدینہ میں ایک شخص تھا اشرف بن کعب صاحبِ ثروت بھی تھا اور شاعر بھی ایسا کہ اپنے اشعار سے آگ لگا دیتا تھا۔ دور دور تک اس کی دھوم تھی۔ لیکن ہادیِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم سے دیرینہ مخاصمت رکھتا تھا۔ جب آپؐ ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے تھے تو اسی نے بہت سے لوگوں کو آپؐ کی مخالفت پر

— یقیناً دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے، اور جو اختلاف کیا اس میں اہلِ کتاب نے سو وہ آپس کی ضد سے کیا بعد اس کے کہ انہیں صحیح علم پہنچ چکا تھا، اور جو اللہ کی آیتوں سے انکار کرے گا سو اللہ یقیناً جلد حساب لینے والا ہے۔

— (اے نبیؐ!) پھر اگر یہ لوگ آپ سے حجت کئے جائیں تو کہہ دیجئے "میں تو اپنا رخ اللہ کی طرف کر چکا اور جو میری اتباع کرنے والے ہیں وہ بھی" اور آپ اہلِ کتاب اور غیر اہلِ کتاب دونوں سے دریافت کیجئے کہ کیا تم نے بھی اس (اللہ) کی اطاعت و بندگی قبول کی۔ اگر کی تو وہ راہِ ہدایت پا گئے اور اگر وہ منہ پھیرے ہی رہے تو آپ کے ذمہ تو صرف پیغام پہنچا دینا ہی ہے اور اللہ اپنے بندوں کے معاملات خود دیکھنے والا ہے۔
(۳/۲۰-۱۹)

آمادہ کیا تھا۔ اس نے کچھ علمائے یہود کے ماہانہ وظائف مقرر کر رکھے تھے۔ آپؐ کی مدینہ آمد کے بعد جب وہ لوگ اس کے پاس اپنے وظائف لینے گئے تو اس نے ہر ایک سے آپؐ کے متعلق دریافت کیا۔ ان کی رائے اس کی مرضی کے مطابق نہ تھی لہٰذا اس ظالم نے ان کے وظائف دینے سے انکار کر دیا اور اس وقت تک رقم ادا نہ کی جب تک کہ وہ لوگ اس کے ہم خیال نہ بن گئے۔
غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی فتح سے بھی یہ حاسد بڑا چراغ پا ہوا تھا اور میدانِ جنگ میں مشرکینِ قریش کے بڑے بڑے سرمایہ داروں اور سورماؤں کی موت پر تعزیت کے لئے چالیس آدمیوں کے ہمراہ مکہ گیا تھا۔ جگہ جگہ جا کر مشرکینِ قریش کے درمیان ان کے مقتولوں کے پُر درد مرثیے پڑھتا تھا خود بھی روتا تھا اور دوسروں کو بھی رلاتا تھا۔ اس کے مرثیوں میں ایسے بھی اشعار تھے جن کے ذریعہ لوگوں کو انتقام لینے کی ترغیب دی گئی تھی۔ اسی بدبخت نے مسلمانوں کے خلاف انتقام لینے کے لئے ابوسفیان کو آمادہ کیا تھا۔ اس ظالم و مفسد شخص نے اسی پر اکتفا نہ

——— (اے نبیؐ!!) بے شک جو لوگ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے ہیں اور پیغمبروں کو ناحق قتل کر ڈالتے ہیں اور عدل کا حکم کرنے والوں کو قتل کرتے ہیں، آپ انہیں عذابِ دردناک کی خوشخبری سُنا دیجئے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا اور آخرت میں اکارت گئے اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

——— (اے نبیؐ!!) کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کتاب الٰہی سے حصّہ دیا گیا تھا (کہ جب انہیں) کتاب اللہ کی طرف بلایا جاتا ہے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے پھر ان میں سے ایک فریق بے رخی کرتا ہوا منہ پھیر لیتا ہے۔ یہ اس سبب سے کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ "ہم کو آگ چھوئے گی بھی نہیں بجز چند گنے ہوئے دنوں کے۔ اور جو کچھ یہ خود ساختہ عقیدہ رکھتے ہیں اس نے انہیں دھوکے میں ڈال رکھا ہے۔ سو اس روز جس میں ذرا شک نہیں جب ہم انہیں جمع کریں گے تو کیا حال ہوگا؟ ہر شخص کو جو کچھ اس نے کیا ہے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ذرا ظلم نہ کیا جائے گا۔
(۳/۲۵-۲۱)

کیا بلکہ مدینہ واپس آکر فیصلہ کیا کہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرا دے۔ لہٰذا اپنے اس ناپاک مقصد کے حصول کے لیے اس ظالم نے منصوبہ بنایا کہ آپؐ کو دعوت دی جائے اور جونہی آپؐ تشریف لائیں تو پہلے سے متعیّن افراد آپؐ کو ہلاک کر دیں۔ لیکن اللہ نے آپؐ کو ان ظالموں کے ناپاک عزائم سے محفوظ رکھا۔

حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کعب بن اشرف کی دشمن سرگرمیوں کا پتہ چلا اور اس کے ناپاک عزائم کے متعلق اطلاع ملی تو آپؐ نے بارگاہِ الوہیت میں دعا کی کہ اے اللہ ہم کو ابنِ اشرف کے شر سے محفوظ رکھ جس طرح کہ تو چاہے۔

کعب بن اشرف کی دشمن سرگرمیاں اس درجہ بڑھ گئی تھیں کہ آپؐ اور آپؐ کے رفقائے کرام پریشان رہتے تھے۔ حتّٰی کہ اللہ کی طرف سے اس دشمنِ رسولؐ

—— (اے حبیبؐ!) آپ کہئے۔ اے اللہ، سارے ملکوں کے مالک تو جسے چاہے حکومت دیدے۔ اور تو جسے چاہے ذلّت دے تیرے ہی ہاتھ میں ساری بھلائی ہے، بے شک تو ہی ہر چیز پر قادر ہے۔ تو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور رات میں دن کو پرو دیتا ہے، اور تو بے جان سے جاندار کو نکالتا ہے اور جاندار سے بے جان کو، اور تو جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔ (۳/۲۷-۲۶)

کو ہلاک و قتل کرنے کا حکم ہوا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن چند صحابۂ کرام کی محفل میں ارشاد فرمایا۔ "کوئی ہے جو کعب بن اشرف کو قتل کرنے کے لئے تیار ہو اس لئے کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کو ایذائیں پہنچا رہا ہے۔" محمدؓ بن مسلمہ بھی حاضر خدمت تھے کھڑے ہو کر عرض کیا۔ "اے اللہ کے رسولؐ کیا آپؐ پسند فرماتے ہیں کہ میں اسے ہلاک کروں۔" آپؐ نے فرمایا۔ "ہاں!" محمدؓ بن مسلمہ نے پھر عرض کیا۔ "اگر اس چالاک اور عیار دشمن کے قتل میں حیلہ جوئی کی جائے اور اسے فریب دیا جائے تو اس کی بھی اجازت ہے؟" آپؐ نے جواب دیا۔ "جو چاہو کہو اور اسے جس طرح چاہو قتل کرو۔"

کعب بن اشرف جتھہ دار آدمی تھا۔ دس پانچ آدمی اس کے آگے پیچھے ہمیشہ ہی رہا کرتے تھے پھر چالاک و عیار بھی بلا کا تھا۔ اسی لئے محمدؓ بن سلمہ نے حیلہ جوئی اور فریب کی اجازت طلب کی تھی جس کے بغیر اس فتنے پر قابو پانا ممکن نہ تھا۔

محمدؓ بن مسلمہ کا تعلق قبیلہ اوس سے تھا۔ کعب بن اشرف کے ساتھ ان کے پرانے مراسم رہے تھے بلکہ بعض روایات کے مطابق کعب بن اشرف کے ساتھ ان کی رضاعی اخوّت بتائی گئی ہے۔ محمدؓ بن مسلمہ اپنے منصوبے کے تحت ایک دن کعب کے پاس گئے اور بڑے دل شکستہ انداز میں کہا۔ "ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پناہ دے کر تمام عرب کو اپنا دشمن بنا لیا ہے۔ ہم سے بار بار صدقہ مانگا جاتا ہے اور اس طرح

ــــ مومنوں کو نہ چاہیئے کہ مومنوں کے ہوتے ہوئے انکارِ حق کرنے والوں کو اپنا دوست بنائیں، اور جو کوئی ایسا کرے گا تو وہ اللہ کے ہاں کسی شمار میں نہیں۔ مگر ہاں ایسی صورت میں کہ تم ان سے کچھ اندیشہ (نقصان کا) رکھتے ہو، اور اللہ تمہیں اپنے غضب سے ڈراتا ہے اور اللہ ہی کی طرف (تو) آنا ہے۔
ــــ آپ کہہ دیجئے کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے خواہ اسے پوشیدہ رکھو یا ظاہر کرو اللہ اس کو جانتا ہے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔
(۲۸-۲۹/۳)

ہمیں تکلیف دی جاتی ہے۔" دشمنِ حق کعب بن اشرف نے جو یہ باتیں سنیں تو فوراً کہنے لگا "خدا کی قسم ابھی اور زیادہ تم لوگوں کو تکلیف ہوگی۔" محمدؓ بن مسلمہ نے جواباً کہا۔ "اب اس کے شریک ہو چکے ہیں اور اس طرح اس کا چھوڑ دینا برا معلوم ہوتا ہے تاوقتیکہ ہم اس کا انجام نہ دیکھ لیں کہ کیا ہوتا ہے۔" دشمنِ رسولؐ ابن اشرف نے پھر کہا۔ "تم خود ہی محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جلد اکتا جاؤ گے۔" محمدؓ بن مسلمہ نے کہا۔ "میں چاہتا ہوں کہ تم مجھے کچھ قرض دو۔" ابنِ اشرف کہنے لگا قرض کے لئے اپنی عورتوں کو رہن رکھو۔" محمدؓ بن مسلمہ کہنے لگے۔ "کعب تم عرب کے حسین ترین آدمی ہو اس حالت میں ہم اپنی عورتوں پر وفاداری کا یقین کس طرح کر سکتے ہیں۔" وہ دشمنِ حق بولا۔ "اچھا اپنے بچّوں کو رہن رکھ دو۔" محمدؓ بن مسلمہ نے پھر کہا "اس طرح تو تمام عرب میں ہماری بدنامی ہوگی ــــ ہاں ہم اپنے ہتھیار تمہارے پاس رہن رکھ دیں گے حالانکہ ان کی جیسی ضرورت آج کل ہے وہ تم جانتے ہو۔" ابن اشرف راضی ہو گیا۔ ابنِ مسلمہ اپنے ساتھیوں حارث، ابو عبس اور عباد بن بشیر کے ہمراہ آنے کا وعدہ کر کے واپس چلے آئے۔ دشمنِ رسول نے بھی سوچا کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صفوں میں انتشار پھیلانے کا اچھا موقع ملا ہے۔
ابنِ مسلمہ نے اپنے مذکورہ ساتھیوں کو ہمراہ لیا اور اسی شب دشمنِ حق کعب

ــــ جس روز ہر شخص اپنے ہر نیک عمل کو سامنے لایا ہوا پائے گا اور (اسی طرح) ہر برے کام کو بھی۔ (اس وقت) تمنا کرے گا کہ کاش مجھ میں اور اس میں دور کا فاصلہ ہوتا۔ اور اللہ تمہیں اپنے عذاب سے ڈراتا ہے اور اللہ تو بندوں پر بڑا مہربان ہے۔

ــــ (اے حبیبؐ!) آپ کہہ دیجیے۔ "(اے لوگو!) اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے (بھی) محبت کرنے لگے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ اللہ بڑا بخشنے والا بڑا ہی مہربان ہے۔

(اے نبیؐ!) آپ کہہ دیجیے "اللہ اور رسول کی اطاعت کرو" اس پر بھی اگر وہ منہ موڑے رہیں تو (جان لیں) کہ اللہ کافروں سے ذرا محبت نہیں رکھتا۔ (۳/۳۲ ـ ۳۰)

کے گھر پہنچ گئے۔ اس کو آواز دی تو وہ اپنے سر کو چادر میں لپیٹے ہوئے باہر آ گیا۔ کعب کے سر سے خوشبوؤں کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ ابنِ مسلمہ کہنے لگے "آپ سے تو خوشبو کی زبردست مہک آ رہی ہے۔" کعب بولا۔ "تم جانتے ہو کہ میرے گھر میں ایسی عورت ہے جو عرب کی سب عورتوں سے زیادہ معطر ہے اور خوشبو کو بے حد پسند کرتی ہے۔" ابنِ مسلمہ نے اس کے سر کو سونگھنے کی اجازت چاہی۔ اس نے اجازت دیتے ہوئے اپنے سر کو ان کے سامنے خم کیا۔ ابنِ مسلمہ نے جونہی اس کے بالوں کو مضبوطی سے پکڑا تو ان کے دیگر ساتھیوں نے اپنے منصوبے کے تحت اس کی گردن پر ایسا وار کیا کہ پلک جھپکتے دشمنِ حق کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ فتنۂ باطل کی چیخ رات کی تاریکیوں میں بلند ہوئی اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ڈوب گئی۔

غزوۂ غطفان ان ہی ایام کا ذکر ہے کہ ہادی برحق نبی محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ قبیلہ بنی ثعلبہ اور محارب کے لوگ نجد کے علاقہ میں ذی اَمَر کے مقام پر جمع ہو رہے ہیں تاکہ مدینہ پر اچانک حملہ کر کے اس کے گرد و پیش میں غارت

—— بے شک اللہ نے چن لیا آدم و نوح و ابراہیم کی آل اور عمران کی آل کو سارے جہان سے۔ یہ ایک نسل ہے ایک دوسرے سے اور اللہ سنتا جانتا ہے۔

—— (اور وہ وقت قابلِ ذکر ہے) جب عمران کی بیوی نے عرض کیا۔ "اے میرے پروردگار میں نے تیرے لئے نذر مانی ہے اس (بچہ) کی جو میرے پیٹ میں ہے کہ (وہ) خالص تیری ہی خدمت میں رہے، سو تو مجھ سے یہ (نذر) قبول فرما بیشک تو ہی خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔" (۳/۳۵-۳۳)

گری کریں۔

دراصل مشرکینِ قریش کی فتنہ انگیزیوں نے جزیرۃ العرب کے دور دراز علاقوں میں آباد قبائل کے دلوں میں مذہب اسلام کے خلاف نفرت پیدا کر دی تھی۔ زیادہ تر قبائل بت پرست اور مشرک تھے۔ موسمِ حج میں جب مکہ جاتے تو سردارانِ قریش ان کے سامنے ایسی باتیں کہتے کہ انہیں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے پیش کردہ پیغامِ ربانی سے نفرت ہو جاتی تھی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں کو سمجھتے ہوئے مدینہ کے قرب و جوار میں آباد قبائل سے اسی لئے معاہداتِ امن کئے تھے۔ لیکن دور دراز علاقوں تک آپؐ نہ پہنچے تھے۔ اسی لئے اب ان علاقوں سے جارحانہ تیاریوں کی خبریں مل رہی تھیں۔

علاقہ نجد کی مذکورہ خبر موصول ہوتے ہی آپؐ نے صحابۂ کرام سے مشورہ کیا اور طے کیا گیا کہ دشمنانِ حق کو ان کے علاقہ میں جا کر ہی مغلوب کیا جائے۔

احمدِ مختار صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ ابن عفان کو مدینہ کا خلیفہ مقرر فرمایا۔ ان کی دوسری شادی آپؐ کی دوسری صاحبزادی حضرت امّ کلثومؓ سے کچھ ہی دنوں قبل ہوئی تھی چونکہ غزوۂ بدر کے دنوں میں حضرت رقیہؓ کا انتقال ہو چکا تھا جیسا کہ پہلے

۔۔۔ پھر جب اس (عمران کی بیوی) نے (مریم) کو جنا تو بولی "اے پروردگار! میں نے تو لڑکی جنی" اور اللہ خوب جانتا تھا کہ اس نے کیا جنا ہے "اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں ہو سکتا، اور میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا ہے اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔"

۔۔۔ پھر اس کے پروردگار نے اس لڑکی (مریم) کو بخوشی قبول فرمالیا اور اسے اچھی طرح پروان چڑھایا اور ذکریا کو اس کا سرپرست بنا دیا۔ ذکریا جب کبھی اس (لڑکی) کے پاس حجرہ میں آتے تو اس کے پاس کچھ نہ کچھ کھانے پینے کا سامان پاتے (ایک بار) بولے "اے مریم تجھے یہ (چیزیں) کہاں سے مل جاتی ہیں" وہ بولیں۔ "یہ اللہ کی طرف سے آجاتی ہیں بے شک اللہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔" (۳/ ۳۷-۳۶)

مذکور ہوا ہے۔ اسی نسبت سے حضرت عثمان رضؓ کو ذوالنورین کہا جاتا ہے۔

رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم چار سو پچاس سواروں کا دستہ لے کر نجد کی جانب روانہ ہوئے۔ اور اس تیزی کے ساتھ ذی ام کے مقام پر پہنچے کہ دشمن مجاہدین کو دیکھ کر سہم گئے اور قرب وجوار کے پہاڑوں میں روپوش ہو گئے۔ دشمنوں کا تعاقب نہ کیا گیا چونکہ مطلب قتل وغارت گری نہ تھا بلکہ اُبھرتے ہوئے فتنہ کو مغلوب کرنا ہی مقصود تھا۔ آپؐ نے چند یوم اس مقام پر قیام فرمایا۔

ایک دن خلاف توقع بارش ہوگئی جس کی بنا پر ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے ساتھیوں کے کپڑے بھیگ گئے سب لوگ اِدھر اُدھر پھیل گئے اور اپنے اپنے کپڑے سکھانے لگے۔ آپؐ نے بھی اپنا لباس اتار کر درخت کی ایک شاخ پر پھیلا دیا اور خود درخت کے زیرِ سایہ آرام فرمانے لگے۔ پہاڑ پر چھپے ہوئے دشمنوں

— یہ حال دیکھ کر ذکریا نے اپنے پروردگار سے دعا کی"۔ اے پروردگار! مجھے اپنے پاس سے کوئی پاکیزہ اولاد عطا کر بے شک تو ہی دعا کا سننے والا ہے۔"

— پس انہیں فرشتوں نے آواز دی اس حال میں کہ وہ (ذکریا) حجرہ میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے کہ "اللہ آپ کو یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے جو کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے والے ہوں گے، ان میں سرداری و بزرگی کی شان ہوگی اور بڑے ضبطِ نفس کرنے والے ہوں گے اور نبی ہوں گے صالحین میں سے۔" ذکریا نے کہا۔ "اے میرے پروردگار! میرے بیٹا کس طرح ہوگا حالانکہ مجھے بڑھاپا آپہنچا ہے اور میری بیوی بانجھ ہیں۔" جواب ملا۔ "ایسا ہی ہوگا، اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔" عرض کیا۔ "اے میرے پروردگار! میرے لئے کوئی نشانی مقرر کر دے۔" ارشاد ہوا۔ "نشانی یہ ہے کہ تم تین دن تک لوگوں سے اشارہ کے سوا کوئی بات چیت نہ کر سکو گے اس دوران میں اپنے پروردگار کو بہت یاد کرنا اور صبح و شام اس کی تسبیح کرتے رہنا۔" (۳/۴۱-۳۸)

نے جو یہ دیکھا کہ آپؐ اس وقت تنہا ہیں اور ہتھیار بھی پاس نہیں تو ان میں کا ایک جنگجو تلوار لئے خاموشی سے چھپتا چھپاتا آپؐ کے سرہانے پہنچ گیا۔ اور تلوار تان کر کہنے لگا۔ "کون ہے جو آج تم کو مجھ سے بچائے گا۔" احمدِ مرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اللہ، وہی میرا محافظ ہے۔" آپؐ کی زبانِ اقدس سے یہ الفاظ نکلے ہی تھے کہ دشمن دفعتاً اس طرح زمین پر گرا جیسے کسی نے اس کو دھکا دیدیا ہو۔ تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر علیحدہ گر پڑی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اٹھاتے ہوئے اس دشمن سے کہا۔ "کون ہے جو تجھے اب مجھ سے بچائے گا؟" دشمنِ رسول کے

—— اور (وہ وقت بھی قابل ذکر ہے) جب فرشتوں نے کہا، "اے مریم! بے شک اللہ نے آپ کو برگزیدہ کیا ہے اور پاک کر دیا ہے اور سارے جہان کی عورتوں میں سے آپ کو پسند فرمایا ہے (اپنی خدمت کے لئے)۔

—— اے مریم!! اپنے پروردگار کی اطاعت کرتی رہو اور سجدہ کرتی رہو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرتی رہو۔"

—— (اے حبیبؐ!) یہ (واقعات) غیب کی خبریں ہیں کہ ہم آپ کے اوپر ان کی وحی کر رہے ہیں۔ اور آپ تو (اس وقت) ان لوگوں کے پاس نہ تھے جبکہ وہ اپنے قلم (بطور قرعہ) ڈال رہے تھے کہ ان میں سے کون مریم کی سرپرستی کرے، اور نہ آپ ان کے پاس اس وقت تھے جب وہ آپس میں اختلاف کر رہے تھے۔ (۳/۴۲-۴۴)

تو ہوش و حواس ہی اکھڑ چکے تھے اس میں مدافعت کرنے کی تاب کہاں تھی بسرِ تسلیم خم کرتے ہوئے اس نے فوری کہا۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ محسنِ انسانیت نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ سنتے ہی تلوار اس شخص کو واپس کر دی۔ اور اس طرح دشمنانِ حق کو عملی طور پر بتا دیا کہ آپؐ کا مقصد قتل و خونریزی نہ تھا بلکہ قیامِ امن و سلامتی تھا۔ اس مہم کو غزوہ بنی اَمر بھی کہا جاتا ہے۔

(بحوالہ مدارج النبوت)

حضرت حفصہؓ کے ساتھ آپؐ کا نکاح

غزوۂ غطفان کے بعد مسلمانوں کو قدرے اطمینان ہوا گو مکہ سے ملنے والی خبریں اسی طرح تشویش ناک تھیں۔ مدینہ میں وہی چہل پہل اور روزمرہ کی مصروفیات رچنے بسنے لگی تھیں۔ ان ہی دنوں حضرت عمرؓ کو اپنی صاحبزادی حضرت حفصہؓ کے نکاح کی فکر دامن گیر ہوئی جو چند ہی ماہ قبل بیوہ ہوگئی تھیں۔ ان کے شوہر حضرت خنیس غزوۂ بدر

اور (وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے) جب فرشتوں نے کہا: "اے مریم! اللہ آپ کو خوشخبری دے رہا ہے اپنی طرف سے ایک فرمان کی۔ اُن کا نام مسیح عیسیٰ ابنِ مریم ہو گا۔ دنیا اور آخرت میں معزز ہوں گے، اللہ کے مقرب بندوں میں شمار کیا جائے گا اور وہ لوگوں سے گفتگو کریں گے گہوارہ میں بھی اور پختہ عمر میں بھی اور صالحین میں سے ہوں گے۔"
(۴۵-۴۶/۳)

میں زخمی ہو جانے والے صحابہ کرام میں شامل تھے۔ کاری زخم آئے تھے جن کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ اپنے رفیقِ اعلیٰ کی طرف رجعت کر گئے۔ حضرت حفصہؓ کی عدت ختم ہونے کے بعد حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے حضرت عثمانؓ سے خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ ان کے ساتھ نکاح کر لیں۔ گو اس وقت تک حضرت عثمانؓ کا دوسرا نکاح حضرت اُمّ کلثومؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ ہوا تھا لیکن انہوں نے معذرت کر لی۔ اب حضرت عمرؓ نے اسی خواہش کا اظہار حضرت ابوبکرؓ سے کیا۔ انہوں نے سکوت اختیار کیا۔ حضرت عمرؓ اسی فکر میں تھے کہ حضورِ انور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے پیغامِ نکاح عطا ہوا جس کو انہوں نے بصد خوشی منظور کیا اور اس طرح حضرت حفصہؓ ہادی برحق نبی محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں داخل ہو گئیں۔

حضرت سودہؓ اور حضرت عائشہؓ کے لئے علیحدہ علیحدہ حجرے تھے ان ہی سے ملحق ایک حجرہ اور تعمیر کیا گیا اور اس میں آپ کی رہائش کا اہتمام ہوا۔

علاقہ بنی سلیم کو آپ کی روانگی

زندگی اسی صبر و قرار کے ساتھ مدینہ میں رواں دواں تھی کہ ایک روز اطلاع ملی کہ علاقہ نجران میں آباد بنی سلیم جمع ہو رہے ہیں اور مدینہ پر یلغار کا ارادہ رکھتے ہیں۔

نجران کا علاقہ حجاز اور یمن کے درمیان پھیلا ہوا تھا جس میں تہتر (۷۳) بستیاں آباد تھیں۔ اکثریت عیسائیوں پر مشتمل تھی۔ طبقات میں بنی سلیم کو بت پرست بتایا گیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مشرکینِ مکہ ہی نے ان کو مسلمانوں کے خلاف ورغلایا،

—— وہ (مریم) بولیں "اے میرے پروردگار! میرے لڑکا کس طرح ہوگا مجھے تو کسی مرد نے ہاتھ تک نہیں لگایا۔" ارشاد ہوا۔ "یوں ہی اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے۔ جب وہ کسی بات کو پورا کرنا چاہتا ہے تو بس اس سے کہتا ہے۔ "ہوجا" سو وہ ہو جاتی ہے۔
—— اور (اللہ) اسے کتاب اور حکمت اور انجیل سکھا دے گا۔
—— اور وہ (عیسیٰؑ) رسول ہوگا بنی اسرائیل کے لئے۔ اور (پھر جب عیسیٰؑ ان کے درمیان آگئے تو کہا) "میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں، میں تمہارے لئے مٹی سے پرندوں کی صورت بناتا ہوں پھر اس میں دم کر دیتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے اور میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے اور برص (کوڑھ) والے کو اچھا کر دیتا ہوں، اور میں اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتا ہوں، اور تم جو کچھ کھاتے ہو اور جو کچھ اپنے گھروں میں ذخیرہ جمع کرتے ہو وہ تمہیں بتلا دیتا ہوں۔ بے شک ان (تمام باتوں) میں تمہارے لئے ایک نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔" (۳/ ۴۹-۴۷)

ہوگا۔ بہر حال مذکورہ خبر موصول ہونے پر احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام سے مشورہ فرمایا اور طے پایا کہ دشمن کو مدینہ پر یلغار کرنے سے قبل ہی زیر کر لیا جائے لہٰذا ہادی برحق نبی محتشم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام ضروری انتظامات کئے، حضرت ابن ام مکتوم کو مدینہ کا خلیفہ مقرر فرمایا اور تین سو صحابۂ کرام کی جمعیت لے کر بنی سلیم کے علاقوں میں پہنچ گئے۔ آپؐ نے مشاہدہ فرمایا کہ وہ لوگ تو اپنے کنوؤں اور تالابوں پر بکھرے ہوئے اپنے معمولات میں مصروف ہیں۔ چونکہ آپؐ کا مقصد تو یہاں بھی قتل و غارت گری نہ تھا لہٰذا آپؐ نے بجائے حملہ آور ہونے کے صرف اس علاقہ کا گشت فرمایا اور جب کوئی بھی مقابلہ کے لئے نہ آیا تو اسی طرح واپس تشریف لے آئے۔

—— "اور میں تصدیق کرنے والا ہوں اپنے سے پیشتر آئی ہوئی توریت کی، اور (اس لئے آیا ہوں کہ تم پر جو کچھ حرام کر دیا گیا تھا اس میں سے تم پر کچھ حلال کر دوں، اور میں تمہارے پاس تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان لے کر آیا ہوں، سو تم اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ بے شک اللہ میرا بھی پروردگار ہے سو اس کی عبادت کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔"

—— پھر جب عیسیٰ نے ان کی طرف سے انکار ہی پایا تو بولے "میرا کون مددگار ہوگا اللہ کے لئے؟" حواری بولے "ہم ہیں اللہ کے مددگار، ہم ایمان لائے ہیں اللہ پر اور آپ گواہ رہیئے کہ ہم فرمانبردار ہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لائے ہیں اس پر جو کچھ تو نے نازل کیا ہے اور ہم نے پیروی (اختیار) کر لی رسول کی سو ہمیں حق پر گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔"

—— اور انکار حق کرنے والوں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی اور اللہ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے۔ (۳/۵۴-۵۰)

مدارج نبوت میں اس واقعہ کو غزوہ بخران لکھا ہے اور یہ بھی مرقوم ہے کہ اس کو غزوہ بنی سلیم بھی کہا جاتا ہے۔

ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ بنی سلیم سے متعلق خبر کسی غلط فہمی کا نتیجہ بھی ممکن ہے کہ دشمنان حق نے آپؐ کو پریشان کرنے کے لئے اس طرح کی باتیں جانتے بوجھتے بھی کی ہوں۔ لیکن ایسی باتوں کے نتائج بھی اچھے ہی برآمد ہوئے۔

طبقات میں مرقوم ہے کہ بنی سلیم کا ایک شخص جس کا نام قیس بن نُسیبہ تھا مدینہ آکر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ کی زبانی کلامِ ربانی سُنا تو بڑا متاثر ہوا۔ پھر اس نے چند سوالات کئے بعد میں وہ آپؐ کی دعوتِ حق پر دامنِ

—— (وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے) جب اللہ نے فرمایا "اے عیسیٰ! میں تم کو واپس لے لوں گا اور تمہیں اپنی طرف اٹھالوں گا اور تمہاری پیروی کرنے والوں کو قیامت تک ان لوگوں پر غلبہ دوں گا جنہوں نے تمہارا انکار کیا ہے۔ پھر تم سب کو آخرکار میرے پاس آنا ہے اس وقت میں ان باتوں میں فیصلہ کروں گا جن میں تمہارے درمیان اختلاف ہوا ہے۔ سو جن لوگوں نے کفر اختیار کیا انہیں دنیا اور آخرت میں سخت سزا دوں گا اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل بھی کئے سو اللہ انہیں ان کا پورا پورا صلہ دیگا" اور خوب جان لو کہ اللہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا۔

—— یہ آیات جنہیں ہم پڑھ کر سناتے ہیں پُر حکمت تذکرے ہیں۔

—— بے شک اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے کہ اللہ نے ان کو مٹی سے بنایا پھر حکم دیا کہ ہو جا اور وہ ہو گیا۔

—— یہ امرِ حق تیرے رب کی طرف سے ہے سو (اے شخص) تو کہیں شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہو جانا۔ (۳/۶۰-۵۵)

توحید سے وابستہ ہو گیا۔ اور اپنی قوم میں واپس جا کر اس نے اسلام کی تبلیغ کی۔

آپؐ نے اہلِ نجران کو دعوتِ حق دی

گو حضور محسنِ انسانیت نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ اور اس کے نواح میں امن وسلامتی کی فضا قائم کرنے میں کافی حد تک کامیاب ہو چکے تھے لیکن دشمنانِ حق کی سرگرمیوں کے پیشِ نظر یہ خطرہ بھی روز بروز بڑھتا جا رہا تھا کہ مشرکینِ قریش یہود و نصاریٰ کو بھی کہیں اپنے ساتھ مسلمانوں کے خلاف صف آرا نہ کرلیں۔ لہٰذا آپؐ نے علاقۂ نجران میں آباد نصرانیوں کو درج ذیل خط تحریر فرمایا۔

بسم اِلٰہِ ابراہیمَ وَاِسحٰقَ وَیَعقُوبَ مِن مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ رَسُولِ اللّٰہِ اِلٰی اُسقُفِ

۔۔۔۔ پھر جو کوئی آپ سے اس (یعنی عیسیٰ کے) بارے میں حجت کریں بعد اس کے کہ ان کے پاس علم پہنچ چکا ہے تو آپ کہئے کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بھی بلائیں اور تمہارے بیٹوں کو بھی اور اپنی عورتوں کو بھی اور تمہاری عورتوں کو بھی اور اپنے آپ کو بھی اور تمہارے تئیں بھی (شامل کریں) پھر خشوع سے دعا کریں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت بھیجیں۔

۔۔۔۔ بے شک یہی ہے سچا واقعہ، کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور بے شک اللہ ہی زبردست اور حکمت والا ہے۔

۔۔۔۔ سو اگر یہ (اب بھی) منہ پھیریں تو بے شک اللہ خوب جانتا ہے فسادیوں کو۔

(اے حبیب!) آپ کہدیجئے "اے اہل کتاب! ایسے کلمہ کی طرف آؤ جو ہم میں مشترک ہے وہ یہ کہ ہم سوائے اللہ کے اور کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ کسی کو اس کا شریک ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے علاوہ پروردگار نہ بنائے۔ پھر بھی اگر وہ نہ مانیں تو کہدیجئے کہ (تم لوگ) گواہ رہنا کہ ہم تو مسلمان (فرمانبردار اللہ کے) ہیں۔

(۳/ ۶۴-۶۱)

نجران واھل نجران اسلم انتم فانی احمد الیکم اله ابراھیم واسحق ویعقوب اما بعد فانی ادعوکم الی عبادة اللہ من عبادة العباد وادعوکم الی ولایة اللہ من ولایة العباد۔ شروع کرتا ہوں حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحٰقؑ، حضرت یعقوبؑ کے معبود کے نام سے۔ یہ خط ہے محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے جو خدا تعالیٰ کے نبی اور رسول ہیں سرداران نجران اور اہل نجران کی طرف۔ اللہ تعالیٰ کی میں تمہارے سامنے حمد وثنا بیان کرتا ہوں جو حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحٰقؑ اور حضرت یعقوبؑ کا معبود ہے پھر میں تمہیں دعوت دیتا ہوں کہ بندوں کی عبادت چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور بندوں کی ولایت کو چھوڑ کر اللہ کی ولایت کی طرف آجاؤ۔

ــــ اے اہل کتاب تم ابراہیم کے بارے میں کیوں جھگڑ رہے ہو حالانکہ توریت اور انجیل تو ان کے بعد ہی نازل ہوئی ہیں تو تم (لوگ) کیوں عقل سے کام نہیں لیتے۔ ہاں تم لوگ وہی تو ہو جو اس امر میں جھگڑ چکے ہو جس کا تمہیں کچھ تو علم تھا۔ سو اب ایسی باتوں میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں کچھ بھی علم نہیں۔ اللہ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ راہِ راست والے مسلم تھے اور مشرکوں میں سے بھی نہ تھے۔ بے شک ابراہیم سے قریب تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی، اور یہ نبی ہیں اور وہ لوگ ہیں جو ان پر ایمان لائے اور اللہ ایمان لانے والوں (ہی) کا حامی ہے۔

(۳/۶۸-۶۵)

نوٹ:۔ اس واقعۂ نجران کو امام بیہقیؒ نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں تفصیل کے ساتھ تحریر کیا ہے۔ دوسری جگہوں پر اختصار سے ملتا ہے اس واقعہ کے راوی ہیں سلمہ بن عبد یسوع جنہوں نے یہ واقعہ اپنے عیسائی دادا سے سنا تھا۔ گو ان کے دادا بعد میں مسلمان ہو گئے تھے لیکن واقعات کی ترتیب سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ کچھ ایسی باتوں کا بھی اضافہ ہوا جو کہ اس دور کے حالات سے مطابقت نہیں رکھتی ہیں۔ مثلاً اس بات پر اتفاق ہے کہ درج بالا سورۂ مبارکہ کا نزول ۳ھ میں ہوا اور اس کی ابتدائی آیات کے نزول کا تعلق نجران کے وفد سے ہے۔ اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ یہ وہ دور تھا جب کہ مسلمان فوجی اعتبار سے مضبوط نہ تھے اور دشمنوں کی طرف سے ہمہ وقت یلغار کا اندیشہ تھا۔ ان حالات میں کسی کو جنگ کا چیلنج دینا بعید از عقل ہے۔ دوئم مذکورہ بالا خط کے آخر میں جزیہ کا مطالبہ شامل ہو جانے سے یہ بات اور واضح ہو جاتی ہے کہ یہ بعد کا اضافہ ہے

ــــ اہل کتاب میں سے ایک گروہ تو یہی دل سے چاہتا ہے کہ تمہیں گمراہ کر کے رہے حالانکہ وہ اپنے ہی آپ کو گمراہ کرتے ہیں اور اس کا بھی شعور نہیں رکھتے ۔ (۳/۶۹)

چونکہ ۳ھ میں جزیہ کا سوال ہی نہ تھا۔ اسی بناء پر بہت سے حضرات نے اس واقعہ کو ۹ھ کا بتا دیا۔ بہر حال راقم الحروف نے مذکورہ خط میں مشکوک حصہ بابت جنگ اور جزیہ شامل نہیں کیا اور اس واقعہ کو بھی اسی طور پر پیش کیا جا رہا ہے جو ۳ھ کے حالات کا فطری تقاضہ ہو سکتا تھا۔)

محسنِ انسانیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا درج بالا خط جب نجران کے اسقف (BISHOP) کے ہاتھوں میں پہنچا تو وہ بڑا متردد ہوا۔ نامہ مبارک نہ اعلانِ جنگ تھا اور نہ اظہارِ طاقت و عظمت ۔ وہی سیدھی سادھی دعوتِ حق جو حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحٰقؑ، حضرت یعقوبؑ اور حضرت عیسٰیؑ ابنِ مریم بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے لئے رب العالمین کی جانب سے دیتے آئے تھے۔ ایسی دعوتِ حق سے انکار ہو تو کیونکر۔ ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے متعلق سنا تو ان لوگوں نے بھی تھا لیکن انہیں یہودِ مدینہ اور قریش مکہ کی طرح کوئی عداوت نہ تھی۔ اسی لیے موصولہ خط میں دی گئی دعوتِ حق سے ان کے تجسّس کو اور جلا ملی۔ غرض سردارانِ نجران ایک جگہ جمع ہوئے اور باہمی مشورہ کیا گیا۔ سردارانِ نجران میں سے ایک شخص تھا شرجیل بن وداعہ کہنے لگا "یہ بات تو ہم لوگ جانتے ہیں کہ اللہ نے اپنی کتاب (انجیل) میں بنی اسمٰعیل سے ایک نبی بھیجنے کا وعدہ کیا ہے۔ کیا بعید ہے کہ یہ وہی نبی ہوں لہٰذا ان کے پیغام کو جبکہ وہ ہمارے دین کے مطابق ہے فوری طور پر رد نہیں کرنا چاہئے۔ جس طرح انہوں نے جنگ کی بات نہیں کی اسی طرح ہم کو بھی جنگ کی باتوں سے گریز کرنا چاہئے ..." اور آخر کار ان کے درمیان فیصلہ ہوا کہ سردارانِ نجران

___ اے اہلِ کتاب! تم اللہ کی آیتوں سے کیوں انکار کئے جاتے ہو حالانکہ تم گواہ ہو ۔؟
___ اے اہلِ کتاب!! تم حق میں باطل کیوں ملاتے ہو اور حق کو کیوں چھپاتے ہو حالانکہ تم اس کو جانتے ہو ۔؟
___ اور اہلِ کتاب کا ایک گروہ کہتا ہے کہ ایمان لانے والوں پر جو نازل ہوا ہے اس پر صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو منکر ہو جاؤ کیا عجب ہے کہ وہ (اہلِ ایمان) بھی پھر جائیں ۔ (۳|۲ ۔ ۷۰ ۔)

کا ایک وفد مدینہ جائے اور تمام حالات کا جائزہ لے کر اپنی رائے پیش کرے ۔

مذکورہ فیصلہ کے بموجب ساٹھ سواروں پر مشتمل ایک وفد مدینہ پہنچا ان میں چودہ سربرآوردہ سردار تھے ۔ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہونے سے قبل ان حضرات نے کسی اور مقام پر قیام کیا ۔ سفری لباس اتار کر حمیرہ کے مشہور و معروف ریشمی لمبے لمبے جبے زیب تن کئے ۔ انگلیوں میں سونے کی بڑی بڑی انگوٹھیاں ڈالیں، بیش قیمت چادروں کو اپنے شانوں پر پھیلایا اور ان کے پلّو ہاتھوں میں تھامے ہوئے بڑے کرّوفر اور شاہانہ آن بان کے ساتھ مسجدِ نبوی میں داخل ہوئے ۔ چہروں پر تمکنت تھی اور دلوں میں خیال کہ ان کی یہ شان و شوکت اور شاہانہ دبدبہ و وقار اہلِ مدینہ اور ان کے سربراہ کو مرعوب کر دے گا لیکن ہوا اس کے برعکس ۔ جب یہ لوگ مسجدِ نبوی میں آکر بیٹھے تو رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے ۔ آپؐ نے ان حضرات کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا ۔ آپؐ کی نظروں میں تو خلّاقِ موجودات کی عظمت سمائی ہوئی تھی آپؐ کیوں کر ان کی خود ساختہ شان و شوکت سے متاثر ہو سکتے تھے آپؐ کی بصارت تو وہ دیکھتی تھی جو کہ دوسرے نہ دیکھ سکتے تھے ۔ یہ لوگ کچھ دیر مسجدِ نبوی میں بیٹھے رہے جب کسی نے بھی ان کی طرف توجہ نہ کی تو اٹھ کر چلے گئے ۔ متعجب و

— نیز یہ لوگ (اہلِ کتاب) آپس میں کہتے ہیں کہ اپنے مذہب والے کے علاوہ کسی کی بات نہ مانو۔ (اے نبیؐ!) آپ (ان سے) کہہ دیجئے "ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے اور یہ اسی کی دین ہے کہ کسی کو وہی کچھ دے دیا جائے جو کبھی تم کو دیا گیا تھا یا یہ کہ دوسروں کو تمہارے پروردگار کے حضور پیش کرنے کے لئے تمہارے خلاف قوی حجت مل جائے۔" (اے نبیؐ!) آپ کہہ دیجئے "فضل اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے عطا کرتا ہے اور اللہ بڑا وسعت والا ہے بڑا علم والا ہے۔ وہ جسے چاہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے اور اللہ بڑے ہی فضل والا ہے"۔ (۳: ۷۳ — ۷۴)

متحیر کر ان کی تمام شان و شوکت بے معنیٰ ہو کر رہ گئی۔ مدینہ کی اجنبی فضا تھی، نئے چہرے نئے لوگ۔ جائیں تو کہاں جائیں۔ اسی تگ و دو میں گھوم رہے تھے کہ ایک مقام پر حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ مل گئے۔ اوّل الذکر دونوں حضرات سے ان لوگوں کی واقفیت تھی چونکہ یہ دونوں بغرضِ تجارت باہر آتے جاتے رہتے تھے۔ لہٰذا ان لوگوں نے اپنی آمد کا مقصد اور مسجدِ نبوی میں حاضری کا واقعہ سناتے ہوئے کہا "اب آپ حضرات ہم کو بتائیں کہ کیا ہم اسی طرح بغیر بات چیت کئے یہاں سے واپس چلے جائیں۔؟" حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمانؓ بن عوف نے حضرت علیؓ سے کہا "آپ ان حضرات کو جواب دیں۔" حضرت علیؓ نے فرمایا "آپ لوگ اگر اللہ کے نبیؐ اور رسولؐ سے ملنے کی خواہش لیکر آئے ہیں تو اس زیب و زیبائش کی جگہ روزمرّہ کا لباس پہن کر تشریف لائیں۔" لہٰذا وہ لوگ اپنے قیام کی جگہ واپس گئے۔ لباسِ فاخرہ کی جگہ روزمرّہ کے کپڑے زیب تن کئے اور پھر مسجدِ نبوی میں حاضر ہوئے تو ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کا استقبال کرتے ہوئے انہیں خوش آمدید کہا۔ عزّت و احترام کے ساتھ

ـــــ اور اہلِ کتاب میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ اگر تو اس کے پاس ایک ڈھیر امانت رکھے تو وہ تجھے ادا کر دے گا اور ان میں کوئی وہ بھی ہے کہ اگر ایک اشرفی بھی اس کے پاس امانت رکھے تو وہ تجھے واپس نہ دے گا سوائے اس صورت کے کہ تو اس کے سر پر کھڑا رہے، یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ امیّوں (غیر یہودی) کے معاملہ میں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ اور (اس طرح) اللہ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھتے ہیں۔

ـــــ ہاں جو بھی اپنے عہد کو پورا کرے گا اور برائی سے بچ کر رہے گا وہ اللہ کا محبوب بنے گا چونکہ اللہ پرہیزگار لوگوں کو پسند کرتا ہے۔

ـــــ رہے وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور قسموں کو بیچ ڈالتے ہیں تھوڑی قیمت پر تو ان کے لئے آخرت میں کوئی حصّہ نہیں، اللہ قیامت کے دن نہ ان سے بات کرے گا، نہ ان کی جانب دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لئے تو سخت دردناک عذاب ہے۔

(۷۵-۷۷/۳)

انہیں اپنے قریب جگہ دی۔ اور فرمایا ”قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے کہ جب آپ لوگ پہلی مرتبہ میرے پاس آئے تو آپ کے ہمراہ ابلیس تھا۔“

اہلِ نجران کچھ ہی دیر بیٹھے تھے کہ عصر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ صحابۂ کرام نے ہادی برحق نبی محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت میں حسبِ معمول نماز ادا کی ـــــ نصرانیوں کی عبادت کا بھی وقت تھا وہ بھی مسجد نبوی میں بیت المقدس کی جانب رخ کر کے اپنی عبادت میں مصروف ہو گئے۔ کسی مسلمان نے آپؐ سے کچھ عرض کیا تو آپؐ نے خندہ پیشانی سے ارشاد فرمایا۔ ادعوھم (انہیں چھوڑ دو یعنی انہیں اپنی عبادت کرنے دو)۔ بعدہٗ گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا۔ نجران کے وفد میں شامل ان کے علماء اور دانشور آپؐ سے سوال کرتے اور آپؐ کلامِ ربانی کی

___ ان میں کچھ ایسے ہیں جو کتاب پڑھتے ہوئے اس طرح زبان کا الٹ پھیر کرتے ہیں کہ تم سمجھو کہ وہ جو کچھ بھی پڑھ رہے ہیں وہ بھی کتاب میں ہے حالانکہ وہ کتابِ (الٰہی) کی عبارت نہیں ہوتی، وہ کہتے ہیں کہ ہم جو کچھ پڑھ رہے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا۔ وہ تو جان بوجھ کر جھوٹ بات اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔
___ کسی آدمی کا یہ حق نہیں کہ اللہ تو اس کو کتاب اور حکم و نبوّت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کے بجائے میرے بندے ہو جاؤ ہاں (وہ تو یہی کہے گا) کہ اللہ والے بن جاؤ اس سبب سے کہ اس کتابِ (الٰہی) کی تعلیم یہی ہے جسے تم پڑھتے اور پڑھاتے ہو۔ وہ تم سے ہرگز یہ نہ کہے گا کہ فرشتوں کو یا پیغمبروں کو اپنا رب بنالو۔ کیا وہ (کبھی) تمہیں کفر کا حکم دے گا بعد اس کے کہ تم اسلام لاچکے ہو۔ (۳/۸۰-۷۸)

روشنی میں جواب دیتے۔ اس طرح آپؐ نے پوری دعوتِ حق ان کے سامنے پیش فرما دی اور پھر فرمایا۔ "یہی صراطِ مستقیم اور یہی اسلام ہے جس کی طرف میں آپ کو دعوت دیتا ہوں۔" انہوں نے عرض کیا۔ "اگر یہ باتیں صراطِ مستقیم اور اسلام ہیں تو ہم تو پہلے ہی سے مسلمان ہیں۔" آپؐ نے فرمایا۔ "لیکن تم لوگ تو خدا کی اولاد مانتے ہو، صلیب کی پوجا کرتے ہو اور خنزیر کھاتے ہو یہ باتیں اسلام کے منافی ہیں۔" اہلِ نجران نے کہا۔ "اچھا پھر بتلایئے کہ حضرت عیسیٰؑ کا باپ کون ہے؟" اور اسی طرح کے چند اور سوالات کر ڈالے۔ احمدِ مرسل نبی اطہر صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ دیر توقف فرمایا۔ بارگاہِ الوہیت سے درج بالا سورۂ مبارکہ کی آیات کا نزول ہوا جن میں نہ صرف اللہ تعالیٰ کی احدیت اور معبودِ برحق ہونے کی وضاحت کی گئی بلکہ دیگر کتبِ الٰہیہ کے ساتھ قرآن کی حقانیت بھی بیان کی گئی حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ حضرت مریم کا ذکر کیا گیا اور واضح طور پر بتا دیا گیا کہ اللہ کے نزدیک عیسیٰؑ

—— اور یاد کرو (وہ وقت) جب اللہ نے انبیاء سے عہد لیا تھا کہ جو کتاب و حکمت میں تمہیں دوں پھر تمہارے پاس کوئی رسول اس (کتاب) کی تصدیق کرنے والا آئے جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس (رسول) پر ایمان لانا اور ضرور اس کی نصرت کرنا، پھر فرمایا۔ "کیا تم اقرار کرتے ہو اور اس پر میرا عہد قبول کرتے ہو؟" وہ بولے "ہم اقرار کرتے ہیں۔" (اللہ نے) فرمایا۔ "اچھا تو گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں"

—— اس کے بعد جو اپنے عہد سے پھر جائے وہی فاسق ہے۔

—— سو کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے علاوہ (کسی اور طریقہ کو) تلاش کر رہے ہیں۔ حالانکہ آسمان و زمین کی ساری چیزیں چار و ناچار اسی کے فرمان کے تابع ہیں اور اسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے۔

—— اے نبی آپ کہہ دیجئے "ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس پر جو ہمارے اوپر اتارا گیا ہے اور اس پر (بھی) جو ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ و اسحٰقؑ و یعقوبؑ اور اولادِ یعقوب پر اتارا گیا ہے اور اس پر (بھی) جو موسیٰؑ و عیسیٰؑ اور (دوسرے) نبیوں کو دیا گیا ان کے پروردگار کی طرف سے ہم ان کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے اور ہم تو (اسی) اللہ کے فرمانبردار ہیں۔ (۳/۸۴-۸۱)

کی مثال آدم کی سی ہے (آیت ۵۹) جو حقیقی طور پر توحید کے علمبردار اور انسانی عظمت و سربلندی کے نقیب تھے۔ احمدِ مختار نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیات نجران کے لوگوں کے سامنے تلاوت فرمائیں اور ان کے سوالات کا ان آیات سے جواب دیا۔

مفسرین اور آپؐ کے سیرت نگاروں نے اس سلسلہ میں مباہلہ کا بھی ذکر

—— اور جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو تلاش کرے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ شخص آخرت میں خسارہ میں رہ جانے والوں میں سے ہوگا۔

—— کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ ان لوگوں کو ہدایت دے جنہوں نے نعمتِ ایمان پا لینے کے بعد کفر اختیار کر لیا حالانکہ وہ خود اس بات کی گواہی دے چکے تھے کہ یہ رسول حق پر ہیں اور ان کے پاس روشن نشانیاں بھی آ چکی تھیں اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

—— (اور) ایسوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی، فرشتوں کی اور انسانوں کی، سب کی لعنت ہوتی ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ پڑے رہنے والے ہیں، نہ ان پر سے عذاب ہلکا کیا جائے گا اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔ البتہ جو لوگ اس کے بعد توبہ کر لیں اور (اپنے کو) درست کر لیں سو بے شک اللہ بڑا مغفرت والا اور بڑا رحم والا ہے۔ (۳/۸۹-۸۵)

کیا ہے اور لکھا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے روز مباہلہ کے وقت حضرت سیدہ فاطمہؓ ان کے صاحبزادوں سیدنا حسنؓ اور سیدنا حسینؓ کو آغوش میں لیے تشریف لائے۔ یہ تذکرہ اس واقعہ سے مطابقت نہیں رکھتا۔ چونکہ سیدنا حضرت حسنؓ کی ولادت ۱۵ ر رمضان ۳ھ کو ہوئی اور نجران کا وفد اس سے قبل آیا تھا۔ ان روایات سے یہ پتہ ضرور ملتا ہے کہ نجران کے نصرانیوں کا یہ پہلا وفد تھا بعد کو ان کی طرف سے اور بھی وفود آئے ہوں گے جن میں ۹ھ کا وفد بھی شامل ہے۔ جس کا تذکرہ مفسرین کرام نے آیتِ مباہلہ کے تحت کیا ہے اور قرین قیاس یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مباہلے کے لئے اہل بیت کو لے کر تشریف لائے

ــــ بے شک جن لوگوں نے اپنے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کیا، پھر کفر (ہی) میں پڑے رہے ان کی توبہ ہرگز قبول نہ کی جائے گی یہی لوگ تو گمراہ ہیں۔

ــــ بے شک جن لوگوں نے کفر (اختیار) کیا اور وہ مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر تھے سو ان میں سے کسی سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا زمین بھر سونا (بھی)، اگر وہ اس کے بدل دینا چاہیں گے یہی (تو) وہ لوگ ہیں جن کے لئے عذاب دردناک ہے اور جن کے کوئی بھی مددگار نہ ہوں گے۔

ــــ (اے لوگو!) تم ہرگز (کامل) نیکی کو نہ پہنچو گے جب تک کہ اللہ کی راہ میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو گے اور تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے اللہ کو معلوم ہو گا۔

ــــ کھانے کی کل چیزیں بنی اسرائیل کے لئے بھی حلال تھیں سوائے ان چیزوں کے جو کہ توراۃ کے نازل کئے جانے سے پہلے اسرائیل نے خود اپنے اوپر حرام کر لی تھیں۔ ان سے کہئے "اگر تم (اپنے اعتراض میں) سچے ہو تو لے آؤ توراۃ اور پیش کرو اس کی کوئی عبارت۔ سو جو لوگ اللہ پر اس کے بعد جھوٹ گھڑ لیں تو بس وہی لوگ ظالم ہیں۔ (۳/۹۴-۹۰)

ہوں گے۔ یہ دو علیحدہ واقعات ہیں جن کو خلط ملط کر دینے سے وقت کے تعین میں غلط فہمی پیدا ہوئی ہے۔ محققین اگر اس سمت توجہ دیں تو اس طرح کی نہ جانے کتنی باتیں اپنے صحیح رنگ و روپ میں آسکتی ہیں۔

بہر حال جیسا کہ پہلے مذکور ہوا ہے کہ احمد مختار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کے جواب میں اہلِ نجران نے فیصلہ کیا تھا کہ حالات کا جائزہ لینے کے لئے ایک وفد مدینہ بھیجا جائے۔ لہٰذا اس وفد سے یہ توقعات رکھنا کہ وہ آپؐ کے پیش کردہ پیغام کو فوری قبول کر لیتا یا مسترد کر دیتا قرینِ قیاس نہیں۔

— آپ کہہ دیجئے: "اللہ نے سچ بات فرمادی ہے سو تم سیدھی راہ والے ابراہیم کے دین کی پیروی کرو اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھے۔"

— بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ جو لوگوں کے لئے تعمیر ہوئی وہی ہے جو مکہ میں ہے۔ باعثِ برکت اور سارے جہان کے لئے مرکزِ ہدایت ہے۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں (ان میں سے ایک) مقامِ ابراہیم ہے، اور جو کوئی اس میں داخل ہو جاتا ہے امن سے ہو جاتا ہے۔ اور لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہے اللہ کے گھر کا حج کرے، اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو وہ جان لے کہ اللہ تو سارے جہان سے بے نیاز ہے۔ (۳/۹۷-۹۵)

یہ وفد تو صرف حالات کا جائزہ لینے آیا تھا اور جائزہ لے کر واپس چلا گیا۔ یہ صرف افہام و تفہیم کی گفتگو تھی جو کہ درج بالا آیاتِ ربانی سے ثابت ہے۔

یہودیوں کی مزید عیّاریاں نصرانیوں کے برخلاف یہودیوں کا رویہ قطعی مختلف تھا۔ نصرانی گو اپنی قدیم مذہبی باتوں پر قائم رہنے کے لئے بضد تھے چونکہ ہر ایک کو اپنا مذہب پیارا ہوا کرتا ہے تاوقتیکہ اس سے بہتر اور عمدہ بات اس کے ذہن نشین نہ ہو جائے لیکن اس کے ساتھ ہی نصرانیوں میں افہام و تفہیم کا جذبہ تھا۔ ان کے برعکس یہودی مشرکین کی طرح کٹ حجتی اور بے جا نسبی تفاخر میں مبتلا تھے جس کی بنا پر ان میں کینہ بغض اور حسد کے جذبات نمایاں طور پر پائے جاتے تھے۔ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی سے تو چراغ پا تھے ہی اب مسلمانوں کی صفوں میں اضافہ ان کے حاسدانہ جذبات کو اور بڑھا رہا تھا۔ ان دنوں یہودیوں کو ایک اور رکیک حرکت سوجھی کہ اپنے آدمی

— (اے نبیؐ!) آپ کہیئے "اے اہلِ کتاب تم کیوں اللہ کی نشانیوں سے کفر کر رہے ہو، جو حرکتیں تم کرتے ہو اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔"

— آپ کہیئے "اے اہلِ کتاب جو ایمان لا چکا اسے تم کیوں اللہ کی راہ سے ہٹا رہے ہو اور چاہتے کہ وہ ٹیڑھی راہ چلے۔ حالانکہ تم خود (اپنے دل سے اس کے راہِ راست پر ہونے کے) گواہ ہو اور (جان لو کہ) اللہ تمہارے کرتوتوں سے بے خبر نہیں ہے۔

— اے ایمان والو اگر تم کچھ کتابیوں (یہود و نصاریٰ) کے کہنے پر چلے تو وہ تمہارے ایمان لانے کے بعد تمہیں کافر کر چھوڑیں گے۔

— اور تم کس طرح کفر کر سکتے ہو جبکہ تمہیں اللہ کی آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں اور تمہارے درمیان اس کے رسول موجود ہیں، اور جو کوئی (بھی) اللہ کو مضبوط پکڑتا ہے۔ وہ ضرور سیدھی راہ کی طرف ہدایت کیا جاتا ہے۔ (۳/۱۰۱-۹۸)

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجتے، وہ لوگ بظاہر سب کے سامنے ایمان لے آتے، مسلمان ہونے کا باقاعدہ اعلان کر دیتے، مسلمانوں میں اٹھتے بیٹھتے اور ہر طرح ثابت کرتے کہ وہ مسلمان ہیں اور پھر کچھ دنوں بعد کہنے لگتے کہ ہم نے تو مسلمانوں اور ان کے پیغمبر میں کوئی اچھی بات نہ پائی بلکہ بہت سی خرابیاں دیکھی ہیں لہٰذا اسلام سے انحراف کا اعلان کر دیتے اور اس طرح دوسرے سادہ لوح مسلمانوں کو بھی بہکاتے کہ وہ بھی مرتد ہو جائیں۔ ان حرکاتِ خبیثہ کے علاوہ یہودیوں میں تنگ نظری بھی بدرجہ اتم تھی جس کی بنا پر ان میں زندگی کے دو معیار قائم تھے۔ ان کا آپس میں لین دین کا طریقہ اس سے مختلف تھا جو کہ وہ دوسروں کے ساتھ اختیار کرتے تھے۔ یہ لوگ غیر یہودی کے ساتھ ہر طرح کی زیادتی کو جائز قرار دیتے تھے۔ یہ بات نہ صرف معاشرتی یا اقتصادی

___ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جو اس کے ڈرنے کا حق ہے اور تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔ اور اللہ کی رسی سب مل کر مضبوطی سے تھامے رہو اور باہم نااتفاقی نہ کرو، اور اللہ کا یہ انعام اپنے اوپر یاد رکھو کہ جب تم باہم دشمن تھے تو اس نے تمہارے قلوب میں الفت ڈالدی سو تم اس کے انعام سے (آپس میں) بھائی بھائی بن گئے، اور تم دوزخ کے کنارے پر جا لگے تھے سو اس نے تمہیں اس سے بچالیا۔ اسی طرح اللہ اپنے احکام کھول کر سناتا رہتا ہے تاکہ تم ہدایت پاؤ۔

___ اور ضروری ہے کہ تم میں ایک ایسی جماعت رہے جو نیکی کی طرف بلایا کرے اور بھلائی کا حکم دیا کرے اور بدی سے روکا کرے اور یہی لوگ تو پورے کامیاب ہیں۔ (۳/۱۰۴-۱۰۲)

طور پر جائز سمجھی جاتی تھی بلکہ ان کی مذہبی تعلیم کے عین مطابق تھی۔ ان کی مذہبی کتاب تلمود میں مرقوم ہے کہ "اگر اسرائیل کا بیل کسی غیر اسرائیلی کے بیل کو زخمی کردے تو اس پر کوئی تاوان نہیں مگر غیر اسرائیلی کا بیل اگر اسرائیلی کے بیل کو زخمی کردے تو اس پر تاوان ہے۔" اسی طرح انصاف سے متعلق یہودیوں کا نظریہ ملاحظہ ہو۔ "ربی شموایل کہتا ہے کہ اگر گوئم (غیر یہودی) اور اسرائیلی کا مقدمہ قاضی کے پاس آئے تو قاضی اگر اسرائیلی قانون کے مطابق اپنے مذہبی بھائی کو جتوا سکتا ہے تو اس کے مطابق جتوائے اور کہے کہ یہ تمہارا قانون ہے اور اگر دونوں قانون ساتھ نہ دیتے ہوں تو پھر جس حیلے سے بھی وہ اسرائیلی کو کامیاب کر سکتا ہے کرے۔ ربی شموایل کہتا ہے کہ غیر اسرائیلی کی ہر غلطی سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔"

(تالمود کی مسلینی، پال آئزک ہرشون، لندن ۱۸۸۰ء صفحات ۳، ۲۱۰، ۲۲۱)

جس قوم کی مذہبی تعلیمات ظلم کو روا اور بے انصافی کو جائز قرار دیتی ہوں

۔۔۔ اور ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جو آپس میں فرقوں میں بٹ گئے اور ان میں اختلاف پڑ گئے بعد اس کے کہ انہیں کھلی نشانیاں آ چکی تھیں اور انہی کے لئے تو عذابِ عظیم ہے، اس روز جبکہ کچھ لوگ سرخرو ہوں گے اور کچھ لوگوں کا منہ کالا ہو گا۔ جن کا منہ کالا ہو گا (ان سے کہا جائے گا) کیا تم ہی کافر ہو گئے تھے اپنے ایمان کے بعد سو اب عذاب چکھو اپنے کفر کے صلہ میں۔ اور جن کے چہرے روشن ہوں گے تو ان کو اللہ کے دامنِ رحمت میں جگہ ملے گی اور وہ ہمیشہ اسی حالت میں رہیں گے۔ یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم تمہیں ٹھیک ٹھیک سنا رہے ہیں اور اللہ جہان والوں پر ظلم نہیں چاہتا۔ زمین و آسمان کی ساری چیزوں کا مالک اللہ ہے اور سارے معاملات اللہ ہی کے حضور پیش ہوتے ہیں۔

۔۔۔ تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو، اور اہلِ کتاب بھی اگر ایمان لے آتے تو ان کے حق میں کہیں بہتر ہوتا، ان میں سے کچھ تو ایمان والے ہیں مگر اکثر ان میں سے نافرمان ہیں۔ (۳/۱۰۵-۱۱۰)

اس کی اخلاقی پستی کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ یہی وہ اخلاقی گراوٹ ہے جو آج بھی یہودی ذہنیت کہلاتی ہے۔ اور یہی یہودی ذہنیت حضور سرورِ کائنات محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے رفقائے کرام کی راہ میں کانٹے بچھا رہی تھی۔ آپؐ ان کی طرف دستِ تعاون بڑھا رہے تھے اور یہ ظالم مارِ آستین بن کر ڈسنا چاہتے تھے۔

انہی دنوں ان بدبخت لوگوں نے ایک اور طریقہ اختیار کیا کہ کلامِ ربانی

— وہ تم کو معمولی اذیت کے علاوہ کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے اور اگر وہ تم سے مقابلہ کریں گے تو تمہیں پشت دکھا کر بھاگ جائیں گے پھر ان کی مدد بھی نہ کی جائے گی۔

— ان پر جما دی گئی ہے ذلّت خواہ کہیں بھی وہ پائے جائیں سوائے اس کے کہ کہیں (وقتی طور پر) اللہ کے ذمّہ یا انسانوں کے ذمّہ پناہ مل گئی ہو۔ یہ اللہ کے غضب کے مستحق ہو چکے ہیں، ان پر پستی مسلط کر دی گئی ہے اور یہ سب کچھ اس سبب سے ہوا کہ یہ اللہ کی آیات سے کفر کرتے رہے اور انہوں نے پیغمبروں کو ناحق قتل کیا، یہ ان کی نافرمانیوں اور اللہ کی حدود سے نکل جانے کا انجام ہے۔

— مگر سب اہلِ کتاب یکساں نہیں ہیں کچھ وہ (بھی) ہیں جو حق پر قائم ہیں، اللہ کی آیات پڑھتے ہیں رات کے اوقات میں اور سجدہ کرتے ہیں۔

— یہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں اور اچھی باتوں کی طرف دوڑتے ہیں اور یہی لوگ صالحین میں سے ہیں۔ (۳: ۱۱۴-۱۱۱)

کی آیات سادہ لوح مسلمانوں کے سامنے زبان کو اُلٹ پلٹ کر اس طرح پڑھتے کہ اس کے معنٰی ہی بدل جاتے اور لوگوں کو یہ تاثر دیتے کہ یہی فرمانِ الٰہی ہے حالانکہ وہ قطعی فرمانِ الٰہی نہ ہوتا۔ ان جیسی تمام حرکات کے باوجود یہ ظالم کہتے پھرتے تھے کہ قیامت کے روز یہی لوگ اللہ تعالےٰ کے مقرب بندے ہونگے اس کے انعام واکرام سے نوازے جائیں گے اور دنیا کی تھوڑی بہت خرابیاں جو ان سے سرزد ہوتی ہیں وہ ان کے نبیوں کی وجہ سے معاف کر دی جائیں گی۔ حالانکہ ان کی تمام تر حرکات ان کے نبیوں کی تعلیمات کے خلاف تھیں۔

ـــــ اور جو بھی نیک کام یہ کریں گے اس سے محروم ہرگز نہ کئے جائیں گے اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔

ـــــ بے شک جن لوگوں نے کفر (انکارِ حق) کیا ہرگز ان کے کام اللہ کے مقابلے میں نہ ان کے مال آئیں گے نہ ان کی اولاد یہی لوگ دوزخ والے ہیں اس میں ہمیشہ پڑے رہیں گے۔

ـــــ جو کچھ وہ اپنی اس دنیوی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس ہوا کی سی ہے جس میں سخت سردی (پالا) ہو اور وہ ان لوگوں کی کھیتی پر چلے جنہوں نے اپنے اوپر آپ ہی ظلم کیا ہے اور اسے برباد کر کے رکھ دے۔ اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا درحقیقت یہ خود اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں۔ (۳/۱۱۷-۱۱۵)

درج بالا آیات ۶۴ تا ۱۲۰ اہل کتاب ہی سے متعلق ہیں۔ جن کے ذریعہ حق تعالیٰ نے ان کے خیالاتِ فاسد کی اصلاح فرمائی۔ یہودیوں کو مخاطب کرتے ہوئے اس امر حقیقی کی وضاحت بھی کر دی گئی کہ حضرت ابراہیمؑ کے متعلق جو ان کا خیالِ خام ہے کہ وہ یہودی تھے کسی بھی طرح درست نہیں چونکہ یہودیت اور نصرانیت کا وجود توریت اور انجیل کے نزول کے بعد ہوا۔ اور حضرت ابراہیم اس سے بہت پہلے گذر چکے تھے۔ اس لئے نہ وہ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار (مسلم) تھے۔ آگے کی آیات میں یہودیوں کی مذکورہ عیارانہ چالوں کا ذکر کرتے ہوئے ان کو عقلی و منطقی دلائل سے دعوتِ حق دی گئی۔ ان کی توجہ اُس میثاق (عہد) کی طرف بھی دلائی گئی جو کہ اللہ تعالیٰ نے ہر پیغمبر سے لیا تھا کہ آج ہم نے تم کو کتاب و حکمت اور دانش کے ساتھ لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے لہٰذا اگر بعد میں کوئی دوسرا رسول اس تعلیم کی تصدیق کرتا ہوا آئے تو تم اس پر ایمان لے آنا اور اس کی مدد کرنا۔ اس میثاق (عہد) کی بنا پر ہر نبی نے اپنی امت کو بعد میں آنے والے نبی کی خبر دی اور عہد لیا

—— اے ایمان والو! غیروں کو اپنا رازداں نہ بناؤ، وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے اور تمہارے دکھ پہنچنے کی آرزو رکھتے ہیں، بغض تو ان کے مونہوں سے نکلا پڑتا ہے، اور جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اور بھی زیادہ بڑھ کر ہے، ہم تو تمہارے لئے کھول کر نشانیاں ظاہر کر چکے ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو۔

—— تم ان سے محبت رکھتے ہو مگر وہ تم سے محبّت نہیں کرتے حالانکہ تم تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہو۔ اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب الگ ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف ان کے غیظ و غضب کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں۔ آپ کہدیجئے ان سے کہ اپنے غصّہ ہی میں جل مرو۔ بے شک اللہ چھپے ہوئے راز تک جانتا ہے۔

—— اگر تمہارا بھلا ہوتا ہے تو ان کو برا معلوم ہوتا ہے اور تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو یہ خوش ہوتے ہیں۔ اگر تم صبر و تقویٰ اختیار کئے رہو تو تم کو ان کی چالیں ذرا بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گی۔ بے شک اللہ ان کے اعمال پر پورا احاطہ رکھتا ہے۔

—— (اے حبیبؐ!) اور یاد کیجئے وہ وقت جب آپ صُبح سویرے اپنے گھر سے نکلے تھے اور (اُحد کے میدان میں) مؤمنین کو جنگ کے موروچوں پر مامور کر رہے تھے۔ اور اللہ تو ساری باتیں سنتا اور جانتا ہے۔ (۳|۱۲۱-۱۱۸)

کہ وہ اس کا ساتھ دیں گے۔ بایں وجہ یہود اور نصرانی نبیؐ موعود کی آمد کے منتظر تھے اور ان کی کتابوں میں ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پیش گوئی بھی تھی لیکن اب یہی اہلِ کتاب آپؐ کی نبوت کو تسلیم کرنے سے گریزاں تھے۔ یہاں ایک بات

— جب تم میں سے دو جماعتیں ارادہ کرنے لگیں کہ ہمت چھوڑ دیں حالانکہ اللہ دونوں کا مددگار تھا، اور مسلمان کو تو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔

— اور بے شک اللہ نے تمہاری بدر میں مدد کی جب تم بالکل بے سروسامان تھے تو اللہ سے ڈرتے رہو، کیا عجب کہ شکر گزار بن جاؤ۔
(۳/۱۲۳-۱۲۲)

کی اور وضاحت ہو جاتی ہے کہ آپؐ سے پہلے مبعوث ہونے والے نبیوں نے تو اپنی امت کو آنے والے نبی کی خبر دی اور ان سے عہد لیا۔ لیکن قرآن اور احادیث سے ثابت ہے کہ آپؐ نے نہ تو کسی آنے والے نبی کی خبر دی اور نہ اپنی امت سے اس طرح کا کوئی عہد کیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ آپؐ آخری نبی ہیں اور آپؐ کے بعد کوئی دوسرا نبی نہیں۔ بصورتِ دیگر آپؐ اس کی بشارت ضرور دیتے درحقیقت درج بالا آیات تو ایسے منطقی اور عقلی دلائل ہیں جن سے حقیقت آشکار ہو جاتی ہے لیکن یہودیوں کی تنگ نظری اور بیجا نسبی تفاخر نے تو ان کی عقل و بصیرت پر نقاب ڈالا ہوا تھا۔ وہ اپنی خود ساختہ حدود سے باہر دیکھ ہی نہ سکتے تھے۔

مشرکینِ قریش کی جارحانہ تیاریاں غزوۂ غطفان اور اہالیانِ نجران کے مذکورہ واقعات اتفاقی نہ تھے۔ یہ تو ہادیٔ برحق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دور بین نگاہیں تھیں کہ ان طوفانوں کو وجود میں آنے سے قبل ہی دیکھ لیا۔ ورنہ تو بیابانوں میں جنم لینے والے یہ چھوٹے چھوٹے طوفان اس بڑے طوفان کی قوت میں اضافے کا سبب ہو سکتے تھے جو مکہ کی وادیوں میں پروان چڑھ رہا تھا۔ مشرکینِ قریش کے قلوب میں جوش مارتا ہوا انتقامی لاوا ایوانِ حق کی ہر چیز کو خاکستر کر ڈالنے کے لئے بیتاب تھا۔ مکہ سے ملنے والی خبریں اس بات کا مسلسل پتہ دے رہی تھیں کہ مدینہ پر یلغار کی تیاریاں جاری ہیں۔

—— (اے حبیبؐ! قابلِ ذکر ہے وہ وقت) جب آپ مومنین سے کہہ رہے تھے "کیا تمہارے لئے یہ بات کافی نہیں کہ اللہ تین ہزار فرشتے اتار کر مدد کرے۔"

—— بے شک اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو جس آن دشمن تمہارے اوپر چڑھ کر آئیں اسی آن تمہارا پروردگار تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیج دے گا (۳/۱۲۵-۱۲۴)

غزوۂ بدر کے وقت مشرکین کا جو تجارتی قافلہ شام سے سامانِ تجارت لے کر بخیر و خوبی مکہ واپس پہنچ گیا تھا۔ اس میں لگایا ہوا اصل سرمایہ تو ابوسفیان کی تجویز پر متعلقہ سرمایہ کاروں کو واپس کر دیا گیا تھا لیکن منافع کی رقم دارالندوہ میں جمع کر دی گئی تھی کہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاریوں پر صرف کی جائے۔

مشرکین نے اپنے چیدہ چیدہ اور معروف سفارت کاروں کو جو اپنی دانشوری اور چرب زبانی میں یکتائے روزگار تھے دیگر قبائل میں روانہ کیا تھا کہ وہ انہیں مسلمانوں کے خلاف آمادۂ جنگ کریں۔ ان سفارت کاروں میں عمرو بن العاص بھی شامل تھے۔ اسی طرح ان دشمنانِ حق نے اپنے نامور شعراء عمرو جمحی اور مسافع کو بھی مکہ اور مدینہ کے درمیان آباد قبائل کے درمیان بھیج دیا تھا جہاں وہ اپنی آتشیں اور نفرت انگیز شاعری سے لوگوں کے قلوب میں مسلمانوں کے خلاف آگ لگاتے پھرتے تھے۔ عمرو جمحی مسلمانوں کے خلاف جنگِ بدر میں بھی شریک ہوا تھا اور بحیثیت قیدی جب آپؐ کے حضور پیش کیا گیا تو آپؐ نے اس کی مفلسی کے پیشِ نظر اس کو چھوڑ دیا تھا اور اب وہی آپؐ کے خلاف زہر افشانی کرتا پھر رہا تھا۔

مشرکینِ قریش کی یہ تمام مذکورہ تیاریاں احمدِ مختار نبی محتشم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوشیدہ نہ تھیں۔ آپؐ نے احتیاطی تدابیر کی تھیں اور صحابہ کرام

— یہ بات اللہ نے تمہیں اس لئے بتادی ہے کہ تم خوش ہو جاؤ اور تمہارے دل مطمئن ہو جائیں۔ فتح و نصرت جو کچھ بھی ہے اللہ کی طرف سے ہے جو زبردست اور حکمت والا ہے۔

— (اور یہ نصرت اس غرض سے تھی) تاکہ کفر کرنے والوں میں سے ایک گروہ کو ہلاک کردے یا انہیں خوار کردے کہ وہ ناکام ہو کر واپس جائیں۔

— (اے نبیؐ) یہ بات آپ کے ہاتھ میں نہیں، اللہ خواہ ان کی توبہ قبول کرے خواہ انہیں عذاب دے اس لئے کہ وہ ظالم ہیں۔

— اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، وہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے اور اللہ بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔ (۳|۱۲۹-۱۲۶)

کو حکم ربّی کے مطابق آمادۂ جہاد بھی کیا تھا لیکن اطمینان و سکون کا یہ عالم تھا کہ مدینہ میں زندگی معمول کے مطابق تھی۔ نہ کہیں خوف کے آثار تھے اور نہ گھبراہٹ کے۔ ماہ رمضان المبارک شروع ہوا تو تمام مسلمان انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ مصروفِ عبادت ہو گئے۔

حضرت حسنؓ ابنِ علیؓ کی ولادت

اسی ماہِ رمضان کی پندرہ تاریخ کو سیّدہ فاطمہؓ بنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں پہلی ولادت ہوئی۔ نومولود کا نام حضورِ انور ہادی برحق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حسن رکھا۔ ولادت کے ساتویں دن عقیقہ کیا گیا اور سر کے بال اتارے گئے۔ آپؐ نے حکم دیا کہ اترے ہوئے بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کی جائے۔ نومولود میں اپنے نانا کی جھلک نمایاں تھی۔

حضرت عباسؓ کا خط آپؐ کے نام

ماہ رمضان المبارک ختم ہوا ہی تھا

ـــ اے ایمان والو! سود کئی کئی حصّہ بڑھا کر نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔ اور اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لئے تیار رکھی ہے۔ اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے، اور دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور ایسی جنت کی طرف جس کا عرض سارے آسمان اور زمین ہیں اور جو پرہیزگاروں کے لئے تیار رکھی ہے۔ یہ (پرہیزگار) وہ لوگ ہیں جو فراغت اور تنگی (دونوں) میں خرچ کرتے ہیں اور غصّہ کے ضبط کرنے والے ہیں، اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں، اور اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ (۳/۱۳۴-۱۳۰)

کہ حضرت عباسؓ ابن عبدالمطلب کا ایک قاصد ان کا ایک خط لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا۔

حضرت عباسؓ آپؐ کے بڑے شفیق چچا تھے۔ جب تک ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رہے انہوں نے آپؐ کی ہر طرح حفاظت کی بیعتِ عقبہ کے موقع پر بھی آپؐ کے ہمراہ تھے۔ لیکن آپؐ کی ہجرت کے وقت مکہ میں رہ گئے تھے جنگِ بدر میں مشرکین مکہ کی طرف سے شامل ہوئے چونکہ ان کی قوم کے لوگوں نے بنی ہاشم کو جبراً شریک جنگ کیا تھا۔ دورانِ جنگ قید ہوئے اور فدیہ لے کر آزاد کئے گئے۔ بعد میں مکہ ہی میں رہتے ہوئے ایمان لے آئے تھے۔

حضرت عباسؓ نے لکھا تھا کہ قریش کی کثیر فوج عنقریب روانہ ہونے والی ہے۔ یہ لوگ جوشِ انتقام سے لبریز ہیں انہوں نے منتیں مانی ہیں کہ اپنے مقتولوں کا انتقام قاتلوں کا خون پی کر لیں گے۔ ابو سفیان کی بیوی اور عتبہ کی بیٹی ہندا، عکرمہ کی بیوی ام حکیم، ولید کی بیٹی فاطمہ، طائف کے رئیس مسعود ثقفی کی بیٹی ریطہ اور حضرت مصعب بن عمیر کی ماں خناس اور دیگر معزز گھرانوں کی خواتین کو فوج میں

— اور یہ (پرہیزگار) وہ لوگ ہیں کہ جب کوئی بیجا حرکت کر بیٹھتے ہیں یا اپنے ہی حق میں کوئی ظلم کر ڈالتے ہیں تو اللہ کو یاد کر لیتے ہیں اور اپنے گناہوں سے معافی طلب کرنے لگتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہے ہی کون جو گناہوں کو بخشتا ہو۔ اور یہ (لوگ) اپنے کئے ہوئے پر جان بوجھ کر نہیں اڑتے۔

— ایسے (پرہیزگار) لوگوں کی جزا ان کے پروردگار کی طرف سے بخشش ہے اور (بہشت کے) باغ ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہونگی، ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور (ایسے) کام کرنے والوں کے لئے کیا ہی اچھا معاوضہ ہے۔ (۳/۱۳۶-۱۳۵)

شامل کیا گیا ہے کہ وہ اپنی للکاروں سے اپنی فوج کو آمادۂ انتقام رکھیں۔ آپ نے یہ بھی تحریر کیا تھا کہ چونکہ ہندا کا باپ عتبہ اور جبیر بن مطعم کا چچا حضرت حمزہؓ کے ہاتھوں بدر میں مارے گئے ہیں لہٰذا جبیر کے غلام وحشی کو اس بات پر آمادہ کیا گیا ہے کہ وہ حضرت حمزہؓ کو قتل کرے جس کے صلہ میں وہ آزاد کر دیا جائے گا۔

آپؐ کی تیاریاں اور صحابہ کرام سے مشورے

حضرت عباسؓ کا خط موصول ہوتے ہی آپؐ نے ۵ شوال کو دو خبر رساں انس اور مونس کو روانہ فرمایا کہ وہ دشمنانِ حق کی تازہ خبر لائیں۔ انہوں نے آکر اطلاع دی کہ مشرکینِ قریش کا لشکر تو مدینہ کے قریب آ نکلا ہے اور مدینہ کی چراگاہ عریض کو ان کے گھوڑوں نے صاف کر ڈالا ہے۔ آپؐ نے خبابؓ بن منذر کو مخبری کے لئے روانہ کیا کہ وہ حالات کا جائزہ اور دشمن فوج کی تعداد کا صحیح اندازہ لے کر آئیں۔ ان کے تخمینہ کے مطابق دشمنانِ حق کی تعداد تین ہزار تھی۔ اور جو کچھ حضرت عباسؓ نے اپنے خط میں لکھا تھا وہی حالات تھے۔ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حالات کو سنتے ہوئے فرمایا۔ حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ

یقیناً تم سے قبل (مختلف طریقہ رکے لوگ) گزر چکے ہیں۔ سو تم روئے زمین پر چلو، پھرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا ہے۔ یہ ایک اعلان ہے سارے لوگوں کے لئے اور ہدایت و نصیحت ہے ڈرنے والوں کے لئے۔ اور نہ ہمت ہارو اور نہ غم کرو تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان رکھنے والے ہو۔
(۳|۱۳۹-۱۳۷)

اَللّٰھُمَّ بِکَ اَحُوْلُ وَ بِکَ اَصُوْلُ (ہم کو اللہ ہی کافی ہے اور وہی بہترین وکیل ہے اے خدا تجھی سے میں طاقت مانگتا ہوں اور تجھی سے میں رعب و دبدبہ چاہتا ہوں)

یہ الفاظ آپؐ کے دل کی آواز بھی تھے اور صحابہ کرام کے لئے ہمت افزائی کا پیغام بھی۔ اور تلقین کہ اللہ ہی کی طرف بھروسہ رکھو اور اسی کی طرف رجوع کرو۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے رائے طلب فرمائی تو مسلمانوں میں اختلافِ رائے ہوا۔ ایک گروہ کی رائے تھی کہ عورتوں کو شہر سے باہر محفوظ قلعوں میں بھیجدیا جائے اور شہر میں پناہ گزیں ہو کر مقابلہ کیا جائے۔ ان میں عبداللہ بن ابی بھی شریک تھا۔ جس سے اب تک کسی معاملہ میں مشورہ نہیں لیا گیا تھا۔ دوسرا گروہ چاہتا تھا کہ شہر سے نکل کر دشمن پر حملہ کیا جائے۔ ان میں زیادہ تر وہ نوخیز صحابہ کرام شامل تھے جو کہ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب، حضرت سعدؓ بن عبادہ اور انصار و مہاجرین سے چند دیگر افراد کہنے لگے ''اگر ہم نے مدینہ میں پناہ لیکر مقابلہ کیا تو دشمن اسے ہماری کمزوری سمجھے گا اور یہ بات اُس کی قوت و جرأت میں اضافہ کا باعث ہو گی۔ ہم کو حق تعالیٰ نے روزِ بدر فتح و نصرت سے نوازا جبکہ ہماری تعداد تین سو سے زیادہ نہ تھی اور آج بحمداللہ ہمارا لشکر قوی، مستحکم اور بہت زیادہ ہے۔'' حضرت ابوسعیدؓ خدری کے والد مالکؓ بن سنان نے

اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچی تو وہ لوگ بھی ایسی ہی تکلیف پا چکے ہیں اور ہم دنوں کی الٹ پھیر تو لوگوں کے درمیان کرتے ہی رہتے ہیں تاکہ اللہ ایمان والوں کی پہچان کرا دے، اور تم میں سے کچھ لوگوں کو شہادت کا مرتبہ دے، اور اللہ دوست نہیں رکھتا ظالموں کو۔ اور تاکہ اللہ ایمان والوں کو میل کچیل سے صاف کر دے اور کافروں کو مٹا دے۔ (۳/۱۴۱-۱۴۰)

عرض کیا: "اے اللہ کے رسولؐ! خدا کی قسم ہمارے لئے دونوں صورتیں اچھی ہیں کہ ہم فتحیاب ہوں یا شہادت پائیں۔" حضرت حمزہؓ کہنے لگے "قسم ہے اس ذات کی جس نے آپؐ پر قرآن کریم نازل فرمایا ہے میں اس وقت تک روزہ افطار نہ کروں گا جب تک کہ میں مشرکوں کے ساتھ اپنی تلوار سے جنگ نہ کروں۔"

صحابہ کرام اسی طرح اپنے جذبات کا اظہار کر رہے تھے کہ جمعہ کی نماز کا وقت ہو گیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد حمد و ثنا لوگوں کو نصیحت فرمائی، جد و جہد کی تلقین کی اور بشارت دی کہ اے لوگو! اگر تم نے صبر کیا اور ثابت قدم رہے تو فتح و نصرت تمہاری ہو گی۔ اور پھر حکم جاری ہوا کہ نماز سے فارغ ہو جاؤ تو لشکر کی ترتیب کرو۔

حضور نبی محتشم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی تک اپنی رائے کا اظہار نہ فرمایا تھا۔ عصر کی نماز کے بعد آپؐ حجرۂ اقدس میں تشریف لے گئے۔ باہر ایک کثیر جماعت آپؐ کی منتظر تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ تعداد میں ہر لمحہ اضافہ ہو رہا تھا۔ ابھی یہی بات موضوعِ گفتگو تھی کہ دشمنانِ حق کا مقابلہ مدینہ میں رہتے ہوئے کیا جائے یا مدینہ سے باہر نکل کر۔ حضرت سعدؓ بن معاذ اور حضرت اسیدؓ بن حضیر نے لوگوں کے اصرار اور آپس کی مبالغہ آمیزی کو دیکھتے ہوئے کہا "چونکہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر آسمان سے وحی کا نزول ہوتا ہے لہٰذا بہتر یہی ہے کہ

____ کیا اس گمان میں ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے (۹) اور ابھی (تو) اللہ نے تمہارے غازیوں کا امتحان (ہی) نہ لیا اور نہ صبر والوں کی آزمائش کی۔ اور تم تو موت کی تمنا کر رہے تھے قبل اس کے کہ اس کے سامنے آؤ۔ سو اس کو تو اب تم نے کھلی آنکھوں سے دیکھ لیا۔

____ اور محمد تو ایک رسول ہی ہیں ان سے پہلے اور بھی رسول گزر چکے ہیں، تو کیا اگر وہ انتقال فرما جائیں یا شہید ہوں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو الٹے پاؤں پھر جائے گا (وہ) اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا، اور عنقریب اللہ شکر گزاروں کو (ان کا) صلہ دے گا۔ (۱۴۲-۱۴۴/۳)

آپؐ کو اس امر میں بھی مکمل اختیار دیدیا جائے۔ نہ آپؐ کو کسی ایک بات کے لئے مجبور کیا جائے اور نہ اصرار و مبالغہ سے کام لیا جائے۔" یہ سلسلۂ گفتگو جاری تھا کہ رحمتِ مجسم ختم الرسل مولائے کل صلی اللہ علیہ وسلم حجرۂ اقدس سے باہر تشریف لائے۔ جسمِ اطہر پر زرہ تھی اور سرِ اقدس پر دستارِ مبارک، کمر میں پٹکا تھا اور دست مبارک میں نیزہ اور تلوار حمائل۔ صحابۂ کرام نے جو یہ اندازِ رسالت دیکھا تو سمجھ گئے کہ آپؐ نے مدینہ سے باہر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ گو آپؐ کی رائے اس کے برعکس معلوم ہو رہی تھی۔ لہٰذا سب ہی حیران و پریشان ہوئے۔ عرض کرنے لگے۔ "اے اللہ کے رسولؐ! ہمیں یہ حق نہیں کہ آپؐ کی رائے کے خلاف ذرہ برابر بھی کوئی کام کریں۔ ہم وہی کریں گے جو آپؐ کی مرضی ہوگی۔ ہم سے غلطی ہوئی کہ اس بارے میں ہم نے اصرار کیا اور آپؐ کی رائے کا انتظار نہ کیا۔" آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ "پیغمبرؐ کے لئے یہ زیبا نہیں کہ ہتھیار پہن کر اتار دے جب تک کہ اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے دشمنوں کے درمیان فیصلہ نہ فرما دے۔"

مجاہدین کی ترتیب اور روانگی ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے عزم و استقلال نے سارے مباحث ختم کر دیئے۔ مجاہدین کی

— اور کوئی جان اللہ کے حکم کے بغیر مر نہیں سکتی، سب کا وقت لکھا رکھا ہے، اور جو کوئی دنیا کا فائدہ چاہتا ہے ہم اس کو دنیا کا حصّہ دے دیتے ہیں، اور جو کوئی آخرت کا نفع چاہتا ہے تو ہم اس میں سے اسے دے دیں گے، اور عنقریب ہم شکر گذاروں کو صلہ عطا کریں گے۔

— اور کتنے ہی نبی ہو چکے ہیں کہ ان کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والے لڑے ہیں، سو جو کچھ انہیں اللہ کی راہ میں پیش آیا اس سے نہ تو انہوں نے ہمت ہاری اور نہ وہ دبے، اور اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

— اور ان کا کہنا تو بس اتنا ہی تھا کہ وہ کہتے رہے "اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہوں کو اور جو زیادتیاں ہم نے اپنے کام میں کی ہیں (سب کو) بخش دے، اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور ہم کو کافروں پر غالب کر۔ (۱۴۵ - ۱۴۷/۳)

ترتیب کا کام شروع ہوا۔ حسبِ سابق تین علم مرتب کئے گئے۔ مہاجرین کا علم حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کو اور بعض روایات کے مطابق حضرت مصعبؓ بن عمیر کو عطا ہوا۔ اوس کا علم حضرت سعدؓ بن عبادہ کو اور خزرج کا علم حضرت خبابؓ بن المنذر کو دیا گیا۔ حضرت عبداللہؓ ابن امِّ کلثوم مدینہ میں خلیفہ مقرر کئے گئے۔ لشکرِ اسلام کی کل تعداد ایک ہزار تھی جن میں سو زرہ پوش تھے۔ ترتیب کا کام مکمل ہوا تو مجاہدین آپؐ کی قیادت میں روانہ ہوئے۔ حضرت سعدؓ بن معاذ اور حضرت سعدؓ بن عبادہ زرہ پہنے ہوئے حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے بطور محافظ چل رہے تھے عبداللہ بن ابی تین سو افراد کی جمعیت ساتھ لے کر آیا تھا۔ لیکن جب مجاہدین کی فوج ہادی مرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیادت میں مدینہ سے روانہ ہونے لگی تو کہنے لگا "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میری بات نہیں مانی لہٰذا میں واپس جاتا ہوں۔" اس طرح وہ معہ اپنے تین سو ساتھیوں کے واپس ہو گیا۔

— سو اللہ نے انہیں دنیا کا بھی انعام دیا اور آخرت کا بھی عمدہ انعام اور اللہ نیک کام کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔
— اے ایمان والو! اگر تم ان لوگوں کا کہا مانو گے جو کفر کرتے ہیں تو وہ تمہیں الٹے پاؤں واپس کر دیں گے اور تم خسارہ میں آ کر رہ جاؤ گے۔
(۳/ ۱۴۹–۱۴۸)

مدینہ سے کچھ دور باہر جا کر فوج کا جائزہ لیا گیا۔ صحابہ کرام کے نوخیز لڑکوں کی ایک جماعت بھی جذبۂ جہاد سے سرشار مجاہدین کے ہمراہ آ گئی تھی لہٰذا ان کو کم عمری کی بنا پر واپس کر دیا گیا۔ ان میں عبداللہ ابن عمرؓ، زید بن ثابت، اسامہ بن زید، زید بن ارقم، براء بن عازب، ابوسعید خدری شامل تھے۔ ان کم سن لڑکوں میں رافع بن خدیج بھی شامل تھے جب ان سے واپسی کے لئے کہا گیا تو اپنے پنجوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے۔ کہنے لگے میں تو بڑا ہوں۔ ان کی یہ ترکیب کامیاب رہی۔ سمرہ بن جندب بھی تو عمر تھے کہنے لگے کہ میں تو رافع کو کشتی میں پچھاڑ لیتا ہوں ان کو اجازت ملی ہے تو مجھے بھی اجازت دی جائے۔ دونوں کی کشتی کرائی گئی تو واقعی سمرہ نے رافع کو پچھاڑ دیا اور اس طرح انہیں بھی فوج میں شامل کر لیا گیا۔ اللہ اکبر کیا جذبۂ جاں نثاری تھا۔

اسی مقام پر مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا۔ حضرت بلالؓ نے اذان دی اور آپؐ نے باجماعت نماز ادا فرمائی۔ چونکہ رات ہو چکی تھی لہٰذا اسی مقام پر قیام کیا گیا اور محمدؓ بن مسلمہ پچاس آدمیوں کی جماعت کے ساتھ لشکرِ اسلام کی پاسبانی کے لئے متعیّن کئے گئے۔ رات کو پچھلے پہر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے راہ بری کے لئے ابوحشمہ حارثی کو طلب کیا اور حکم ہوا کہ وہ دشمنوں کے سر پر عمدہ راستے سے لے کر چلیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سوار ہو گئے اور ابوحشمہ راہ بری کرتے ہوئے اسلامی فوج کو لے کر آگے بڑھے۔ جب اُحد پہنچے تو صبح کی نماز کا وقت ہو چلا تھا۔ لہٰذا سب سے پہلے حضرت بلالؓ نے اذان دی اور اقامت کہی۔ جلدی جلدی صفیں درست ہوئیں اور نماز فجر باجماعت ادا کی گئی۔

—— البتہ تمہارا دوست اللہ ہے اور وہی بہترین مددگار ہے۔
—— ہم ابھی کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے اس لئے کہ انہوں نے اللہ کا شریک ایسی چیز کو ٹھہرایا جس کے لئے کوئی دلیل اللہ نے نہیں اتاری اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور کیسی بری جگہ ظالموں کے لئے ہے۔
—— اور یقیناً تم سے اللہ نے سچ کر دکھایا اپنا وعدہ (نصرت) جب کہ تم انہیں اس کے حکم سے قتل کر رہے تھے، یہاں تک کہ جب تم خود ہی کمزور پڑ گئے اور باہم جھگڑنے لگے حکم (رسول) کے باب میں، اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ اللہ نے تمہیں دکھا دیا تھا جو کچھ کہ تم چاہتے تھے۔ بعض تم میں وہ تھے جو دنیا چاہتے تھے اور بعض تم میں ایسے تھے جو آخرت چاہتے تھے، پھر اللہ نے تم کو ان میں سے ہٹا لیا تاکہ تمہاری پوری آزمائش کرے اور اللہ نے تم سے درگذر کی اور اللہ ایمان والوں کے حق میں بڑا فضل والا ہے۔
(۱۵۰-۱۵۲/۳)

اُحد میں صف آرائی

مدینہ سے شمال و مغرب کی جانب ایک پہاڑی سلسلہ ہے جو احد کہلاتا تھا۔ اب بھی اسی نام سے منسوب ہے۔ مشرق سے مغرب تک کم و بیش چار میل تک پھیلا ہوا تھا۔ مشرقی جانب کوہِ عینین تھا جس میں ایک درّہ بھی تھا۔ اسی مقام پر مجاہدین اسلام مقیم تھے۔ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح اپنی فوج کی صف آرائی فرمائی کہ احد پشت کی جانب تھا۔ حضرت زبیر رضی بن عوام کو رسالے کا افسر مقرر کیا گیا، حضرت حمزہ رضی کی کمان میں وہ فوج دی گئی جو زرہ پوش نہ تھی۔ پشت کی جانب کوہِ عینین کا درّہ بھی تھا اور اس کا قوی امکان تھا کہ دشمن اس طرف سے آکر حملہ آور نہ ہو جائے لہٰذا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درّہ پر پچاس تیر انداز تعینات فرمائے اور حضرت عبداللہ رضی ابنِ جبیر کو ان کا کمپنی افسر مقرر کیا۔ ان کے لئے حکم ہوا، وہ اگر لڑائی میں فتح بھی ہو جائے تو بھی اپنی جگہ کو نہ چھوڑیں۔ مسلمان فوج کی حفاظت کریں اور دشمن اگر اس طرف آنے کی کوشش کرے تو اُن پر شدید

ـــــ (وہ وقت قابلِ ذکر ہے) جب تم منہ اٹھائے چلے جاتے تھے اور مڑ کر بھی کسی کو نہ دیکھتے تھے، اور رسول تم کو پکار رہے تھے تمہارے پیچھے کی جانب سے، سو اللہ نے تمہیں غم دیا غم کا بدلہ تاکہ تم رنجیدہ نہ ہوا کرو اس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور نہ اس مصیبت سے جو تم پر پڑے اور اللہ تمہارے کاموں سے خوب خبردار ہے۔
(۱۵۳/۳)

تیر اندازی کی جائے۔" دوسری طرف حضرت عکاشہ بن محصن اسد کو میمنہ پر، ابو سلمہ بن عبدالاسد مخزومی کو میسرہ پر، ابو عبیدہ بن جراح اور سعد بن ابی وقاص کو ہراول پر اور مقداد بن عمرو کو ساقہ پر متعین کیا گیا۔ مشرکین کی فوج تعداد میں بھی کثیر تھی اور اسلحہ بھی زیادہ تھا۔ میدانِ بدر میں رہ جانے والی خامیوں کا خاص طور پر ازالہ کر رہے تھے۔ لہٰذا فوج کی صف آرائی میں بڑی احتیاط سے کام لیا گیا۔ خالد بن ولید جو ان کے معروف جنگجو تھے میمنہ پر متعین ہوئے۔ عکرمہ بن ابی جہل میسرہ پر، ابو سفیان قلب میں اور صفوان بن امیہؓ کو کوہِ عینین کے مذکورہ درّے کے برابر میں مقرر کیا گیا۔ عبداللہ بن ربیعہ کو تیر اندازوں کی کمان دی گئی اور جھنڈا طلحہ بن ابی طلحہ کے سپرد ہوا۔

حضور انورؐ کی تلوار

حضور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صف آرائی سے فارغ ہوئے تو اپنی تلوار کو بلند کرتے ہوئے آپؐ نے فرمایا۔

"کون ہے جو اس تلوار کو لے کر اس کا حق ادا کرے؟" صحابہ کرام میں سے کئی جیالے آپؐ کی تلوار حاصل کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ آپؐ نے سب پر نظر ڈالی اور اسی طرح تلوار لئے کھڑے رہے۔ اتنے میں ابو دجانہؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا۔

"یا رسول اللہ! اس تلوار کا حق کیا ہے؟" آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ "اس کا حق یہ ہے کہ یہ دشمنوں پر اتنی چلائی جائے کہ گھس کر خم کھا جائے۔" ابو دجانہؓ نے پھر عرض کیا۔ "یا رسول اللہؐ! میں اس تلوار کو اس کے حق کے ساتھ قبول کرتا ہوں۔"

— پھر اس نے اس غم کے بعد تمہارے اوپر راحت نازل کی (یعنی) غنودگی کہ اس کا تم میں سے ایک جماعت پر غلبہ ہو رہا تھا، اور ایک جماعت وہ تھی کہ اسے اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی، یہ اللہ کے بارے میں بے جا گمان کرتے تھے، جاہلیت کے سے گمان، کہتے کہ کیا اس کام میں کچھ ہمارا بھی اختیار ہے۔ (اے نبیؐ!) آپ کہہ دیجئے کہ اختیار تو سارا اللہ کا ہے۔ یہ لوگ دلوں میں ایسی بات چھپائے ہوئے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ کچھ بھی ہمارا اختیار چلتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔ (اے نبیؐ!!) آپ کہہ دیجئے۔ "اگر تم گھروں میں ہوتے (جب بھی) وہ لوگ جن کے لئے قتل مقدر ہو چکا تھا اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل ہی پڑتے اور (یہ سب اس لئے ہوا) کہ اللہ تمہارے باطن کی آزمائش کرے اور تاکہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے صاف کر دے اور اللہ باطن کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ (۱۵۴/۳)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تلوار ان کو عطا فرما دی۔

ابو دجانہؓ کا نام سماک بن خرشہ تھا۔ عرب کے نامور پہلوان تھے جنگ کے وقت سر پر سرخ عمامہ باندھتے تھے۔ بڑے شجیع اور فنِ جنگ سے اچھی طرح واقف تھے۔ جنگِ بدر میں اپنے جوہر کی داد پا چکے تھے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ مبارک سے تلوار لیتے ہی سر پر اپنا مخصوص عمامہ باندھا اور اکڑتے تنتے ہوئے صف سے باہر نکلے۔ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی چال کو دیکھتے ہوئے فرمایا۔ "یہ وہ رفتار ہے جسے حق تعالیٰ پسند نہیں کرتا مگر اس مقام میں نہیں۔"

آغازِ جنگ

حق و باطل کی دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل صف آرا تھیں کہ زنانِ قریش دف پر اشعار پڑھتی ہوئی بڑھیں۔ ان کی آواز میں

——— یقیناً تم میں سے جو لوگ اس دن پھر گئے تھے جبکہ دونوں جماعتیں باہم مقابل ہوئی تھیں، تو یہ بس اس سبب سے ہوا کہ شیطان نے انہیں ان کے بعض کرتوتوں کے سبب لغزش دیدی تھی، اور بے شک اللہ انہیں معاف کر چکا ہے۔ یقیناً اللہ بڑا ہی بخشنے والا بڑا حلم والا ہے
——— اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو حقیقتاً کفر اختیار کئے ہوئے ہیں اور اپنے بھائیوں کی نسبت کہتے ہیں جبکہ وہ سفر یا جہاد کو گئے کہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے۔ (یہ بات بھی اس لئے ان کی زبان پر آئی) تاکہ اللہ ان کے دلوں میں اس کا افسوس رکھے۔ اور (سچی بات تو یہی ہے کہ) اللہ ہی جلاتا اور مارتا ہے۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اسے خوب دیکھتا رہتا ہے۔ (۱۵۵-۱۵۶/۳)

للکار تھی اور انتقام کی پکار۔ وہ اپنے سورماؤں کو اشتعال دلانے کے لئے جو اشعار پڑھ رہی تھیں ان کا مطلب کچھ اس طرح تھا۔

ہم آسمان کے تاروں کی بیٹیاں ہیں　　ہم قالینوں پر چلنے والیاں ہیں
اگر تم بڑھ کر لڑو گے تو ہم تم سے گلے ملیں گے　　اور پیچھے قدم ہٹایا تو ہم تم سے الگ ہو جائینگے

یہ سلسلہ جاری تھا کہ ابو عامر دشمنانِ حق کی صفوں سے نکل کر آیا اس کے ساتھ اس کی قوم کے پچاس آدمی بھی تھے۔

ابو عامر مدینہ کا رہنے والا تھا حضورِ انور کی بعثت سے قبل دنیوی آلودگیوں سے دور پاک وصاف زندگی گذارتا تھا اور اسی بنا پر لوگ اسے راہب کہنے لگے تھے۔ آپ کی بعثت سے قبل اس نے آپ کی نبوت کے متعلق پیش گوئی بھی کی تھی لیکن جب ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو مخالفین میں سے ہو گیا۔ اور یہودیوں کی طرح کہنے لگا کہ یہ وہ نبی نہیں ہیں۔ جب آپ ہجرت کرکے مدینہ تشریف لے آئے تو یہ بدنصیب مدینہ چھوڑ کر مکہ میں جا بسا۔ اس کے ساتھ اس کی

— اور اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مر جاؤ تو اللہ کی مغفرت و رحمت اس دھن دولت سے کہیں بہتر ہے جسے یہ جمع کر رہے ہیں۔
— اور تم لوگ خواہ مر جاؤ یا مارے جاؤ ضرور اللہ ہی کے پاس اکھٹے کیئے جاؤ گے۔
— پھر یہ اللہ کی رحمت ہی کے سبب سے ہے کہ آپ ان کے ساتھ نرم رہے، اور اگر آپ تند مزاج سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو گئے ہوتے، سو آپ ان سے درگزر کیجئے اور ان کے لئے استغفار کر دیجئے اور ان سے معاملات میں مشورہ لیتے رہیئے لیکن جب آپ پختہ ارادہ کر لیں تو اللہ پر بھروسہ رکھیئے۔ بے شک اللہ ان سے محبت رکھتا ہے جو اس پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ (۳/۱۵۹-۱۵۷)

قوم کے کچھ لوگ بھی مکہ چلے گئے تھے۔ اس عقل کے اندھے کا خیال تھا کہ وہ جوں ہی میدان میں آئے گا تو مدینہ کے لوگ اس کی عقیدت میں مہاجرین کا ساتھ چھوڑ دیں گے۔ لہٰذا اس نے جنگ کا آغاز کرتے ہوئے زور کا نعرہ بلند کیا۔ "میں ہوں ابو عامر" انصارِ مدینہ جو اس سے اچھی طرح واقف تھے اور جن کو وہ فرزندانِ توحید کی صفوں سے توڑنے کا خواب دیکھ رہا تھا۔ اس کے نعرۂ خودستائی کے جواب میں للکارے دو لَا مَرْحَباً بِکَ وَلَا اَهْلاً یا فاسق (نہ تجھے سلامتی ہے نہ تیری آمد تجھے مبارک اے فاسق) یہ الفاظ سنتے ہی اس ظالم نے لشکرِ اسلام کی طرف تیر چلائے اور اس کے ہمراہیوں نے پتھر برسائے۔ مسلمانوں نے بھی جواب تیر اور پتھروں سے دیا۔ کچھ دیر یہی سلسلہ جاری رہا اور پھر وہ فاسق ابو عامر میدان چھوڑ کر واپس ہو گیا۔ اتنے میں مشرکینِ قریش کا علم بردار طلحہ آگے کو بڑھ کر آیا اور بآوازِ بلند طنزاً پکارا۔ "اے مسلمانو! کیا تمہارے درمیان کوئی ایسا ہے کہ مجھے جلد دوزخ میں پہنچا دے یا خود میرے ہاتھوں جنت میں چلا جائے۔"

ــــ اگر اللہ تمہارا ساتھ دے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا اور اگر وہ تمہارا ساتھ چھوڑ دے تو کون ہے ایسا جو اس کے بعد تمہارا ساتھ دے؟ اور ایمان والوں کو چاہئے کہ صرف اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں۔
ــــ اور کسی نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ خیانت کرے۔ اور جو کوئی خیانت کرے گا وہ قیامت کے دن اپنی خیانت کی ہوئی چیز کو حاضر کریگا پھر ہر شخص کو اس کے کئے ہوئے کا پورا عوض ملے گا اور ان پر بالکل ظلم نہ ہوگا۔ (۱۶۰ - ۱۶۱/۳)

حضرت علیؓ تڑپ کر آگے بڑھے۔ جواباً پکارے ۔ "میں ہوں ۔ ۔" مقابلہ شروع ہوا اور شیرِ خداؓ نے ایسا وار کیا کہ طلحہ زمین پر آرہا۔ حضرت علیؓ اپنی صف میں واپس آگئے۔ صحابہ نے دریافت کیا "اے علیؓ! تم نے طلحہ کا کام تمام کیوں نہ کر دیا" آپؓ نے جواب دیا کہ "جونہی وہ گرا تو اس کی شرمگاہ کھل گئی۔ اس نے قسم دی کہ میں اسے چھوڑ دوں۔ اس حالت میں مجھے حیا معلوم ہوئی اور میں نے یہ بھی جان لیا کہ وہ ہلاک ہو جائے گا۔" طلحہ کے بھائی عثمان نے جو اس کو خون آلود زمین پر تڑپتے دیکھا تو رجز پڑھتا ہوا میدان میں کودا اور پکارا "علم بردار کا فرض ہے کہ نیزہ کو خون میں رنگ دے یا وہ ٹکرا کر ٹوٹ جائے۔" وہ قریش کا علم اٹھائے ہوئے تھا۔ زنانِ قریش بھی اس کے پیچھے پیچھے اشتعال انگیز اشعار زور زور سے پڑھ رہی تھیں۔ عثمان کے مقابل حضرت حمزہؓ آگے بڑھے اور اس زور سے شانہ پر تلوار کا وار کیا کہ تلوار اس کی کمر تک اترتی چلی گئی اور باآواز بلند پکارے ــــ "میں ہوں ساقیِ حجاج کا بیٹا۔" مشرکینِ قریش نے جو اپنے دو ساتھیوں کو زمین پر دم توڑتے دیکھا تو عام جنگ شروع کر دی۔ زمین پر گرا ہوا جھنڈا ابو سعید بن ابی طلحہ نے اٹھا لیا۔ ان کی عورتیں اپنے سورماؤں کو اشتعال دلا رہی تھیں اور ان کے سورما تیروں کی بوچھاڑ کر رہے تھے۔ کہیں تلواریں چل رہی تھیں اور کہیں

— کیا جو شخص اللہ کی مرضی پر چلا، وہ بھلا کیا اس جیسا ہو جائے گا جس نے اللہ کا غضب کمایا اور اس کا ٹھکانہ تو جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے۔ (۱۶۲/۳)

نیزے پھینکے جا رہے تھے۔

مسلمانوں کی طرف سے حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت دجانہؓ دشمنوں کی صفوں میں گھس گھس کر حملے کر رہے تھے۔ حضرت سعدؓ بن وقاص اور حضرت عاصمؓ بن ثابت چن چن کر نشانوں پر تیر برسا رہے تھے۔

حضرت حمزہؓ کی شہادت

حضرت حمزہؓ کے پاس دو دستی تلوار تھی جس طرف گھس جاتے ایک ہی وار میں کام تمام کر دیتے۔ آپ اسی عالم جوش میں لڑ رہے تھے کہ دشمنِ حق سباع غبشانی سامنے سے گزرا۔ اس کو دیکھتے ہی پکارے: "او ختّانہ النسار کے بچے کہاں جاتا ہے۔" اور بڑھ کر ایسا وار کیا کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ لیکن ساتھ ہی جبیر بن مطعم کا غلام وحشی آپ کی تاک میں لگا ہوا تھا چونکہ جبیر نے اپنے چچا کے قتل کا انتقام لینے کے لئے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ حضرت حمزہؓ کو قتل کر دے گا تو آزاد کر دیا جائے گا۔ یہ حبشی النسل تھا اور چھوٹا نیزہ جس کو حربہ کہتے تھے، چلانے میں مہارت رکھتا تھا۔ اس نے جو حضرت امیر حمزہؓ کو اپنے قریب پایا تو تاک کر حربہ اس طرح پھینکا کہ وہ آپ کی ناف کو پار کر گیا۔ حضرت حمزہؓ نے وحشی کی طرف بڑھ کر وار کرنا چاہا لیکن زخم کاری تھا۔ لڑکھڑا کر گر پڑے اور آپ کی روح پرواز کر گئی۔ حضرت حنظلہؓ جو ابو عامر راہب (جس کا ذکر کیا جا چکا ہے) کے فرزند تھے اور مسلمان ہو چکے تھے مجاہدین کی صفوں مصروفِ جنگ تھے۔ جب ابو عامر نے جنگ شروع ہونے سے پہلے مسلمانوں کے مقابل آ کر انہیں للکارا تھا تو حضرت حنظلہؓ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے باپ کے مقابل جانے کی اجازت طلب کی تھی لیکن ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گوارا نہ فرمایا کہ وہ باپ کے مقابل جائیں اور اجازت نہ دی۔

— یہ لوگ اللہ کے یہاں درجہ درجہ ہوں گے اور اللہ ان کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔ (۱۶۳/۳)

اب عام جنگ میں خوب دلیری کے ساتھ لڑ رہے تھے کہ کفار کا سپہ سالار ابوسفیان ان کے سامنے آگیا۔ انہوں نے جھپٹ کر اس پر تلوار کا وار کیا لیکن اسی دوران شداد بن الاسود آڑے آگیا۔ اس نے ان کے وار کو بھی روکا اور ان پر کاری ضرب بھی لگائی کہ وہ شہید ہو گئے۔

قریش کی پسپائی

حضرت علیؓ اور حضرت دجانہؓ شیروں کی طرح دشمنوں پر جھپٹ رہے تھے ایک مقام پر حضرت دجانہؓ انصاری کئی دشمنوں کو ٹھکانے لگاتے ہوئے عتبہ کی بیٹی اور ابوسفیان کی زوجہ ہندا کے سامنے پہنچ گئے جو اپنے اشتعال انگیز شعروں سے مشرکین کو لڑمرنے کی ترغیب دے رہی تھی۔ انہوں نے چاہا کہ اس کا کام تمام کر ڈالیں لیکن تلوار اس کے سر پر رکھ کر اٹھالی اور کہا "یہ رسولؐ اللہ کی تلوار ہے عورت پر نہیں آزمائی جا سکتی۔"

مجاہدینِ اسلام کی بے مثال دلیری اور شجاعت نے دشمنوں کے قدم اکھاڑ دیئے بار بار ان کا علم بردار مارا جاتا اور کوئی نہ کوئی پھر اس کو اٹھا لیتا۔ ایک مرتبہ صواب نامی دشمنِ حق نے علم اٹھایا ہی تھا کہ مجاہدینِ اسلام میں سے کسی نے ایسا وار کیا کہ اس کے دونوں ہاتھ کٹ گئے۔ علم نیچے گرنے لگا تو وہ بھی زمین پر گر گیا اور علم کو سینے سے دباتے ہوئے کہنے لگا "میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔" اس مرتبہ علم کے گرنے سے قریش کی ہمتیں ٹوٹنے لگیں اور وہ ہراساں ہو کر بھاگنے لگے۔ ایک کافرہ عمرۃ بنت علقمہ نے قریش کا علم اٹھایا اور بھاگتے ہوئے مردوں کو للکارا۔ جس سے پھر ایک بار قریش مکہ نے مقابلہ کرنا چاہا لیکن مجاہدوں کی مسلسل یلغار کے سامنے نہ رک سکے۔ میدان چھوڑ کر بھاگنے لگے۔ زنانِ قریش جو مسلسل دف بجا بجا کر اپنے سورماؤں کو اشتعال دلا رہی تھیں وہ بھی اب ایسی بدحواس ہوئیں کہ دفوں کو ہاتھوں سے پھینک دیا، دامنوں

___ بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو اُن کو اس کی آیتیں پڑھکر سُناتا ہے، اور انہیں پاک صاف کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور بے شک وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

___ اور جب تمہیں ایسی مصیبت اٹھانی پڑی جس کی دوگنی تم (فریق مقابل پر) ڈال چکے تھے تو تم کہنے لگے کہ یہ کدھر سے ہوئی۔ (اے نبیؐ!) آپ کہدیجئے کہ وہ تمہاری ہی طرف سے ہوئی۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۳|۱۶۵-۱۶۴)

کو سمیٹا حتیٰ کہ ان کی پنڈلیاں اور پازیب کھل گئے اور بے تحاشا پہاڑ کی جانب بھاگنے لگیں۔

مسلمان مالِ غنیمت کی طرف مائل ہو گئے

مسلمانوں نے جو مشرکین کو اس طرح میدانِ جنگ سے بھاگتے دیکھا تو اپنی صفیں چھوڑ کر مالِ غنیمت لوٹنے میں مصروف ہو گئے۔ کوہِ عینین کے درّے کا محافظ دستہ جس کے لئے حکم تھا کہ کسی بھی حالت میں اپنی جگہ نہ چھوڑے وہ مالِ غنیمت کی لوٹ میں شرکت کے لئے دوڑنے لگے۔ ان کے کمپنی افسر حضرت عبداللہ ابن جبیر نے ان کو بہت روکا لیکن دس افراد کے علاوہ سب مالِ غنیمت کی لوٹ میں شامل ہو گئے۔

مشرکین پلٹ کر جھپٹے

خالد ابن ولید نے جو پہلے ہی سے اس درّے پر نظر رکھے ہوئے تھے اور اپنی فوج کی پسپائی سے پریشان تھے فوری عکرمہ بن ابی جہل کے ساتھیوں اور اپنے سوار دستے کی مدد سے درّے پر حملہ کر دیا۔ عبداللہ ابن جبیرؓ اور ان کے چند ساتھی قلیل تعداد میں ہونے کے باوجود نہ گھبرائے اور جم کر لڑے حتیٰ کہ سب شہید ہو گئے۔

— اور جو مصیبت تم پر اس روز پڑی جبکہ دونوں گروہ باہم مقابل ہوئے، وہ اللہ کی مشیت سے ہوئی تاکہ اللہ مومنین کی پہچان کرا دے۔
— اور ان لوگوں کی بھی پہچان کرا دے جو منافق ہوئے، اور ان سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا دشمن کو ہٹاؤ۔ تو وہ بولے کہ اگر کوئی (ڈھنگ کی) جنگ دیکھتے تو ضرور تمہارے پیچھے ہو لیتے۔ یہ لوگ اس روز ایمان سے زیادہ کفر کے نزدیک ہو گئے۔ یہ لوگ اپنے منہ سے ایسی بات کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں اور جو کچھ یہ چھپائے ہوئے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے۔ (۳/۱۶۷-۱۶۶)

اس طرح مسلمانوں کی جیتی ہوئی جنگ اب مشرکوں کے سردار خالد بن ولید اور عکرمہ بن ابی جہل کے ہاتھوں میں آ گئی۔ مسلمان مالِ غنیمت لوٹنے میں مصروف تھے کہ خالد نے درّے سے اتر کر ان کی پشت کی جانب سے ایسا شدید حملہ کیا کہ مسلمان بدحواس ہو گئے۔ تمام صفیں تتر بتر ہو چکی تھیں ہر سو تلواریں برس رہی تھیں۔ دشمن مسلمانوں کی صفوں میں گھسے ہوئے تھے اور مسلمان نہیں جانتے تھے کہ کس پر وار کر رہے ہیں۔ اسی کشمکش اور بدحواسی کے عالم میں حضرت حذیفہؓ کے والد یمانؓ مسلمانوں کی تلواروں کی زد میں آ گئے۔ حضرت حذیفہؓ نے جو یہ منظر دیکھا تو بار بار چلائے کہ "یہ تو میرے باپ ہیں"، "یہ تو میرے باپ ہیں"۔ کسی نے نہ ان کی پکار سنی اور نہ ہاتھ روکا اس طرح وہ اپنے ہی لوگوں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اسی دوران کافروں نے اس طرف بھی شدید حملہ کر دیا جہاں رحمتِ مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے تھے۔ مجاہدین نے جو کافروں کی یلغار دیکھی تو آپؐ کے گرد گھیرا ڈال دیا۔ اب ہر طرف سے تلواریں برس رہی تھیں۔ مسلمان آپؐ کا دفاع بھی کر رہے تھے اور کافروں کا مقابلہ بھی جاری تھا۔ اسی دوران حضرت مصعبؓ بن عمیر جو سرورِ دین صلی اللہ علیہ وسلم سے شکل و شباہت میں بڑی یکسانیت رکھتے تھے شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کو مشرکین نے آپؐ کی شہادت سمجھتے

—— وہ لوگ حالانکہ (خود گھروں میں) بیٹھے رہے، (اب) اپنے بھائیوں کی نسبت کہتے ہیں کہ اگر ہمارا کہا مانتے تو نہ مارے جاتے۔ (اے نبیؐ!) آپ کہہ دیجئے "اگر تم سچے ہو (اپنی بات میں) تو اپنے کو موت سے بچا لینا (جب آ جائے)"

—— اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں انہیں ہرگز مردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس زندہ ہیں رزق پاتے رہتے ہیں۔ (۳/۱۶۹-۱۶۸)

ہوئے غل مچا دیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے شہادت پائی۔ اس آواز سے مسلمانوں کے دل ٹوٹ گئے۔ کچھ نے ہمت ہار دی۔ کچھ ابھی تک اسی جذبۂ جہاد سے برسرِ پیکار تھے۔ حضرت انسؓ کے چچا ابنِ نضرؓ کی لڑتے لڑتے حضرت عمرؓ پر نظر پڑی دیکھا کہ انہوں نے ہتھیار پھینک دیئے ہیں۔ حضرت ابنِ نضرؓ نے پوچھا "یہاں کیا کرتے ہو۔؟" حضرت عمرؓ نے انتہائی شکستہ آواز میں کہا۔ "اب لڑ کر کیا کریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو شہادت پائی۔" ابنِ نضرؓ نے حضرت عمرؓ کی زبان سے یہ کلمات سنتے ہی کہا۔ "ان کے بعد ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے۔" اور پھر دشمنوں کی یلغار میں جا گھسے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

حضور انورؐ پر شدید حملہ

ادھر حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت ابودجانہؓ حضرت زبیرؓ بن عوام، حضرت سعدؓ ابن وقاص، اور حضرت طلحہؓ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد ایک حلقہ بنا رکھا تھا۔ آپؐ کے چہرۂ اقدس پر مغفر تھا۔ حضرت کعبؓ بن مالک نے لڑتے لڑتے سب سے پہلے آپؐ کو دیکھا اور بآوازِ بلند پکارے "مسلمانو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہید نہیں ہوئے یہاں موجود ہیں۔" یہ صدائے جانفزا جو مجاہدین کے کانوں میں پہنچی تو پھر کفّار پر ٹوٹ پڑے۔ ادھر کفّار کے بھاگے ہوئے لوگ بھی واپس آ گئے تھے اُنہ

—— شاد ہیں اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کیا ہے اور خوشیاں منا رہے ہیں اپنے بعد والوں کی اس حالت سے کہ ان پر (اب) نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ کچھ غم۔
—— وہ لوگ خوش ہو رہے ہیں اللہ کے انعام اور فضل پر اور اس (بات) پر کہ اللہ ایمان والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (۳/۱۷۱-۱۷۰)

لوگوں نے مل کر پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف حملہ کیا اور پتھر برسائے۔ حضرت دجانہ رضی آپ کے اوپر جھک کر سپر بن گئے۔ اب جو تیر آپ کی طرف آتا حضرت دجانہ رضی کی پشت پر گرتا۔ حضرت طلحہ رضی تلواروں کے وار روک رہے تھے کہ آپ کا ہاتھ کٹ کر گر پڑا۔ عبداللہ بن قمیہ قریش کا مشہور جنگجو تھا صفوں کو چیرتا ہوا آپ کی طرف بڑھا اور قریب آکر آپ کے چہرۂ اقدس پر وار کیا جا اوچھا رہا لیکن اس کی ضرب سے مغفر کی دو کڑیاں آپ کے چہرۂ مبارک میں چبھ گئیں۔ اسی دوران ایک پتھر آپ کے چہرۂ اقدس پر آکر لگا جس سے آپ کے دو دندانِ مبارک شہید ہو گئے۔ آپ کی زبانِ اقدس پر تھا۔
رَبِّ اغْفِرْ قَوْمِی فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ (اے میرے پروردگار میری قوم کو بخش دے وہ جانتے نہیں)
اسی وقت دشمنِ رسول ابنِ قمیہ نے اپنی تلوار کے وار سے خوش ہو کر نعرہ بلند کیا جس سے پھر ایک بار آپ کی شہادت کا غل مچ گیا۔
حضرت ابو طلحہ رضی مسلسل کفار پر تیر برسائے جا رہے تھے۔ حضرت سعد ابنِ وقاص رضی بھی حضورِ انور کے رکاب میں حاضر تھے آپ نے اپنا ترکش ان کے آگے ڈال دیا اور فرمایا "تم پر میرے ماں باپ قربان تیر مارے جاؤ۔" اس طرح مسلمان آپ کا دفاع بھی کر رہے تھے اور دشمنوں پر حملہ بھی۔ اسی دوران ہادی برحق رحمتِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاں نثاروں کے جھرمٹ میں قریب کی پہاڑی پر چڑھ گئے۔ جہاں آپ کفار کی زد سے باہر تھے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی نے مغفر کی کڑیاں جو آپ کے چہرۂ اقدس میں گھس گئی تھیں اپنے دانتوں سے کھینچ کر نکالیں۔ آپ کے چہرۂ انور سے خون بہہ رہا تھا حضرت علی مرتضیٰ رضی سپر میں پانی

— جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے کہنے کو مان لیا بعد اس کے کہ انہیں زخم لگ چکا تھا، ان میں سے جو نیک اور متقی ہیں ان کے لئے اجر عظیم ہے۔

— یہ وہ ہیں کہ جن سے کہنے والوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے خلاف بڑا سامان جمع کر رکھا ہے ان سے ڈرو۔ لیکن اس نے ان کا جوشِ ایمان اور بڑھا دیا اور یہ لوگ بولے "ہمارے لئے اللہ ہی کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔" (۳/۱۷۳-۱۷۲)

بھر لائے جس سے آپؐ کے زخم دھوئے گئے۔

ابوسفیان کی فاتحانہ للکار ابوسفیان نے پہاڑی پر جو صحابۂ کرام کا جھرمٹ دیکھا تو برابر کی پہاڑی پر چڑھ گیا اور آپؐ کو دیکھ کر اپنی فوج کی طرف باآوازِ بلند پکارا۔ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہاں ہیں۔" آپؐ نے حکم دیا کہ کوئی جواب نہ دے۔ پھر ابوسفیان نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے نام لے کر انہیں پکارا۔ اس پر بھی جواب نہ ملا تو کہنے لگا "کیا سب لوگ مارے گئے۔؟" یہ سن کر حضرت عمرؓ خاموش نہ رہ سکے باآوازِ بلند پکارے۔ "او دشمنِ خدا! ہم سب لوگ زندہ ہیں۔" ابوسفیان نے نعرۂ مسرت بلند کرتے ہوئے اپنے بت کو پکارا۔ "اعلیٰ ھبل!" (اے ہبل تو اونچا رہے) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے صحابۂ کرام نے باآوازِ بلند نعرہ لگایا۔ اللہ اعلیٰ واجلّ! (اللہ ہی اونچا اور بڑا ہے)۔

ابوسفیان نے جواباً کہا۔ لنا العزّیٰ ولا عزّیٰ لکم۔ (ہمارے پاس عزّیٰ ہے تمہارے پاس نہیں) جاں نثارانِ مصطفےٰؐ نے پھر باآوازِ بلند کہا۔ اللّٰہُ مولانا ولا مولیٰ لکم (اللہ ہمارا آقا ہے اور تمہارا کوئی آقا نہیں) ابوسفیان بولا "آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہے۔ ہماری فوج نے تمہارے مُردوں کے ناک کان کاٹ لئے

ــــ سو یہ لوگ اللہ کے انعام اور فضل کے ساتھ واپس ہوئے کہ انہیں کوئی ناگواری نہ پیش آئی اور یہ لوگ اللہ کی رضا کے تابع رہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

ــــ یہ تو شیطان ہی ہے جو کہ تمہیں اپنے دوستوں کے ذریعہ سے ڈراتا ہے سو تم ان سے نہ ڈرو بلکہ مجھ ہی سے ڈرو اگر ایمان والے ہو۔
(۳/۱۷۵-۱۷۴)

ہیں۔ میں نے یہ حکم نہیں دیا تھا لیکن اس بات پر مجھے کوئی رنج بھی نہیں ہے۔"

پھر دشمنِ رسولؐ ابوسفیان نے چاہا کہ اپنے فوجیوں کے ساتھ اس پہاڑی پر جاکر حملہ آور ہو جہاں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کے ساتھ موجود تھے حضرت عمرؓ اور چند دیگر صحابہ نے ان لوگوں پر زبردست پتھر برسائے ابوسفیان نے جب دیکھا کہ آگے بڑھنا محال ہے تو زور سے پکارا "آئندہ برس بدر میں پھر مقابلہ ہوگا۔" اور فاتحانہ نعروں کی گونج میں واپس ہونے لگا۔

اب سورج غروب ہو چکا تھا اور رات کی تاریکی بڑھتی جا رہی تھی۔ لہٰذا ہر طرف جنگ رک گئی۔ دن بھر کی لڑائی میں مشرکینِ مکہ حاوی رہے۔ اب ان کے لئے تین راہیں تھیں۔

۱۔ رات کو آرام کرنا اور صبح ہوتے ہی پھر مسلمانوں پر یلغار کرنا۔ یا

۲۔ مدینہ پر حملہ کر دینا۔ یا

۳۔ اسی دن کی کامیابی پر مکہ واپس ہو جانا۔

ابوسفیان یہ بھی جانتا تھا کہ رات کی تاریکی میں مسلمان پھر مجتمع ہو جائیں گے لہٰذا دوسرے دن جنگ کرنا خطرہ سے خالی نہ ہوگا۔ مدینہ پر حملہ کرنے کا موقعہ بھی ان کے سامنے تھا لیکن ساتھ ہی یہ خطرہ بھی لگا تھا کہ مسلمان عقب سے حملہ آور ہو جائیں گے۔ ان خدشات کے پیشِ نظر ابوسفیان نے تیسری راہ کو اپنایا چونکہ جنگِ بدر کے انتقام اور اپنی فتح کا اعلان تو وہ بزعمِ خود کر ہی چکا تھا۔

—— اور (اے حبیبؐ!) آپ ان کا کچھ غم نہ کریں جو کفر کی طرف دوڑتے ہیں۔ وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑیں گے، اور اللہ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ رکھے۔ اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

—— یقیناً جن لوگوں نے ایمان کے بدلے کفر خرید لیا ہے وہ اللہ کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

—— اور کافر ہرگز اس گمان میں نہ رہیں کہ ہم جو انہیں مہلت دے رہے ہیں کہ وہ جرم میں اور بڑھ جائیں اور ان کے لئے تو ذلت کا عذاب ہے۔

(۳/۱۷۸-۱۷۶)

حضرت علیؓ مخبری کے لئے روانہ کئے گئے ادھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مذکورہ بالا امکانات پر غور کر رہے تھے۔

چنانچہ رات کی تاریکی میں آپؐ نے حضرت علیؓ کو دشمن کی حرکات معلوم کرنے کے لئے روانہ فرمایا اور ارشاد ہوا۔ "ان کے پیچھے پیچھے جاؤ اور معلوم کرو کہ یہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ اگر کفار کے گھوڑوں کا رُخ جنوب کی طرف ہے اور اونٹوں پر سوار ہو گئے ہیں تو سمجھ لینا کہ وہ مکہ واپس جانا چاہتے ہیں اور اگر وہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر اونٹوں کو ہانک رہے ہیں تو پھر ان کا ارادہ مدینہ پر حملہ کرنے کا ہوگا۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر ان کفار کا ارادہ مدینہ پر حملہ کرنے کا ہوا تو میں خود ان کی طرف بڑھ کر جنگ کروں گا۔"

حضرت علیؓ نے رات کی تاریکی میں کفار مکہ کے لشکر کا تعاقب کیا اور جب انہوں نے یقین کر لیا کہ ان کے گھوڑوں کا رخ جنوب کی جانب ہے اور وہ لوگ اپنے اونٹوں پر سوار ہو چکے ہیں تو اسی طرح خاموشی سے واپس آ گئے اور ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں اپنی رپورٹ پیش کی۔

شہدائے احد کی تدفین جب مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ دشمن میدانِ جنگ سے جا چکا ہے تو انہوں نے اپنے شہداء کی طرف توجہ کی جن صحابہ کرام کی شہادت کی خبر مل چکی تھی ان کے اجسام اطہر کی تلاش کی گئی جن کے متعلق کوئی خبر نہ تھی ان کی معلومات کے لئے صحابہ کرام روانہ کئے

ـــــ اللہ ایمان والوں کو اس حال پر چھوڑے رکھنے کا نہیں جب تک کہ وہ جدا نہ کر دے گندے کو ستھرے سے ۔ اور نہ اللہ (اے لوگو!) تمہیں غیب پر مطلع کرنے والا ہے ۔ ہاں اللہ جس کو چاہتا ہے اپنے رسولوں میں سے چن لیتا ہے ۔ تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ ۔ اور اگر تم ایمان لے آئے اور تم نے تقویٰ اختیار کر لیا تو تمہارے لئے اجرِ عظیم ہے ۔

ـــــ اور جو لوگ کہ اس مال میں بخل کرتے رہتے ہیں جو کچھ کہ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دے رکھا ہے وہ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ یہ ان کے حق میں کچھ اچھا ہے ۔ نہیں ، بلکہ ان کے حق میں یہ بہت برا ہے ۔ یقیناً انہیں قیامت کے دن طوق پہنایا جائے گا اس مال کا جس میں انہوں نے بخل کیا ۔ اور اللہ ہی وارث ہے آسمانوں اور زمین کا اور اللہ تمہارے کاموں سے باخبر ہے ۔ (۳/۱۸۰ - ۱۷۹)

گئے ۔ ان ہی میں سعدؓ بن ربیع تھے ۔ ان کو تلاش کرتے ہوئے ایک صحابیِ رسول نے دیکھا کہ وہ لب دم پڑے ہیں ۔ وہ ان کے قریب گئے اور کہا ۔ "اے سعدؓ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ میں دیکھ کر بتاؤں کہ تم زندہ ہو یا شہادت پانے والوں میں ہو ۔" سعدؓ نے اسی عالم جانکنی میں کہا ۔ "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا سلام کہنا اور کہنا جَزَاکَ اللّٰہُ عَنَّا خَیْرَ مَا جَزٰی نَبِیًّا عَنْ اُمَّتِہٖ (اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کی طرف سے آپؐ کو بہتر جزا دے جو کسی بھی نبی کو اس کی امت کی طرف سے دی) اور پھر مزید کہا ۔ "اور قوم کو بھی میرا اسلام پہنچانا اور کہنا کہ سعدؓ بن ربیع تم سے کہتا ہے کہ جب تک تمہاری چشم میں جنبش کی سکت ہے اگر تمہارے نبی کو کوئی صدمہ پہنچا تو اللہ کے سامنے کوئی عذر پیش نہ کر سکو گے ۔" یہ کہتے ہی حضرت سعدؓ کی روح پرواز کر گئی ۔ اللہ اکبر کیا جذبۂ عظیم تھا ان عاشقانِ مصطفےٰ کا ۔

— بے شک اللہ نے ان لوگوں کا قول سن لیا جنہوں نے کہا کہ اللہ مفلس ہے اور ہم غنی۔ ہم ضرور لکھ رکھیں گے ان کا کہا ہوا، اور انبیاء کو ان کا ناحق شہید کرنا۔ اور (پھر) ہم کہیں گے کہ (اب) آگ کے عذاب کا مزا چکھو۔

— یہ ان حرکتوں کی وجہ سے ہوا جو تم آگے بھیج چکے ہو اور اس لئے کہ اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

— (یہ وہ لوگ ہیں) جو کہتے ہیں کہ اللہ نے ہمیں حکم دیا تھا کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک کہ وہ ایسی قربانی کا حکم نہ لائے جسے آگ کھائے۔ (اے نبیؐ!) آپ کہہ دیجئے کہ مجھ سے پیشتر یقیناً تمہارے پاس رسول دلائل کے ساتھ اور اس (معجزہ) کے ساتھ بھی آچکے ہیں جسے تم کہہ رہے ہو، تو تم نے انہیں کیوں قتل کر ڈالا اگر تم سچے ہو۔ (۳/۱۸۳-۱۸۱)

دشمنانِ حق نے مسلمانوں کے شہداء کی بے حرمتی کی تھی۔ جب مسلمان رحمتِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے اپنی جانیں نثار کر رہے تھے اور کفار آپؐ کی موت کے نعرے بلند کر رہے تھے اس وقت زنانِ قریش ہندا بنت عتبہ کی قیادت میں شہداء کا مثلہ کر رہی تھیں۔ ان کے شکم چاک کر کے کلیجے نکالتیں اور ناک کان کاٹ کر ہار میں پروتی تھیں۔ ہندہ نے حضرت امیر حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر چبایا اور ان کے ناک کان کا ہار بنا کر اپنے گلے میں ڈالا۔ لعنت اللہِ علی الظالمین۔

صحابہ کرام نے اپنے شہداء کا یہ حال پایا تو دل دہل کر رہ گئے۔ آنکھیں ساکت تھیں اور دل خون کے آنسو بہا رہے تھے۔

حضرت علیؓ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت امیر حمزہؓ کی خبر سے مطلع فرمایا۔ آپؐ خود تشریف لے گئے۔ حضرت امیر حمزہؓ کی حالتِ زار کو دیکھا تو مضطرب ہو گئے۔ ان کے سرہانے کھڑے ہو کر فرمایا۔ "خدا کی قسم اگر قریش میرے ہاتھ پڑ جائیں تو میں اُن

___ (اے نبیؐ!) اگر یہ آپ کی تکذیب کر رہے ہیں تو آپ سے پیشتر بھی رسولوں کو جھٹلا چکے ہیں جو صاف نشانیاں، صحیفے اور روشن کتاب لے کر آئے تھے۔ (۳/۱۸۴)

کے ستّر آدمیوں کا مثلہ کروں۔" آپ اسی رنج و غم میں تھے کہ حضرت جبرئیلؑ کلام ربّانی لے کر حاضر ہوئے۔

"اگر تم عذاب کرو اور سزا دو تو اتنی ہی سزا دو جتنا تم کو ستایا گیا ہے اور اگر صبر کرو تو یقیناً صبر کرنے والوں کے لئے صبر بہتر ہے۔"

ہادی مرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمِ ربّی کے آگے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے فرمایا۔ "خدا کی قسم میں نے صبر کیا اور اپنے اس جوش سے درگذر ہوا۔" اور پھر آپؐ نے ستّر مرتبہ حضرت حمزہؓ کے لئے استغفار فرمائی۔

اسی دوران مدینہ سے مسلم خواتین بھی اس حادثے کی خبر سُن کر احد پہنچ گئی تھیں۔ جن میں حضرت صفیہؓ آپؐ کی پھوپھی اور حضرت امیر حمزہؓ کی بہن بھی شامل تھیں۔ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کو آتے دیکھا تو ان کے صاحبزادہ حضرت زبیر بن العوامؓ سے ارشاد فرمایا۔ "اپنی والدہ کو واپس لے جاؤ تاکہ وہ اپنے بھائی کو اس حال میں نہ دیکھیں۔" حضرت صفیہؓ نے آپؐ کا پیغام سُنا تو کہنے لگیں۔ "میں سُن چکی ہوں کہ میرے بھائی کا کیا حال ہوا ہے۔ اللہ کی راہ میں یہ کچھ بھی نہیں جو مرضیِ مولا۔" آپؐ نے انہیں لاش کی طرف آنے کی اجازت دے دی۔ جسمِ اطہر کو دیکھا تو حضرت صفیہؓ رونے لگیں۔ آپؐ بھی گریہ کناں ہوئے۔ پھر حضرت صفیہؓ نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور کانپتے لبوں سے دعائے مغفرت کی۔

انصار میں سے ایک خاتون کا شوہر، باپ اور بھائی تینوں شریکِ جہاد تھے اور تینوں نے جامِ شہادت نوش کیا تھا۔ اس خاتون کو جب باری باری تینوں حادثوں کی اطلاع ملتی تو وہ ہر بار اپنے حادثۂ عظیم کو بھول کر کہتی۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح

— ہر جاندار کو موت کا مزا چکھنا ہے اور تم کو تمہارا پورا اجر تو بس قیامت ہی کے دن ملے گا، تو جو شخص دوزخ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا سو وہی کامیاب ہوا اور دنیا کی زندگی تو بس یہی دھوکے کا مال ہے۔

— یقیناً تم اپنے مال اور جان سے آزمائے جاؤ گے، اور یقیناً تم بہت سی دل آزاری کی باتیں ان سے (بھی) سنو گے جنہیں تم سے پہلے کتاب مل چکی ہے اور ان سے بھی جو مشرک ہیں۔ اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔ (۳/۱۸۶-۱۸۵)

ہیں؟" لوگ اسے ہر بار آپؐ کی خیریت بتا دیتے۔ آخر کار اس نے خود آکر آپؐ کے چہرۂ انور کو دیکھا اور بے اختیار کہا۔ کُلُّ مُصِیْبَۃٍ بَعْدَکَ جَلَل (آپؐ کے ہوتے ہوئے سب مصیبتیں ہیچ ہیں) مسلمان شہدا کی تعداد ستر تھی۔ چار مہاجرین میں سے تھے اور چھیاسٹھ انصار تھے اور کفار کے مقتولوں کی تعداد تقریباً تیس تھی۔ شہدا کی نماز پڑھنے کے ضمن میں محدثینِ کرام اور اہلِ سیر سے مختلف روایتیں مروی ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ سب سے پہلے حضرت امیر حمزہؓ کی نمازِ جنازہ پڑھی گئی اس کے بعد جو جنازہ آتا گیا اسی مقام پر نماز پڑھی گئی۔ لیکن اکثر ائمہ محدثین کا قول ہے کہ نماز بار بار نہیں پڑھی گئی بلکہ ایک ہی مرتبہ نمازِ جنازہ ہوئی۔ یہی شوافع اور احناف کا مسلک ہے۔ شہدا کو بغیر غسل دیئے ہوئے خون آلود کپڑوں میں دفن کیا گیا۔

آپؐ نے ارشاد فرمایا جن شہدا کے درمیان الفت و محبت زیادہ تھی ان کو ایک ہی قبر میں دفن کریں۔ لہٰذا دو دو اور تین تین شہدا ایک ساتھ ہی دفن کئے گئے۔ حضرت امیر حمزہؓ کے ساتھ حضرت عبداللہ بن جحش جو ان کے عزیز بھانجے تھے ایک ہی ساتھ مدفون ہوئے۔ آپؐ کے مطابق یہ بھی اہتمام کیا گیا کہ جو صحابی قرآن کے زیادہ عالم تھے ان کے لئے لحد تیار کی گئی۔ حضورِ اقدسؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ کسی شہید کو یہاں سے لے جانے کی ضرورت

— اور (وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے) جب اللہ نے اہلِ کتاب سے عہد لیا تھا کہ کتاب کو پوری طرح ظاہر کر دینا لوگوں پر اور اسے چھپانا مت۔ مگر انہوں نے اپنے اس عہد کو پشت پیچھے پھینک دیا اور اس کو ایک حقیر قیمت کے بدل بیچ ڈالا۔ سو کیسی بری چیز ہے جسے وہ خرید رہے ہیں۔

— جو لوگ اپنے کرتوتوں پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کے بے کئے کاموں پر بھی ان کی تعریف کی جائے۔ سو ایسے لوگوں کو ہرگز عذاب سے دور نہ خیال کرنا۔ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

— اللہ ہی کے لئے آسمانوں اور زمین کی سلطنت ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۳/ ۱۸۹-۱۸۷)

نہیں ہے اگر کوئی لے گیا ہے تو یہاں واپس لے آئے۔ حضرت جابرؓ اپنے والد عبداللہ کو دفن کرنے کے لئے مدینہ لے گئے تھے۔ لہٰذا جونہی آپؐ کا فرمان ملا۔ آپ اپنے والد کا جسمِ اطہر مدینہ سے اُحد لے آئے وہیں پر ان کی تدفین ہوئی۔

حضور احمدِ مختار نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "حق سبحانہٗ تعالےٰ روزِ قیامت ان شہدا کو اس حال میں اٹھائے گا کہ ان کے زخموں سے خون بہتا ہوگا مگر اس کی خوشبو مشک کی مانند ہوگی"

آپؐ نے دشمن فوج کا تعاقب کیا

دونوں فوجیں اس حال میں ایک دوسرے سے علیحدہ ہوئی تھیں کہ مسلمان زخموں سے چور تھے اور ان کے زیادہ آدمی کام آئے یا زخمی ہوئے تھے۔ یہی کفار کی فتح تھی اور یہی مسلمانوں کی شکست۔ ورنہ مسلمان تو ابھی تک میدانِ جنگ میں موجود تھے۔ گو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمن فوجوں کی مکہ کی طرف روانگی کی خبر مل گئی تھی لیکن آپؐ کے دل میں خیال آیا کہ ابوسفیان مسلمانوں کو مغلوب سمجھ کر کہیں دوبارہ حملہ آور نہ ہو جائے لہٰذا آپؐ نے مجاہدین کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ "کون ہے جو دشمنوں کا تعاقب کریگا

ـــــ بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات دن کی باہم تبدیلی میں نشانیاں ہیں اہلِ عقل کے لئے۔

ـــــ یہ ایسے ہیں کہ جو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر برابر یاد کرتے رہتے ہیں (اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں برابر غور کرتے رہتے ہیں (اور دل ہی دل میں کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ (سب کچھ) بے مقصد تو نہیں پیدا کیا ہے۔ تو پاک ہے سو محفوظ رکھ ہم کو دوزخ کے عذاب سے۔

ـــــ اے ہمارے پروردگار!! تو نے جسے دوزخ میں داخل کر دیا اسے ضرور تو نے رسوائی دی اور ظالموں کا کوئی بھی مددگار نہیں۔

(۳/۱۹۲ــ۱۹۰)

آپؐ کا فرمان سنتے ہی ستّر صحابۂ کرام کی ایک جماعت تعاقب کی مہم کے لئے تیار ہو گئی۔

اُدھر دشمنانِ حق کی فوج احد سے روانہ ہو کر جب روحا کے مقام پر پہنچی تو واقعی ابوسفیان کو خیال آیا کہ مسلمانوں کو ضرب تو پہنچائی لیکن کام نا تمام رہ گیا۔ ان کے حوصلے بلند تھے عکرمہ بن ابوجہل کا بھی یہی خیال تھا کہ ابھی لوٹ چلیں اور صحابۂ کرام کا صفایا کر ڈالیں۔ لیکن صفوان بن اُمیّہ کی رائے ان دونوں کے مخالف تھی۔ اس نے لوگوں سے کہا۔ "تمہاری یہ رائے اچھی نہیں ہے چونکہ جو مصیبت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کو ہمارے ہاتھوں پہنچی ہے اس کے غضب اور جذبۂ انتقام سے معمور یہ لوگ مقابل آئیں گے اور اوس و خزرج کے باقی ماندہ لوگوں کو بھی اپنی مدد کے لئے جمع کر لیں گے۔ لہٰذا اس کا امکان ہے کہ ہمارا غلبہ کہیں مغلوبیت نہ بن جائے۔" ان لوگوں کے درمیان یہی گفتگو کا سلسلہ جاری تھا کہ قبیلہ خزاعہ کا رئیس معبد خزاعی ابوسفیان کے پاس پہنچا۔

قبیلہ خزاعہ گو اس وقت تک ایمان نہ لایا تھا لیکن در پردہ مسلمانوں کا طرفدار تھا۔ اسی لئے جب اسے مسلمانوں کی ہزیمت کی اطلاع ملی تو وہ بارگاہ

— اے ہمارے پروردگار! ہم نے ایک پکارنے والے کو سُنا ایمان کی ندا فرماتے ہوئے کہ اپنے پروردگار پر ایمان لے آؤ، سو ہم ایمان لے آئے۔ اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہوں کو بخشدے اور ہم سے ہماری برائیوں کو ختم کردے اور ہمیں نیکیوں کے ساتھ موت عطا فرما۔ (۳/۱۹۳)

رسالتؐ میں حاضر ہوا۔ اس وقت آپؐ احد سے مجاہدین کی جماعت کے ساتھ حمراء اسد کے مقام پر پہنچ چکے تھے۔ اس نے پہلے آپؐ سے گفتگو کی تھی اور پھر ابوسفیان کے پاس گیا تھا۔ جب ابوسفیان نے معبدِ خزاعی کو اپنے ارادوں سے آگاہ کرتے ہوئے اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ مکہ جانے سے قبل مسلمانوں کا صفایا کردیں گے تو معبد خزاعی نے ابوسفیان سے کہا۔ "میں ابھی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو مقامِ حمراء اسد پر دیکھ کر آیا ہوں وہ اس سر و سامان اور جذبہ کے تحت آرہے ہیں کہ ان کا مقابلہ ناممکن ہے۔" دشمنانِ حق میں پہلے ہی سے دو رائیں تھیں، صفوان ابنِ اُمیّہ دوبارہ لڑائی کرنے کے حق میں نہ تھا لہٰذا ابوسفیان اپنی فوجوں کو واپس مکہ لے گیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپؐ بھی صحابۂ کرام کے ہمراہ مدینہ کی طرف واپس ہو گئے۔

آپؐ کی مدینہ کو واپسی

آپ مجاہدینِ کرام کے ساتھ مدینہ میں داخل ہوئے تو پورا شہر ماتم کدہ بنا ہوا تھا۔ ستّر صحابۂ کرام نے شہادت پائی تھی۔ گھر گھر نوحہ ہو رہا تھا۔ عرب کا دستور تھا کہ مُردوں پر عورتیں بین کرتیں، کپڑے پھاڑ لیتیں، گال نوچتیں، گالوں پر تھپڑ مارتیں اور بری طرح چیختی چلاّتی تھیں اور اس طریقۂ ماتم کا نام تھا نوحہ۔

راہ میں حضرت حمنہ بنت جحش ملیں۔ ان کے بھائی عبداللہ ابن جحش کی شہادت کی خبر دی گئی تو انہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور دعائے مغفرت پڑھی۔

—— اے ہمارے پروردگار!!! ہمیں عطا کردہ چیز جس کا تو ہم سے اپنے پیغمبروں کی معرفت وعدہ کر چکا ہے اور ہم کو قیامت کے دن رسوا نہ کرنا۔ بے شک تو وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ (۳/۱۹۴)

اپنے ماموں حضرت حمزہ کی خبر سنی تو پھر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن کہا اور دعائے مغفرت پڑھی پھر ان کے شوہر حضرت مصعب بن عمیرؓ کی خبر دی گئی تو رونے اور چیخنے لگیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عورت کے نزدیک دراصل شوہر کا ایک مقام ہوتا ہے حمنہ ماموں اور بھائی کی موت پر تو ضبط کر گئیں لیکن شوہر کی موت کی خبر سن کر ضبط نہ کر سکیں۔"

آپؐ بنو عبد الاشہل اور بنو ظفر کے علاقوں سے گزرے تو عورتوں کو اپنے شہداء پر نوحہ و بکا کرتے ہوئے سنا۔ ایک عالم غم واندوہ تھا کہ در و دیوار پر چھایا ہوا تھا۔ عورتوں کی دلفگار آوازیں مجروح دلوں کو خون رلا رہی تھیں۔ آپؐ کی چشم ہائے مبارک سے بھی آنسو نکل آئے۔ دفعتاً زبانِ اقدس کو جنبش ہوئی۔ "کیا حمزہؓ پر رونے والی عورتیں نہیں۔" آپؐ کے یہ الفاظ سعدؓ بن معاذ اور اسیدؓ بن حضیر نے بھی سنے۔ لہٰذا جب اپنے گھروں کو لوٹے تو انہوں نے اپنی عورتوں سے کہا کہ وہ جائیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا پر نوحہ کریں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مکانِ اطہر میں پہنچے ہی تھے کہ عورتوں کے رونے کی آوازیں سنیں۔ آپؐ باہر تشریف لا آئے۔ عورتیں مسجد کے دروازے پر حضرت حمزہؓ کا نوحہ کر رہی تھیں۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ "اللہ تم پر رحم فرمائے۔ تم واپس چلی جاؤ۔ تم نے اپنی طرف سے تسلی کا حق ادا کر دیا۔"

بعد میں محسنِ انسانیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "آج سے کسی مُردے پر نوحہ نہ کیا جائے اس طرح ماتم کرنا مسلمان کی شان نہیں۔" اور اس طرح عربوں کے اُس روایتی نوحہ کی ممانعت ہو گئی۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پھر گھر میں تشریف لے گئے سب اہلِ خانہ جمع تھے آپؐ

سو ان کی دعا کو ان کے رب نے قبول فرمالیا اس لئے کہ وہ کہتا ہے کہ "میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو خواہ وہ مرد ہو یا عورت ضائع نہیں ہونے دیتا تم آپس میں ایک ہو تو جن لوگوں نے ترک وطن کیا اور اپنے شہروں سے نکالے گئے۔ اور (اور بھی) تکلیفیں انہیں میری راہ میں دی گئیں اور وہ لڑے اور مارے گئے ان کی خطائیں ضرور ان سے معاف کر دی جائیں گی، اور میں ضرور انہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔ یہ ثواب ہوگا اللہ کے پاس سے اور اللہ ہی کے پاس بہترین ثواب ہے۔ (۳/۱۹۵)

نے اپنی تلوار حضرت فاطمہؓ کو دیتے ہوئے کہا۔ "لو بیٹی اس کا خون دھو ڈالو جنگ کے موقع پر بڑی سچی ثابت ہوئی۔" حضرت علیؓ نے بھی اپنی تلوار حضرت فاطمہؓ کو دیتے ہوئے کہا۔ "لو اس کا خون بھی دھو ڈالو۔ خدا کی قسم جنگ میں یہ تلوار بڑی سچی نکلی۔" رسولِ محتشم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "اے علیؓ! اگر تم جنگ میں ثابت قدم رہے تو تمہارے ساتھ سہلؓ بن حنیف اور ابو دجانہؓ بھی ثابت قدم رہے۔"

سہل اوس سے متعلق تھے اور ابو دجانہ قبیلۂ خزرج سے۔ لہٰذا مذکورہ جملہ سے حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی مطلب تھا کہ مہاجر اور انصار سب ہی ثابت قدم رہے۔ ورنہ دشمنانِ حق نے تو شمعِ رسالتؐ کو گل کرنے کے لئے اپنا تمام زور صرف کر ڈالا تھا۔

عربوں کی روایتی نوحہ خوانی، اظہارِ تعزیت اور فضائے رنج والم چند یوم ضرور برقرار رہی لیکن اس نے مسلمانوں کے حوصلے بلند اور عزائم پختہ کر دیئے تھے مسلمانوں کی پسپائی ضرور ہوئی تھی لیکن وہ نتیجہ تھی چند مسلمانوں کی غلطی کا جبکہ وہ مال غنیمت کے لالچ میں اللہ کے رسول ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کے مرتکب ہوئے تھے۔ ورنہ تو مشرکین پہلے ہی پسپا ہو کر میدان چھوڑنے لگے تھے۔

— (اے شخص!) کافروں کی شہروں میں یہ چلت پھرت کہیں تجھے دھوکے میں نہ ڈال دے۔ یہ چند روزہ بہار ہے پھر تو ان کا ٹھکانہ دوزخ ہی ہے۔ اور وہ کیسی بری آرام گاہ ہے۔

— البتہ جو لوگ اپنے پروردگار سے ڈرتے رہتے ہیں ان کے لئے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ مہمانی ہوگی اللہ کی طرف سے، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ نیکوں کے حق میں کہیں بہتر ہے۔

— اور اہلِ کتاب میں کچھ ایسے بھی ضرور ہیں جو اللہ پر، اور جو کچھ آپ پر اتارا گیا ہے اور جو کچھ ان پر اتارا گیا ہے سب پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ سے ڈرنے والے ہیں، اللہ کی آیتوں کا حقیر قیمت پر سودا نہیں کرتے۔ انہیں ان کا اجر ان کے پروردگار کے پاس ضرور ملے گا۔ بے شک اللہ جلد حساب کرنے والا ہے۔

(۳/۱۹۹—۱۹۶)

یہودی خوش تھے اور منافق عبداللہ بن اُبَی کی قیادت میں کہتے پھر رہے تھے کہ ہم کو اگر یقین ہوتا کہ جنگ ضرور ہوگی تو ہم واپس نہ آتے بلکہ تمہارے ساتھ مل کر جنگ کرتے۔ لیکن مسلمان ان باتوں سے نہ مغموم تھے نہ پریشان ان کا توکل اللہ پر تھا۔

یہی شب و روز تھے کہ درج بالا آیات ۱۲۱ تا ۲۰۰ کا نزول ہوا جن کے ذریعہ ایک طرف تو میدانِ جنگ میں ہونے والی خامیوں پر تبصرہ کیا گیا دوسری طرف مسلمانوں کو صبر و استقامت کی تلقین کہ اسی میں فلاح کا راز مضمر ہے۔ اور اہلِ ایمان کو بشارت کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ہیں انہیں ہرگز مردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ اپنے پروردگار کے پاس زندہ

ــــ اے ایمان والو! صبر کرو اور صبر میں دشمنوں سے آگے رہو اور مقابلہ کے لئے مستعد رہو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو اسی امید پر کہ فلاح پا جاؤ۔ (۳/۲۰۰)

ہیں رزق پاتے رہتے ہیں۔ شاد ہیں اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے عطا کیا ہے اور خوشیاں منا رہے ہیں اپنے بعد والوں کی اس حالت سے کہ ان پر اب نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ کچھ غم۔

(بحوالہ صحیح بخاری، مسلم ابن ہشام، طبری، طبقات، مدارج النبوت ابن کثیر)

سُورۃُ الاَحزَاب (پ ۲۱)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے نبی! اللہ سے یوں ہی ڈرتے رہیئے اور کافروں اور منافقوں کی نہ سنئے بے شک اللہ علم و حکمت والا ہے۔ (۳۳/۱)

غزوہ اُحد کے بعد کے واقعات

غزوہ احد میں جہاں مسلمانوں کا جانی نقصان ہوا تھا وہاں ان کی ساکھ بھی مجروح ہو کر رہ گئی تھی مشرکینِ عرب، یہود اور منافقین اب یہ سمجھنے لگے تھے کہ وہ جلد ہی مسلمانوں کا خاتمہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ لہٰذا دشمنانِ حق نے جگہ جگہ جا کر مسلمانوں کے خلاف ایک ایسا ماحول پیدا کر دیا کہ ہر طرف سے طوفانِ جارحیت کے آثار نمایاں ہونے لگے۔ ہر چھوٹا بڑا مشرک قبیلہ یہ سمجھنے لگا تھا کہ وہی فرزندانِ توحید کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے میں کامیاب ہو جائے گا۔ ہر ایک کے حوصلے بڑے بلند تھے۔ احد میں ہزیمت کے بعد مسلمانوں کے حوصلے پست ہونا ایک فطری عمل ہو سکتا تھا، لیکن تعلیماتِ قرآنی نے ان کے درمیان ایسا جذبۂ جہاد اور جاں نثاری پیدا کر دیا تھا کہ موت مسلمانوں کے لئے جامِ شہادت تھی اور اللہ کی امداد ان کی اصل قوت۔ لہٰذا ان کے عزائم پختہ تھے اور ہمتیں مضبوط۔ انہیں یقینِ کامل تھا کہ وہ حق پر ہیں اور حق ہی غالب آئے گا۔

سریہ ابو سلمہ رضؓ ابھی جنگِ احد کو تین ماہ کا عرصہ بھی نہ ہوا تھا کہ ماہِ محرم ۴ھ میں ہادیٔ مرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ علاقہ نجد کا قبیلہ بنی اسد مدینہ منورہ پر چھاپہ مارنے کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ جب آپؐ کو خبر کی تصدیق ہو گئی تو آپؐ نے حضرت ابو سلمہؓ کو ڈیڑھ سو مجاہدین کی جمعیت کے ساتھ روانہ کیا اور حکم دیا کہ قبل اس کے کہ دشمن تم پر حملہ کرنے کے لئے روانہ ہو تم تیزی سے جاؤ اور اچانک ان پر حملہ کر دو۔ مجاہدین نے آپؐ کے حکم کے بموجب جاتے ہی حملہ کیا اور ایک مشرک کو قتل کر دیا۔ لشکرِ کفار

— اور جو حکم آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے
اس کی پیروی کیے جایئے۔ اور اے لوگو! اللہ تو، جو کچھ تم کرتے رہتے ہو،
اس سے خوب باخبر ہے۔ (۲/۳۳)

نے مقابلہ کرنا چاہا لیکن مجاہدین کا حملہ اچانک اور اتنا شدید تھا کہ مشرکین تاب نہ لاسکے
اور بھاگ کھڑے ہوئے۔ ابو سلمہؓ دس یوم کے اندر ہی مالِ غنیمت لئے واپس مدینہ آگئے۔

حضرت ابو سلمہؓ کی وفات

مذکورہ بالا سریہ کے کچھ عرصہ بعد ابو سلمہؓ کا انتقال ہوگیا۔
بعض روایات کے مطابق ابو سلمہؓ کا انتقال جنگ احد
میں زخمی ہو جانے کی وجہ سے ہوا تھا لیکن مذکورہ سریہ کے پیشِ نظر وہ روایات غلط فہمی
پر مبنی معلوم ہوتی ہیں۔ بات یہی قرینِ قیاس ہے کہ آپ اس سریہ کے دوران زخمی ہوئے
اور بعد میں انتقال فرما گئے۔ ممکن ہے کہ آپ جنگِ احد میں بھی زخمی ہو گئے ہوں اور بعدِ صحت
مذکورہ سریہ میں شرکت فرمائی ہو جس کے دوران ان کے پُرانے زخم عود کر آئے ہوں۔

ان کی زوجہ حضرت اُمّ سلمہؓ نے وفات کی خبر خود بارگاہِ رسالتؐ میں پہنچائی۔ حضورِ انور
صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت اُمّ سلمہؓ شوہر کی وفات پر بین کر رہی تھیں
"ہائے غربت میں یہ کیسی موت ہوئی ..." احمدِ مختار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔
"صبر کرو، ان کی مغفرت کی دعا مانگو اور کہو کہ خداوندا ان سے بہتر ان کا جانشین عطا کر"۔

سریہ بن اُنیس

اسی ماہ محرم ۴ھ میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو
ایک اور خبر موصول ہوئی کہ کوہستانِ عرنہ کا رئیس سفیان
بن خالد اپنے قبیلہ لحیان کی مدد سے مدینہ پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے۔ لہٰذا آپؐ نے اس فتنے
کو بھی سر اٹھانے سے قبل ہی ختم کرنے کی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن اُنیس
کی قیادت میں صحابۂ کرام کی ایک جماعت کو فوری روانہ کر دیا۔ سفیان قتل ہوا اور اس طرح
یہ فتنہ بھی اپنی موت آپ ہی مر گیا۔

بیرِ معونہ کا واقعہ

ماہِ صفر ۴ھ میں علاقہ نجد کے قبیلہ کلاب کا رئیس ابو براء جو

—— اور آپ اللہ پر بھروسہ رکھئے اور اللہ ہی کارسازی کے لئے کافی ہے۔ (۳/۳۳)

نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اسلام سے دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے آپؐ سے درخواست کی کہ چند صحابہ کرام اس کے ساتھ بھیج دیئے جائیں جو اس کی قوم کو دعوتِ اسلام سے آگاہ کریں۔ آپؐ نے فرمایا۔ "مجھے نجد کی طرف سے خطرہ ہے۔" ابو براء نے کہا "میں ضامن ہوں آپؐ مجھ پر اعتبار کریں۔" لہٰذا آپؐ نے اس کے ہمراہ سترّ صحابہ کرام کو روانہ فرمادیا جن میں زیادہ تر اصحاب صفّہ شامل تھے۔ یہ لوگ محض تبلیغی مقاصد کے لئے روانہ کئے گئے تھے لیکن بنی سُلیم کے مشرک قبائل عُصَیَّہ، رِعل اور ذکوان نے بیرِ معُونہ کے مقام پر ان حضرات کو نرغے میں لے کر قتل کردیا۔ حضورؐ انور کو جب یہ افسوس ناک خبر ملی تو نہایت غمگین ہوئے۔ آپؐ نے ایک ماہ تک نمازِ فجر میں ان دنوں قنوت نازلہ پڑھی اور ان مشرک قبائل کے حق میں بددعا کی۔

مقامِ رجیع کا واقعہ اُنہی دنوں ایک اور بھی واقعہ ہوا کہ عَضَل اور قارۃ دو مشہور قبائل کے چند لوگ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ان کے قبیلوں نے اسلام کو قبول کرلیا ہے لہٰذا اسلام کے احکام اور عقائد سکھانے کے لئے چند آدمی ان کے ہمراہ روانہ کئے جائیں آپؐ نے دس صحابہ کرام کو جن میں حضرت عاصمؓ بن ثابت شامل تھے روانہ کردیا۔ جب یہ لوگ مقام رجیع پہنچے تو قبیلہ بنی لحیان نے ایک منصوبے کے تحت حملہ کردیا۔ یہ صحابہ کرام ایک پہاڑی پر چڑھ گئے۔ مشرکین نے کہا نیچے آجاؤ ہم تم کو پناہ دیتے ہیں۔ حضرت عاصمؓ نے کہا "میں کافروں کی پناہ نہیں لیتا۔" اور پھر باآوازِ بلند پکارے "اے اللہ! اپنے پیغمبر کو ہماری خبر پہنچادے۔" اور پھر ان مجاہدینِ حق نے مشرکوں سے لڑتے ہوئے جان دیدی۔

غزوہ بنو نضیر بیرِ معُونہ کے واقعے کے بعد حضرت عمرو بن امیہ نے مشرک قبیلۂ عامر کے دو آدمیوں کو قتل کردیا تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اطلاع

ملی تو آپؐ نے اظہارِ ناپسندیدگی کیا اور فرمایا کہ ہم قبیلۂ عامر کو ان کے مقتولوں کا خوں بہا ادا کریں گے۔ قبیلۂ عامر اور بنو نضیر کے یہودیوں کے آپس میں تعلقات خوشگوار تھے اور بنو نضیر کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ بھی تھا۔ لہٰذا آپؐ بنو نضیر کے پاس ان کے حصّے کی واجب الادا رقم لینے اور ان سے مشورہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ آپؐ کے ہمراہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعد بن معاذؓ، حضرت اسید بن حضیرؓ اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم اجمعین بھی تھے۔ یہودیوں نے اپنی ذمہ داری کو قبول کیا لیکن درپردہ یہ سازش کی کہ ایک شخص ایک بڑا پتھر بالاخانہ سے آپؐ کے اوپر گرادے جب کہ آپؐ اس بالاخانہ کی دیوار کے زیرِ سایہ تشریف فرما تھے۔ عمرو بن حجاش یہودی اس منصوبے کی تکمیل کے لئے بالاخانہ پر چلا گیا کہ اس دوران حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو ان کے ناپاک منصوبے سے آگاہ فرمادیا۔ لہٰذا آپؐ فوری طور پر اس جگہ سے اٹھ کر واپس آگئے۔ یوں تو یہودیوں کی بہت سی شرارتیں سامنے آتی رہتی تھیں لیکن یہ معاملہ انتہائی سنگین تھا۔

انہی دنوں ابوسفیان بن حرب اور عکرمہ بن ابوجہل مدینہ آئے اور عبداللہ بن ابی بن سلول کے یہاں قیام کیا اور اس کے ذریعہ گفتگو کرنے کے لئے آپؐ سے امان چاہی۔ آپؐ نے منظور کرلی۔ مسلمانوں کو معلوم ہوا تو دشمنانِ حق کو قتل کرنے پر آمادہ ہوگئے لیکن ہادیٔ برحقؐ نے اس کی اجازت نہ دی۔ مشرکین کے ساتھ گفتگو ہوئی تو انہوں نے کہا کہ آپؐ ہمارے بتوں لات، عزّیٰ، منات وغیرہ کے خلاف کچھ نہ کہیں اور یہ فرمادیں کہ ان کی شفاعت ان کے پجاریوں کے لئے ہے اور ہم لوگ آپؐ کو اور آپؐ کے رب کو کچھ نہیں کہیں گے۔ اسی شرط کے پیشِ نظر گفتگو ناکام ہوئی اور مشرکین مکہ واپس چلے گئے۔

اور تمہاری (ان) بیویوں کو جنہیں تم ماں کے برابر کہہ دیتے ہو تمہاری مائیں نہیں بنا دیا ہے، اور نہ تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارا بیٹا بنا دیا۔

بعد میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ بنی نضیر نے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ابوسفیان کے ساتھ حلف کیا ہے اور وہ ان کے حلیف بن گئے ہیں۔ لہٰذا ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت محمدؓ بن مسلمہ کو فوری طور پر بنی نضیر کے پاس یہ پیغام دے کر روانہ کیا کہ چونکہ تم لوگوں نے ہمارے ساتھ غداری کی ہے لہٰذا دس یوم کے اندر مدینہ سے نکل جاؤ ورنہ جو نظر آئے گا اس کی گردن اڑا دی جائے گی۔ بنو نضیر سمجھ گئے کہ ان کی عیاری آشکار ہو چکی ہے اور اب مدینہ میں رہنا ممکن نہیں ہے لہٰذا انہوں نے جلاوطنی کی تیاری شروع کر دی۔ عبداللہ بن ابی کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے بنو نضیر کو پیغام بھیجا کہ وہ ہرگز نہ جائیں، وہ اپنے دو ہزار ساتھیوں کے ساتھ ان کی مدد کے لئے تیار ہے۔ لہٰذا بنو نضیر نے آپؐ کے جلاوطنی کے حکم کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اب آپؐ کے لئے صرف ایک ہی راہ رہ گئی کہ آپؐ بنو نضیر کے خلاف جنگ کریں۔ لہٰذا آپؐ مجاہدینِ حق کی جمعیت کو لے کر بنو نضیر کے علاقوں میں پہنچ گئے۔ بنو نضیر نے بجائے باہر نکل کر مقابلہ کرنے کے اپنے قلعوں کے دروازے بند کر لئے اور سنگ باری اور تیر اندازی شروع کر دی ہادیٔ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کا محاصرہ کر لیا جائے۔ محاصرہ پندرہ یوم تک جاری رہا۔ مسلمانوں نے یہودی قلعوں کے گرد اُگے ہوئے چند درخت کاٹ ڈالے تاکہ یہودی اس اقتصادی نقصان کے پیشِ نظر خوں ریزی سے باز آ کر صلح کی گفتگو کر لیں لیکن یہودیوں کو تو امید تھی کہ عبداللہ بن ابی ان کی مدد کے لئے آ جائے گا۔ لہٰذا انہوں نے اپنی جارحیت کو جاری رکھا۔ لیکن جب دن پر دن گزرتے گئے اور کسی بھی طرف سے امداد نہ آئی تو انہیں یقین آ گیا کہ وعدہ کرنے والے مخلص نہیں لہٰذا مجبور ہو کر

یہ صرف تمہارے اپنے منہ کا کہہ دینا ہے۔ اور اللہ حق بات کہتا ہے اور وہی سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ (۳۳/۴)

جلاوطنی کو قبول کر لیا۔ مگر اس شرط کے ساتھ کہ انہیں اس قدر مال و اسباب اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت دی جائے جس قدر کہ وہ اونٹوں پر لاد سکیں۔ محسنِ انسانیت رحمتِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اس شرط کو قبول کر لیا۔

بنو نضیر نے اپنا تقریباً تمام مال و اسباب اونٹوں پر لاد لیا اور گاتے بجاتے ہوئے اپنے گھروں سے نکلے۔ ان کی عورتیں بھی دف بجاتی اور گاتی جاتی تھیں۔ خوش تھے کہ ان کا مال و اسباب اور ان کے افراد بقیدِ حیات وہاں سے جا رہے تھے۔ مسلمانوں کو صرف پچاس زرہیں، پچاس خود اور تین سو چالیس تلواریں ہاتھ آئیں۔ مگر حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جرأت، دانشمندی اور دور اندیشی سے ایک اور فتنہ ختم ہو گیا۔

بنی غطفان یہ زمانہ تو مسلمانوں کے خلاف سازشوں اور فتنہ انگیزیوں کا تھا۔ ان ہی دنوں آپ کو ایک اور خبر موصول ہوئی کہ مشرک قبیلہ بنو غطفان بھی مدینہ پر حملہ آور ہونے کی تیاریوں میں مصروف ہے۔ لہٰذا آپ چار سو مجاہدین کی جمعیت لے کر روانہ ہوئے اور ذات الرقاع کے مقام پر پہنچ کر اچانک حملہ کر دیا۔ دشمن اس حملہ کے لئے تیار بھی نہ تھے۔ بے تحاشا پہاڑوں کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے اور ان کا منصوبہ بھی خاک میں مل کر رہ گیا۔

بدرِ صغریٰ ابو سفیان نے میدانِ احد سے جاتے ہوئے مسلمانوں کو آئندہ سال بدر کے مقام پر جنگ کا چیلنج دیا تھا جس کو اسی وقت قبول کر لیا گیا تھا۔ لہٰذا ماہِ شعبان ۴ھ میں حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ سو صحابیوں کی معیت میں مدینہ منورہ سے نکلے اور بدر کے مقام پر پہنچ گئے۔

ادھر ابو سفیان بھی اپنے وعدہ کے مطابق دو ہزار کا لشکر لے کر مکہ سے نکلا مگر وادیِ فاطمہ جس کو مرّ الظہران کہتے تھے سے آگے نہ بڑھ سکا۔ قدرتی طور پر حالات

— انہیں ان کے باپوں کی طرف منسوب کرو کہ یہی راستی کی بات ہے۔

کچھ اس طرح کے پیدا ہو گئے کہ ابوسفیان کو مکہ واپس جانا پڑا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مقامِ بدر پر آٹھ روز قیام کیا اور پھر مدینہ واپس تشریف لے آئے۔

یہی شب و روز رہے ہوں گے کہ درج بالا آیات ۱ تا ۴ کا نزول ہوا جن میں مسلمانوں کو صرف اللہ سے ڈرنے اور اسی پر بھروسہ رکھنے کی تلقین کی گئی۔

(بحوالہ طبقات ابن سعد، زرقانی، بخاری، ابنِ ہشام، مدارج النبوت)

حضرت زینبؓ بنت جحش آپؐ کے نکاح میں

یہ ایام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بڑے کٹھن تھے۔ کوئی ہفتہ اور مہینہ ایسا نہ گزرتا تھا جس میں مشرکین کی جنگی تیاریوں اور ان کے ناپاک عزائم کی خبریں نہ موصول ہوتی ہوں۔ کچھ افواہیں تو دشمنانِ حق آپؐ کو پریشان کرنے کے لئے پھیلاتے رہتے تھے اور کچھ خبریں حقیقت پر مبنی ہوا کرتی تھیں جن کی بناء پر مذکورہ سریے اور غزوے ہو چکے تھے۔ ان بیرونی خطرات کے علاوہ اندرونی مسائل بھی آئے دن سامنے آتے رہتے تھے۔ لہٰذا معاشرے کو تعمیری بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ فوری طور پر ان مسائل کا حل بھی تلاش کیا جائے تاکہ معاشرے میں مایوسی کے بجائے محبت و اخوت ہی پروان چڑھے۔ ان ہی دنوں آپؐ کے اہلِ خاندان میں ایک واقعہ ہوا۔

آپؐ کی ایک پھوپی زاد بہن تھیں حضرت زینبؓ بنت جحش۔ یہ آپؐ کے دادا عبدالمطلب کی بہن امیمہ کی صاحبزادی تھیں۔ ہجرتِ مدینہ کے وقت اپنے بھائی عبداللہؓ بن جحش اور دیگر افرادِ خاندان کے ہمراہ مکہ سے مدینہ چلی آئی تھیں۔ جب شادی کی عمر کو پہنچیں تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے تیسرے سال حضرت زیدؓ بن حارثہ کے ساتھ ان کا نکاح کرا دیا تھا۔

حضرت زیدؓ بن حارثہ آپؐ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ گو غلامی کے بعد آپؐ نے

اور اگر تمہیں ان کے باپ معلوم نہ ہوں تو دین میں تمہارے بھائی ہیں اور شریعت میں تمہارے چچا زاد، اور تمہارے اوپر اس میں کچھ گناہ نہیں جو تم سے بھول چوک ہو جائے۔

انہیں اپنا متبنیٰ یعنی لے پالک بیٹا بنا لیا تھا اور وہ بھی اپنے نام کے ساتھ فخریہ زید بن محمدؐ لکھا کرتے تھے۔ لیکن غلامی کا داغ بہر صورت ان کے ساتھ تھا۔ یہ بات حضرت زینبؓ سے نکاح کے وقت بھی آڑے آئی تھی لیکن محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی کشادہ قلبی نے ختم کرا دی تھی۔ اور دنیا کو عملی طور پر بتا دیا تھا کہ اسلام نسب کو نہیں تقویٰ و پرہیزگاری کو اہمیت دیتا ہے۔ اسلام میں نہ گورے اور کالے کی تمیز روا ہے اور نہ آزاد اور غلام کی۔

حضرت زینبؓ اور حضرت زیدؓ بن حارثہ کی شادی کم و بیش ایک سال تک قائم رہی۔ دونوں کے درمیان شکل و شباہت میں فرق کے علاوہ مزاج میں بھی کافی اختلاف تھا۔ حضرت زینبؓ مزاج کی تیز تھیں لہٰذا اپنے شوہر کے ساتھ زباں درازی سے بھی نہ چوکتیں۔ جب اختلافات زیادہ شدید ہو گئے تو حضرت زیدؓ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی شکایت کی اور طلاق دینے کا ارادہ ظاہر کیا۔ آپؐ نے ان کی اس بات کو پسند نہ فرمایا۔ انہیں اللہ تعالیٰ کا خوف دلاتے ہوئے صبر کی تلقین کی اور اس طرح کئی بار انہیں طلاق دینے سے باز رکھا۔ لیکن حالات اس درجہ ابتر ہو چلے تھے کہ آخر کار حضرت زیدؓ نے انہیں طلاق دیدی۔

طلاق کے اس واقعہ نے آپؐ کی طبعِ مبارک پر ناخوشگوار اثرات مرتب کئے چونکہ حضرت زینبؓ کا تعلق آپؐ کے خاندان سے تھا۔ آپؐ ہی کے حکم کے مطابق وہ اور ان کے بھائی اپنی مرضی کے خلاف ایک ایسے غیر خاندان کے فرد سے شادی کے لئے تیار ہو گئے تھے جس کے دامن پر غلامی کا داغ بھی تھا۔

حضرت زینبؓ عدت کی مدت پوری کر چکیں تو اب سوال پیدا ہوا ان کی دوسری

ہاں وہ گناہ ہے جو تم دل سے ارادہ کر کے کرو اور اللہ بڑا مغفرت والا بڑا رحمت والا ہے۔ (۵/۳۳)

شادی کا۔ چونکہ اُس معاشرہ میں شادی کے قابل عورت کا بغیر نکاح کے رہنا ناپسند کیا جاتا تھا۔ ادھر حضرت زینب رضؓ کے دل میں پہلی شادی کی تلخی کا ہونا بھی فطری امر تھا۔ لہٰذا آپؐ نے ان کے ذہن سے احساس تاسف دور کرنے اور ان کی دلجوئی کی خاطر انہیں اپنے نکاح میں لینے کا فیصلہ کیا۔ لیکن اب ایک اور دقت پیشِ نظر تھی۔ عرب میں عہدِ جہالت سے طریقہ چلا آرہا تھا کہ متبنّٰی اصل بیٹے کی طرح سمجھا جاتا تھا۔ لہٰذا اسی رسم کے مطابق متبنّٰی کی مطلقہ سے نکاح جائز نہ تھا۔ اس رسم کی اور برائیاں بھی تھیں کہ متبنّٰی اصل اولاد کی طرح جائیداد کا وارث بھی قرار دیا جاتا تھا۔ جس سے عرب معاشرے میں بڑے سنگین واقعات رونما ہو چکے تھے۔

یہی شب و روز تھے کہ درج بالا آیات نمبر ۴ تا ۸ کا نزول ہوا جن کے ذریعہ عہدِ جہالت کی مذکورہ رسوم کا خاتمہ کرتے ہوئے واضح طور پر کہہ دیا گیا کہ جس طرح کسی مرد کے سینے میں دو دل نہیں ہو سکتے اسی طرح کسی مرد کے متبنّٰی اور اصل بیٹے ایک حیثیت کے حامل نہیں ہو سکتے۔ اور اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی ماں کے برابر کہہ دے تو وہ اس کی ماں نہیں بن جاتی۔ ماں تو وہی ہوا کرتی ہے جو اس کو جنتی ہے۔

ان آیات کے نزول سے قبل حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں حضرت زینب رضؓ کو نکاح کا پیغام دیتے ہوئے پس و پیش تھا لیکن جب حق سبحانہٗ تعالیٰ کی طرف سے بات صاف کر دی گئی تو آپؐ نے حضرت زیدؓ بن حارثہ ہی کے ذریعہ پیغامِ نکاح بھیجا۔ آپؐ یہ کام کسی اور فرد کے ذریعہ سے بھی کر سکتے تھے لیکن حضرت زیدؓ کے ذریعہ پیغامِ نکاح دینے میں مصلحت یہ تھی کہ یہ بات بھی ظاہر ہو جائے کہ انہوں نے طلاق اپنی مرضی سے دی ہے اور ان کے دل میں اب زینب رضؓ کے لئے کوئی گنجائش باقی

— یہ نبی مومنین پر خود ان کے نفس سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں ، اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں ، اور رشتہ والے اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہیں بہ نسبت دوسرے مومنین اور مہاجرین کے ، مگر ہاں تم اپنے دوستوں کے ساتھ کچھ سلوک کرنا چاہو (تو اس کی اجازت ہے) ۔ یہ بات نوشتۂ الٰہی میں لکھی جاچکی ہے ۔
(۶|۳۳)

نہیں ۔ حضرت زیدؓ جب ان کے گھر پہنچے تو وہ آٹا گوندھ رہی تھیں ۔ انہیں دیکھتے ہی منہ پھیر لیا ۔ حضرت زیدؓ بھی پشت کئے ہوئے ان کے قریب پہنچے اور کہا ۔ "زینبؓ! میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پیغامِ نکاح تمہارے لئے لایا ہوں ۔" وہ کچھ دیر خاموش رہیں پھر جواب دیا "میں اللہ کی مرضی معلوم کئے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرتی ۔" حضرت زید واپس آگئے ۔ اور وہ وضو کر کے مصلّے پر بیٹھ گئیں ۔

اُدھر حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا نزول ہوا ۔ "پھر جب زیدؓ کا دل اس (عورت) سے بھر گیا تو ہم نے اس کا نکاح آپؐ کے ساتھ کر دیا تاکہ اہلِ ایمان پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں کچھ تنگی نہ رہے جب وہ اُن سے اپنا جی بھر چکیں اور اللہ کا حکم پورا ہو کر رہنے والا تھا ۔" (۳۳|۳۷)

جب حکمِ ربّی کا نزول ہو چکا تو آپؐ نے ارشاد فرمایا ۔ "کون ہے جو زینبؓ کے پاس جائے اور انہیں یہ بشارت دے کہ اللہ نے انہیں میرے نکاح میں دیدیا ۔" آپؐ کی خادمہ سلمٰی دوڑتی ہوئی حضرت زینبؓ کے پاس گئیں اور انہیں بشارت سُنائی ۔ حضرت زینبؓ نے اظہارِ خوشی میں جو زیورات پہنے ہوئے تھیں آپؐ کی خادمہ کو عطا کر دیئے ۔ بارگاہِ الوہیت میں سجدۂ شکر بجالائیں اور نذر مانی کہ دو ماہ کے روزے رکھیں گی ۔

اُسی روز حضرت زینبؓ آپؐ کی زوجیت میں داخل ہوئیں اور دوسرے دن آپؐ نے دعوتِ ولیمہ کا اہتمام فرمایا ۔ جس میں تقریباً تین سو مہمانوں نے شرکت کی ۔

ـــــ اور وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے جب ہم نے تمام پیغمبروں سے عہد لیا اور آپ سے بھی، اور نوح، اور ابراہیم، اور موسیٰ، اور عیسیٰ ابنِ مریم سے بھی، اور ہم نے ان سے پختہ عہد لیا۔
ـــــ تاکہ سچے لوگوں سے ان کی سچائی کے بارے میں سوال کرے، اور کافروں کے لیئے تو اس نے دردناک عذاب مہیا کر ہی رکھا ہے۔
(۳۳/۸-۷)

حضرت زینب رضؓ اُمّ المساکین

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زینب رضؓ سے قبل ان کے بھائی عبداللہؓ بن حجش کی بیوہ زینب رضؓ بنت خزیمہ کو بھی اپنے نکاح میں لیا تھا چونکہ غزوہ احد میں عبداللہ بن حجش کی شہادت کے بعد وہ بے سہارا رہ گئی تھیں۔ یہ آپؐ کے نکاح میں آنے کے بعد تقریباً دو تین ماہ ہی زندہ رہیں۔ بڑی سخی اور بڑی فیاض تھیں۔ فقراء اور مساکین کو اکثر کھانا کھلاتی تھیں لہٰذا اسی نسبت سے اُمّ المساکین مشہور تھیں۔

غزوۂ احزاب سے قبل کے واقعات

۴ھ کی طرح ۵ھ میں بھی وہی طوفانِ مخالفت جاری تھا۔ بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہی ہوتا رہا تھا۔ بنو نضیر کے یہودی مدینہ سے نکل کر اب اور زیادہ آپؐ کے خلاف سازشیں کرتے پھر رہے تھے۔ ان کے سردار سلام بن ابی حُقیق، حُیّی بن اخطب اور کنانہ بن الربیع مشرکینِ قریش کے پاس مکہ گئے اور انہیں پھر مسلمانوں کے خلاف آمادۂ جنگ کیا۔ ان ہی دشمنانِ حق کی سازشوں سے دیگر مشرک قبائل بھی مذہبِ اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا چاہتے تھے۔
ان ہی دنوں خبر ملی کہ انمار اور ثعلبہ قبائل بھی مدینہ پر حملہ کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ لہٰذا جونہی ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خبر کی تصدیق ہوئی تو آپؐ ۱۰ محرم ۵ھ کو چار سو مجاہدین کے ہمراہ روانہ ہو گئے اور مقام ذات الرقاع پہنچے۔ ان قبائل کو جوا چانک آپؐ کی آمد کی خبر ملی تو گھبرا کر بھاگ گئے۔ آپؐ بھی واپس تشریف

—— اے ایمان والو! اللہ کا انعام اپنے اوپر یاد کرو جب تم پر (کئی) لشکر چڑھ آئے، پھر ہم نے ان پر ایک آندھی بھیجی اور ایسی فوج جو تم کو نہیں دکھائی دیتی تھی) اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا تھا۔ (۹/۳۳)

لے آئے چونکہ آپؐ کا مقصد تو صرف فتنے کا خاتمہ تھا نہ کہ قتل و قتال۔

اسی طرح ماہ ربیع الاوّل ۵ھ میں خبر موصول ہوئی کہ دومتہ الجندل میں کفار کا اجتماع ہو رہا ہے اور ان کا ارادہ بھی مدینہ پر حملہ آور ہونے کا ہے۔ آپؐ کا تو طریقہ ہی یہ تھا کہ بتوکل اللہ فوری طور پر دشمن کے لئے آمادہ پیکار ہو جاتے لہٰذا اس مرتبہ بھی آپؐ ایک ہزار کی جمعیت لے کر تیزی سے دشمن کی طرف بڑھے۔ انہیں جو اس طرح آپؐ کی اچانک آمد کی اطلاع ملی تو وہ بھی مقابلے پر نہ آئے اور فرار ہو گئے۔

ماہ رجب ۵ھ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخبروں نے اطلاع دی کہ خزاعہ کا ایک خاندان بنوالمصطلق جو مدینہ منورہ سے نو منزل کے فاصلے پر مریسیع کے مقام پر آباد تھا مشرکین قریش کی شہ پر مدینہ پر حملہ آور ہوا چاہتا ہے۔ لہٰذا ۲ شعبان ۵ھ کو مسلمانوں کی ایک جمعیت ان کی سرکوبی کے لئے روانہ ہوئی مریسیع کے مقام پر مقابلہ ہوا لیکن مشرک مسلمانوں کے حملے تاب نہ لا سکے۔ دس مارے گئے کچھ فرار ہوئے اور باقی گرفتار۔ غنیمت میں دو ہزار اونٹ، پانچ ہزار بکریاں ہاتھ آئیں۔

حضرت جویریہ رضؓ

قیدیوں میں ان کے سردار حارث بن ابی ضرار کی صاحبزادی حضرت جویریہ رضؓ بھی تھیں۔ جب وہ گرفتار ہو گئیں تو حارث جو جنگ کے دوران فرار ہو گیا تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا۔ "میری بیٹی کنیز نہیں بن سکتی اس کی شان اس سے بالاتر ہے آپؐ

— جبکہ وہ لوگ تم پر آپڑے تھے تمہارے اوپر کی طرف سے اور تمہارے نیچے کی طرف سے بھی، اور جبکہ آنکھیں کھلی (کی کھلی) رہ گئی تھیں اور کلیجے منہ کو آنے لگے تھے، اور تم اللہ پر طرح طرح کے گمان کرنے لگے (امید اور ناامیدی کے)۔ (۳۳/۱۰)

اسے آزاد کردیں۔" آپؐ نے فرمایا۔ "کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ یہ معاملہ خود جویریہ پر چھوڑ دیا جائے؟" حارث نے جاکر بیٹی سے کہا۔ "محمدؐ نے تیری آزادی کا معاملہ تیری مرضی پر چھوڑ دیا ہے۔ مجھے رسوا نہ کرنا۔" انہوں نے جواب دیا۔ "میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں رہنا پسند کروں گی۔" چنانچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی مرضی کے مطابق انہیں اپنے نکاح میں لے لیا۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق حارث نے زرِ فدیہ ادا کرکے اپنی بیٹی جویریہؓ کو آزاد کرایا اور بعد میں وہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آگئیں۔

غزوۂ احزاب (خندق)

ماہِ شوال ۵ھ کے اوائل میں حضور نبی محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخبروں نے اطلاع دی کہ بنی نضیر اور بنی قینقاع کے یہودی جو مدینہ سے جلاوطن ہونے کے بعد خیبر اور وادی القریٰ میں آباد ہو گئے تھے مدینہ کے شمال کی جانب سے، قبائلِ غطفان مشرق کی طرف سے اور مشرکینِ قریش اپنے حلیف قبائل کے ہمراہ جنوبی سمت سے مدینہ پر حملہ کے لئے روانہ ہو چکے ہیں۔ یہ خبر رحمتِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بڑی پریشان کن تھی۔ آپؐ کا طریقہ تھا کہ فتنے کو سر اٹھانے سے قبل ہی کچل دیا کرتے تھے جیسا کہ مذکورہ واقعات سے ثابت ہے۔ اور آپؐ کی یہ حکمت عملی بے انتہا کامیاب ثابت ہوئی تھی۔ لیکن اب حالات کا رُخ مختلف تھا۔ عرب کے تقریباً تمام قبائل مشترکہ طور پر مدینہ پر حملہ آور ہوا چاہتے تھے۔ لہٰذا آپؐ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا۔ ہر ایک جذبۂ جہاد سے سرشار تھا۔ ہر ایک نے اپنی اپنی رائے دی۔ حضرت سلمان

ـــــ اس موقع پر مسلمانوں کا پورا امتحان لیا گیا اور وہ خوب سختی سے جھنجوڑ دیے گئے۔ (۳۳/۱۱)

فارسی علاقہ ایران کے رہنے والے تھے۔ ان کے یہاں دفاعی جنگ کا طریقہ تھا کہ ایک وسیع و عریض خندق تیار کی جاتی اور اس کی حدود میں رہتے ہوئے دشمن کا مقابلہ کیا جاتا۔ لہٰذا مذکورہ حالات کے تحت انہوں نے یہی مشورہ دیا۔ عرب اس طریقۂ جنگ سے واقف نہ تھے۔

مجاہدِ اعظم نبی محتشم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑے پر سوار ہو کر حضرت سلمان فارسی کے ساتھ پورے مدینہ کا معائنہ فرمایا۔ مدینہ میں تین جانب مکانات اور نخلستان کا سلسلہ چلا گیا تھا جس کی حیثیت شہر پناہ کی سی تھی۔ صرف شامی رُخ کی جانب مدینہ کھلا ہوا تھا۔ لہٰذا آپؐ نے حضرت سلمان فارسی کے بتائے ہوئے طریقہ سے اتفاق فرمایا۔ اور فوری طور پر تین ہزار صحابۂ کرام کی جمعیت لے کر شہر سے باہر اس مقام پر آ گئے جہاں سے مدینہ کا علاقہ کھلا ہوا تھا۔ آپؐ نے خندق کی حدود کا تعیّن فرمایا اور دس دس گز زمین کا حصّہ دس دس آدمیوں پر مشتمل ٹولیوں میں تقسیم فرما دیا۔ گو اس وقت آپؐ کی عمرِ مبارک ۵۸ سال ہو چکی تھی لیکن آپؐ صحابۂ کرام کے ساتھ کھدائی میں بھی شریک تھے اور مٹی ڈھونے میں بھی۔ صحابۂ کرام ہم آواز ہو کر کہتے۔

نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُنَا مُحَمَّدًا ‌ ‌ ‌ ‌ عَلَی الْجِھَادِ مَا بَقِیْنَا اَبَدًا

ہم نے محمدؐ کی جہاد پر بیعت کی ہے ‌ ‌ ‌ ‌ جب تک ہم زندہ ہیں ہمیشہ قائم رہیں گے

اور پھر اسی طرح ہم آواز ہو کر مجاہدینِ اطہر کہتے۔

اَللّٰھُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اھْتَدَیْنَا ‌ ‌ ‌ ‌ وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا

(اے اللہ اگر تو نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے نہ ہم تصدیق لاتے اور نہ نماز پڑھتے)

فَاَنْزِلَنْ سَکِیْنَۃً عَلَیْنَا ‌ ‌ ‌ ‌ وَثَبِّتِ الْاَقْدَامَ اِنْ لَّاقَیْنَا

تو ہم پر سکینہ نازل فرما اور دشمنوں سے جنگ کرتے وقت قدموں کو برقرار رکھ

— اور جب کہ منافقوں اور ان لوگوں نے جن کے دلوں میں روگ ہے کہنا شروع کیا تھا کہ ہم سے اللہ اور اس کے رسول نے تو محض دھوکے ہی کا وعدہ کر رکھا ہے۔ (۳۳/۱۲)

یہی جوش اور ولولہ تھا کہ مردانِ حق دن و رات خندق کی کھدائی میں مصروف تھے، نہ کھانے کی فکر اور نہ پینے کی خواہش۔ دورانِ کھدائی ایک مقام پر ایک سخت چٹان سامنے آگئی۔ ہر ایک کی ضرب رائیگاں جا رہی تھی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو بہ نفسِ نفیس اس مقام پر پہنچ گئے۔ تین یوم سے کچھ کھایا نہ تھا پیٹ پر پتھر بندھا تھا۔ اللہ کا نام لے کر آپؐ نے جو کدال کی ضربیں لگائیں تو چٹان اس طرح بکھر گئی جیسے تودۂ خاک تھی۔ بیس یوم کے عرصہ میں ایک طویل خندق جس کی چوڑائی پانچ گز تھی تین ہزار مجاہدین کی کاوش سے تیار ہو گئی۔

سرفروشانِ حق خندق کی کھدائی سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ کفار کا لشکر نمودار ہوا۔ ان کے ہمراہ ان کے حلیف قبائل بھی تھے۔ ان کی جملہ تعداد دس ہزار تھی۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ سلع کو پشت کی جانب رکھتے ہوئے اپنی فوج کی صف آرائی کی۔ خواتین کو پہلے ہی محفوظ قلعوں میں پہنچا دیا گیا تھا۔ چونکہ بنی قریظہ کے یہودیوں کی جانب سے بھی حملے کا اندیشہ تھا لہٰذا دو سو مجاہدین کا ایک دستہ حضرت سلمہؓ بن اسلم کی قیادت میں اس طرف متعین کر دیا گیا۔

کفارِ مکہ کی فوج کے سپہ سالار ابو سفیان اور یہودیوں کے سردار حیی بن اخطب نے جو ایک وسیع و عریض اور طویل خندق کو اپنے اور مسلمانوں کے درمیان دیکھا تو ان دشمنانِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنی آرزوئیں دم توڑتی نظر آئیں۔ لیکن وہ تو مسلمانوں کو تہ تیغ کرنے آئے تھے تاکہ دینِ حق ہی نیست و نابود ہو کر رہ جائے۔ لہٰذا ان کے درمیان مشورہ ہوا۔ طے پایا کہ بنو قریظہ کے یہودی جو کہ مسلمانوں کے حلیف ہیں انہیں بھی آمادۂ جنگ کر کے ان کی طرف سے حملہ کرا دیا جائے اور اس

___ اور (یہ اس وقت ہوا) جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا۔ "اے یثرب کے لوگو! تمہارے یہاں ٹھہرنے کی جگہ نہیں سو اپنے گھروں کو واپس چلو" اور بعض لوگ ان میں سے نبی سے اجازت مانگتے تھے، کہتے تھے کہ ہمارے گھر غیر محفوظ ہیں۔ حالانکہ وہ ذرا بھی غیر محفوظ نہیں تھے وہ تو محض بھاگنا ہی چاہتے تھے۔ (۱۳/۳۳)

طرح مسلمانوں کو چاروں طرف سے محصور کر لیا جائے۔ حیّی ابن اخطب خاموشی کے ساتھ بنی قریظہ کی بستیوں میں ان کے سردار کعب بن اسد کے مکان پر پہنچا۔ کعب نے اس سے ملاقات کرنے ہی سے انکار کر دیا اور کہلوا دیا۔ "ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے معاہدہ کر رکھا ہے اور اس کے پابند ہیں۔" حیّی ابن اخطب بڑا چالباز سیاست داں تھا۔ اس نے اس بات کا تو جواب نہ دیا۔ کعب کو طنزیہ پیغام پہنچایا کہ وہ شاید اس ڈر سے دروازہ نہیں کھولتا کہ اس کو کہیں میری ضیافت نہ کرنی پڑ جائے۔ یہ بات سُنی تو ایک دم اس نے دروازہ کھلوا دیا اور اس طرح حیّی ابن اخطب اس کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے کعب سے کہا۔ "میں پورے عرب کی فوجوں کا ایک دریائے بیکراں لے آیا ہوں۔ قریش اور تمام قبائلِ عرب محمدؐ اور اس کے مذہب والوں کے خون کے پیاسے ہیں۔ اب اسلام کا خاتمہ یقینی ہے۔ ہم کو یہ موقع ضائع نہیں کرنا چاہیے۔" بنی قریظہ کے یہودیوں کا سردار اب بھی راضی نہ ہوا کہنے لگا۔ "میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمیشہ وعدہ کا سچّا پایا ہے میں اس سے وعدہ شکنی نہیں کر سکتا۔"
لیکن حیّی ابن اخطب تو بڑا متعصب یہودی اور ماہر سیاست داں تھا، اس نے کچھ اس طرح یہودیت کا واسطہ دیا اور اس طرح حالات کو پیش کیا کہ کعب کی نظر میں مسلمانوں کی موت یقینی ہو گئی۔ اور آخر کار وہ بدبخت بھی مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔
حضورِ اکرم نبیِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو پہلے ہی بنی قریظہ کی طرف سے اندیشہ

— اور اگر مدینہ کے اطراف سے دشمن گھس آئے ہوتے اور اس وقت ان سے فساد کی درخواست کی جاتی تو یہ اسے منظور کر لیتے اور مشکل ہی سے انہیں شریکِ فساد ہونے میں کوئی تامّل ہوتا۔
(۱۴/۳۳)

تھا اب یہ اطلاع بھی مخبروں کے ذریعہ مل گئی۔ تاہم آپؐ نے اتمامِ حجت کے لئے حضرت سعدؓ بن معاذ اور حضرت سعدؓ بن عبادہ کو بنی قریظہ کے پاس حالات معلوم کرنے کے لئے روانہ کیا۔ اور ان حضرات کو ہدایت فرمائی کہ اگر بنی قریظہ نے واقعی معاہدہ توڑ دیا ہے تو واپس آکر مبہم الفاظ میں مطلع کریں تاکہ عام مسلمانوں میں اس خبر سے بددلی نہ پھیلے یہ دونوں حضرات بنی قریظہ کی آبادیوں میں پہنچے اور انہیں اپنے ساتھ کیا ہوا معاہدہ یاد دلایا۔ کعب بن اسد اور بنی قریظہ کے دیگر رئیس کہنے لگے۔ "ہم نہیں جانتے کہ محمدؐ کون ہیں اور معاہدہ کیا چیز ہے۔"

المختصر اس طرح نہ صرف بنی قریظہ کی معاہدہ شکنی اور غداری کھل کر سامنے آگئی بلکہ دشمنانِ حق کی تعداد میں بھی اضافہ ہو گیا۔ حیّی ابن اخطب اور ابوسفیان اپنی سیاسی کامیابی پر خوش تھے۔ اب دس ہزار سے زیادہ جنگجو اور مسلمانوں کے خون کے پیاسے مدینہ کے تین طرف صف آرا تھے۔ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس خطرناک صورتِ حال کی اطلاع ملی تو آپؐ کی زبانِ اقدس پر ذکرِ حق تھا۔ حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيل۔ آپؐ نے تین سو مجاہدین کا ایک دستہ زید بن حارثہ کی کمان میں دے کر شہر کی حفاظت کے لئے روانہ فرمایا اور باقی صحابۂ کرام کے ساتھ مدافعت کی جنگ کے لئے صف آرا ہو گئے۔

اب صورتِ حال یہ تھی کہ دونوں فوجیں آمنے سامنے خیمہ زن تھیں مشرکین اور یہودیوں کی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح بھی مسلمانوں کا خاتمہ کر دیں لیکن خندق کی وجہ سے کچھ کر نہ پاتے تھے۔ ہر دو طرف سے تیر پھینکے جاتے اور پتھروں کی بارش ہوتی تھی۔ اسی طرح دن پہ دن گزر رہے تھے۔ مسلمان چونکہ پہلے سے میدان میں

— حالانکہ یہی لوگ اس سے پیشتر اللہ سے عہد کر چکے تھے کہ پیٹھ نہ پھیریں گے، اور اللہ سے جو عہد کیا جاتا ہے اس کی باز پرس ہو گی۔
(۱۵|۳۳)

آ گئے تھے لہٰذا ان کے پاس رسد کی کمی ہو رہی تھی۔ مجاہدینِ عظام فاقوں پر فاقے تو کر رہے تھے لیکن ان کی ہمتیں بلند تھیں۔

صحابۂ کرام کے ساتھ منافقین بھی شامل تھے جو بظاہر تو ہر لحاظ سے مسلمان تھے لیکن عبداللہ بن ابی کی طرح ان کے قلوب دشمنانِ اسلام کے ساتھ ملے ہوئے تھے۔ اب رسد کی کمی ہوئی اور نوبت فاقوں پر آنے لگی تو ان لوگوں نے رُخ بدلنا شروع کیا۔ دوئم سردیوں کا موسم بھی تھا اور دشمن کے مقابل راتیں جاگ جاگ کر گزاری جا رہی تھیں لہٰذا ان حضرات نے کہنا شروع کیا کہ انہیں واپس جانے کی اجازت دیدی جائے چونکہ ان کے گھر محفوظ نہیں ہیں۔ ان باتوں نے منافقین کو تو ضرور بے نقاب کر دیا لیکن سرفروشانِ حق کے عزائم اسی طرح مستحکم رہے۔

خواتینِ اسلام کو جس قلعہ میں رکھا گیا تھا وہ بنی قریظہ سے متصل تھا۔ یہ ظالم عہد شکنی تو کر ہی چکے تھے۔ اب انہوں نے باقاعدہ حملہ کا منصوبہ بنایا۔ چونکہ مسلمانوں کی فوج خندق کے کنارے مشرکین اور دیگر یہودیوں کے مقابل صف آرا تھی لہٰذا انہوں نے خواتین کے قلعہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ لیکن انہیں یہ بھی اندیشہ تھا کہ خواتین کی حفاظت کے لئے قلعہ کے اندر مسلمان فوج بھی موجود ہو سکتی ہے۔ لہٰذا ان لوگوں نے ایک یہودی کو مخبری کے لئے قلعہ کی طرف روانہ کیا اور باقی فوج قلعہ کے نشیبی علاقہ میں رہی۔ وہ یہودی قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گیا۔ اسی دوران حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بہن حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے اس یہودی کو دیکھ لیا۔ انہوں نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے جو اسی قلعہ میں مقیم تھے کہا کہ باہر جا کر اس یہودی کو قتل کر دو یہ دشمنوں کا مخبر معلوم ہوتا ہے۔ حضرت حسان بارگاہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعرِ حق بیان تھے۔ ان دنوں کسی نفسیاتی عارضہ میں مبتلا ہو گئے تھے اسی

__ (اے نبیؐ!) آپ کہہ دیجئے ۔ "تمہیں بھاگنا کچھ بھی نفع نہیں دے سکتا اگر تم موت یا قتل (کے ڈر) سے بھاگتے ہو اور اس طرح سے دنیا کا مزہ بھی حاصل نہیں کر سکتے سوائے چند یوم کے ۔ (۲۱۶/۳۳)

ے میدان جنگ میں جانے کے بجائے قلعہ میں مستورات کے ساتھ مقیم تھے۔ کہنے لگے "میں اس کام کا ہوتا تو یہاں کیوں ہوتا"۔ حضرت صفیہؓ نے ایک خیمہ کی چوب اکھاڑی، خاموشی سے قلعہ سے باہر گئیں اور اس یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ حضرت صفیہؓ نے واپس آکر حضرت حسانؓ سے کہا۔ "تم جا کر اس یہودی کے ہتھیار اور کپڑے لے آؤ اور اس کا سر کاٹ کر نیچے پھینک دو تاکہ یہودی مرعوب ہو جائیں"۔ انہوں نے اس کام سے بھی معذرت کر لی۔ لہٰذا وہ خود ہی دوبارہ باہر گئیں اور یہودی کا سر تن سے جدا کر کے نیچے کی جانب پھینک دیا۔ جہاں بنی قریظہ کے یہودی جمع تھے۔ جس کی بنا پر انہیں یقین ہو گیا کہ قلعہ میں بھی مسلمانوں کی فوج متعین ہے لہٰذا قلعہ پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

ان ہی ایام کا ذکر ہے کہ ایک دن حضرت عائشہؓ قلعہ سے باہر نکل کر حالات کا جائزہ لے رہی تھیں کہ ان کی نظر حضرت سعدؓ بن معاذ پر پڑی جو زرہ پہنے، حربہ ہاتھ میں لئے مجاہدین حق کی طرف تیزی سے جا رہے تھے اور زبان پر یہ شعر تھا۔

لَبِّثْ قَلِیْلاً فَدرکُ الہیجا جَمَلْ   لَا بَاسَ بِالْمَوتِ اِذْا الْمَوتُ نَزَلْ

(ذرا ٹھہر جا تاکہ جنگ میں ایک اور شخص پہنچ جائے ۔ وقت جب آگیا تو موت سے کیا ڈر)

حضرت عائشہؓ کے ہمراہ حضرت سعدؓ کی والدہ بھی تھیں۔ انہوں نے بیٹے کو دیکھا تو پکار دیا "بیٹا سعدؓ! دوڑ کر جا تو نے دیر لگا دی"۔ حضرت سعدؓ کی زرہ چھوٹی تھی جس سے ان کے ہاتھ باہر تھے۔ حضرت عائشہؓ نے ان کی والدہ سے کہا۔ "کاش! سعدؓ کی زرہ لمبی ہوتی کہ ان کے ہاتھ بھی اس کے اندر آجاتے۔" اتفاق یہ کہ دشمنِ حق ابن العرقہ نے دور سے نشانہ لے کر ایک تیر سعدؓ بن معاذ کی طرف پھینکا۔ جو ان کے ہاتھ پر آکر لگا

— (اے حبیبؐ!) آپ کہیئے کہ وہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا سکے اگر اللہ تمہارے ساتھ برائی کرنا چاہے۔ یا (اسے روک سکے جب) وہ تمہارے ساتھ فضل کرنا چاہے۔ اور وہ لوگ اللہ کے سوا نہ کوئی اپنا حمایتی پائیں گے اور نہ مددگار۔ (۱۷|۳۳)

اور کحل کی رگ کٹ گئی۔ اس جنگ میں ایک مسلمان خاتون رفیدہ رضؓ بھی شریک تھیں جو اپنے ساتھ دوائیں لائی تھیں انہوں نے حضرت معاذؓ کو طبی امداد بہم پہنچائی۔

مشرکین قریش، بنو نضیر، قبیلہ غطفان، بنو اسد، بنو سلیم، بنو سعد، سارے مشرک اور یہودی قبائل تقریباً ایک ماہ تک اسی طرح محاصرہ کیئے رہے محاصرین نہ صرف خندق کے کنارے پڑے ہوئے مسلمانوں پر تیر اور پتھر برسایا کرتے تھے بلکہ در پردہ اس امر کے لیے بھی کوشاں رہتے تھے کہ کسی طرح مدینہ پر حملہ کر کے مسلمانوں کے بیوی بچوں کو زد پہنچائیں۔ بنو قریظہ کی غداری انہی کاوشوں کا مظہر تھی۔ یہ تو حق تعالیٰ کا کرم تھا کہ اس نے ان دشمنانِ حق پر ایسا رعب و دبدبہ قائم کر دیا تھا کہ وہ لوگ اپنے عزائم میں کامیابی حاصل نہ کر پائے تھے۔

محاصرہ کی سختی کا اب یہ عالم ہو چلا تھا کہ مجاہدین کئی کئی وقت کے فاقے کرنے لگے تھے چونکہ رسد ختم ہو گئی تھی کسی نہ کسی طرح کچھ رسد حاصل بھی کر لی جاتی تو وہ سب کے لیے پوری نہ ہوتی تھی۔ ایک دن بھوک کی شدت میں صحابۂ کرام نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے شکمِ مبارک دکھائے ہر ایک کے پیٹ پر پتھر بندھا تھا۔ آپؐ نے اپنا شکمِ مبارک کھولا تو اس پر دو پتھر بندھے ہوئے تھے۔ عربوں کا طریقہ تھا کہ بھوک کی شدت کے وقت اپنے پیٹوں پر پتھر باندھ لیا کرتے تھے تاکہ بھوک کی سختی اور نقاہت کے سبب کمر نہ جھکے۔ اور اس وقت تو بھوک کو دبانا بھی مقصود تھا اور دشمن سے اخفا بھی کہ وہ ان کی کمروں کے خم سے یہ نہ سمجھ لے کہ ان کے پاس

— اللہ تم میں سے ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو دوسروں کو جہاد سے روکتے ہیں اور اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں ہماری طرف چلے آؤ، اور یہ لوگ لڑائی میں تو بس نام ہی کو آتے ہیں۔ (۱۸/۳۳)

رسد ختم ہو چکی ہے۔ بنو نضیر قبیلہ غطفان کے جنگجو لوگوں کو یہ لالچ دے کر لائے تھے کہ وہ فتح و نصرت کے بعد خیبر کی نصف پیداوار انہیں دیا کریں گے۔ اور یہ بات احمدِ مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں آ چکی تھی۔ لہٰذا آپؐ نے محاصرہ کی سختی کو دیکھتے ہوئے چاہا کہ دشمن کی طاقت کو کسی طرح کمزور کر دیا جائے مبادا کہ انصار ہمت ہار بیٹھیں۔ لہٰذا آپؐ نے حضرت سعدؓ بن عبادہ اور حضرت سعدؓ بن معاذ کو جو انصار کے سردار تھے طلب فرمایا اور ان کے سامنے تجویز رکھی کہ قبیلہ غطفان سے اس شرط پر معاہدہ کیا جائے کہ مدینہ کی پیداوار کا ایک تہائی ان کو دیتے رہیں گے وہ میدانِ جنگ سے واپس ہو جائیں۔ دونوں سرداروں نے دست بستہ عرض کیا "اے اللہ کے رسولؐ! اگر یہ اللہ کا اور آپؐ کا حکم ہے تو بال برابر اختلاف نہیں اور اگر ہماری رائے معلوم کرنے کا تعلق ہے تو بات دوسری ہے" آپؐ نے ارشاد فرمایا "یہ اللہ کا حکم نہیں صرف مشورہ مقصود ہے۔" ان حضرات نے کہا "اے اللہ کے رسولؐ! جب ہم لوگ حالتِ کفر میں تھے تو کسی کو خراج طلب کرنے کی جرات نہ ہوئی اور اب تو اسلام نے ہمارا مرتبہ بہت بلند کر دیا ہے۔ ہم نہ مصائب سے گھبراتے ہیں اور نہ موت سے۔ ان دشمنوں سے جو ہو سکے کر لیں۔" حضرت سعدؓ بن معاذ گو دشمنوں کے تیر سے زخمی بھی ہو چکے تھے لیکن حوصلہ بہت بلند تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو انصار کے نمائندوں کی باتوں سے بڑی تقویت ملی۔

اُدھر مشرک اور دشمنانِ اسلام تو اپنی کثرت اور طاقت کے زعم میں فرزندانِ توحید کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کا عزم کئے ہوئے تھے۔ مشرکینِ قریش کے نامور

ـــ تمہارا ساتھ دینے میں یہ لوگ سخت بخیل ہیں۔ خطرے کا وقت آجائے تو اس طرح دیدے پھرا پھرا کر آپ کی طرف دیکھتے ہیں جیسے کسی مرنے والے پر غشی طاری ہو رہی ہو۔

جنرل ابوسفیان، عمرو بن العاص، خالد بن ولید، ضرار بن الخطاب اور جبیرہ باری باری ہر روز تازہ دم فوج کو لے کر اس عزم سے خندق کی طرف بڑھتے کہ جیسے چشمِ زدن میں مسلمانوں کی صفوں میں گھس جائیں گے۔ لیکن خندق ان کے آڑے آتی۔ پھر تیروں اور پتھروں کی بوچھار سے اپنے اپنے دلوں کی حسرتیں نکالتے لیکن وائے ناکامی۔ کوئی بات نہ بنتی۔

قبیلہ غطفان کے ایک رئیس تھے نعیم بن مسعود اشجعی۔ باطنی طور پر مسلمان ہو گئے تھے۔ یہ بات نہ تو قریشِ مکہ کو معلوم تھی نہ یہودیوں کو اور نہ ان کے ہم قبیلہ افراد کو۔ وہ اسی دوران ایک دن بنی قریظہ کے یہودیوں کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ قریش تو چند یوم بعد مکہ واپس چلے جائیں گے۔ تمہارا اور مسلمانوں کا ساتھ ہے لہٰذا تم ان کے خلاف جنگ کر کے دشمنی کیوں بڑھا رہے ہو۔ بنی قریظہ تو ابوسفیان اور حیّی ابن اخطب کی باتوں میں آکر معاہدہ ختم کر چکے تھے۔ نعیم کی بات ان کی سمجھ میں نہ آئی۔ نعیم بن مسعود جہاں دیدہ اور سیاسی طور و طریق کے آدمی تھے کہنے لگے۔

"اگر تم لوگ واقعی جنگ پر آمادہ ہو تو قریش سے کہو کہ وہ اپنے چند معزز آدمی بطور ضمانت تمہارے پاس بھیج دیں تاکہ قریش اگر بغیر فیصلۂ جنگ میدان سے واپس جانا چاہیں تو ان کے آدمیوں کو تم روک سکو۔" یہ بات بنو قریظہ کی سمجھ میں آگئی چونکہ اسی طرح کی ضمانت حیّی ابن اخطب نے انہیں دے رکھی تھی کہ اگر قریش بغیر فیصلۂ جنگ واپس چلے گئے تو وہ خیبر چھوڑ کر ان کے پاس چلا آئے گا۔ لہٰذا بنی قریظہ نے قریش کو اطلاع بھیجدی کہ وہ اپنے چند معزز آدمی ان کے پاس بطور ضمانت روانہ کریں۔ قریش ایسی ضمانت کو اور ان حالات میں جبکہ ان کے تمام حملے ناکام

پھر جب وہ خطرہ دور ہو جاتا ہے تو تمہیں طعنے دینے لگتے ہیں تیز زبانوں سے مال غنیمت کے لالچ میں یہ لوگ ایمان ہی نہیں لائے ، چنانچہ اللہ نے ان کے اعمال بیکار کر رکھے ہیں ، اور یہ بات اللہ کے لئے بالکل آسان ہے ۔ (۳۳/۱۹)

ہو رہے تھے کیونکر قبول کر سکتے تھے ۔ قریشِ مکہ کے اس رویئے سے بنو قریظہ کے یہودیوں کے دلوں میں بدگمانی پیدا ہو گئی ۔ اور دشمنانِ حق کے درمیان یہی پھوٹ مسلمانوں کے لئے خیر کا سبب ہوئی ۔

یہی سلسلۂ جنگ جاری تھا کہ قریش کے جنگ جو سرداروں نے ایک شب جنگ میں شامل تمام قبائل سرداروں کا اجلاس طلب کیا اور فیصلہ کیا گیا کہ کل قبائل کی افواج ایک جگہ جمع ہو کر حملہ کریں ۔ لہٰذا دوسرے دن تمام بڑے بڑے سردار آگے آگے تھے اور ان کی فوجیں للکارتی اور نعرے لگاتی ہوئیں آگے بڑھ رہی تھیں کہ جیسے سب ہی خندق کو پار کر جائیں گے ۔ مسلمان بھی صف در صف مقابلے کے لئے تیار نعرہائے تکبیر بلند کر رہے تھے ۔

مشرکینِ قریش کی فوج میں ایک نامور جنگجو تھا جس کا نام عمرو بن عبدِ ود تھا ۔ فنِ حرب میں اس درجہ ماہر اور مشاق کہ لوگ اسے ایک ہزار سواروں کے برابر سمجھتے تھے ۔ جنگِ بدر میں زخمی ہو کر واپس چلا گیا اور اس وقت سے اس نے مسلمانوں سے اپنا انتقام لینے کی قسم کھا رکھی تھی ۔ گو اس کی عمر نوے برس ہو چکی تھی ۔ لیکن اس کی طاقت ، تجربہ اور مہارت بڑے بڑے جیالے شہسواروں سے کہیں زیادہ تھی ۔ اس نے خندق کے کنارے پہنچ کر جو اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی تو چشم زدن میں گھوڑا خندق کے اس پار تھا ۔ اس مقام سے خندق اتفاقاً کم چوڑی تھی ۔ ضرار ، جبیرہ اور نوفل مشرک جنگجو بھی اپنے اپنے گھوڑے کدا کر دوسری طرف پہنچ گئے ۔ عرب دستور کے مطابق عمرو بن عبدِ ود نے مبارزت طلب کرتے ہوئے کہا ، "کون ہے جو میرے مقابلہ پر آتا ہے ؟"

۔۔۔۔ یہ لوگ سمجھ رہے ہیں کہ حملہ آوروں کے لشکر ابھی نہیں گئے۔
اور اگر وہ لشکر پھر آپڑیں تو ان کی خواہش ہوگی کہ کاش ہم باہر جاکر
دیہاتوں میں رہیں اور وہیں سے تمہارے حالات پوچھتے رہیں۔
اور یہ اگر تمہارے درمیان رہے بھی تو لڑائی میں کم ہی حصہ لیں گے۔
(۳۳/۲۰)

حضرت علیؓ نے فوری جواب دیا "میں آتا ہوں" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
نے حضرت علیؓ کو روکتے ہوئے کہا "یہ عمرو بن عبدِ وُدّ ہے۔" حضرت علیؓ بیٹھ
گئے۔ لیکن مسلمانوں کی صفوں سے کوئی دوسری آواز جواب میں نہ آئی۔ عمرو نے
دوسری بار پھر للکارا۔ مسلمانوں کی طرف سے پھر حضرت علیؓ کی آواز بلند ہوئی۔
لیکن آپؐ نے پھر حضرت علیؓ کو روکتے ہوئے کہا۔ "یہ عمرو ہے" دراصل حضور
اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس پرانے جنگجو کے مقابل حضرت علیؓ جیسے نوعمر کو بھیجنا
نہیں چاہتے تھے۔ لیکن جواب میں کوئی دوسری آواز بھی نہیں آرہی تھی۔ عمرو
نے تیسری بار پھر مقابلہ کے لئے للکارا۔ اس مرتبہ بھی حضرت علیؓ نے جواب دیا۔
آپؐ نے پھر فرمایا۔ "یہ عمرو ہے۔" حضرت علیؓ نے عرض کیا۔ "ہاں میں جانتا ہوں
کہ یہ عمرو ہے۔" حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو تلوار دیتے ہوئے
اجازت عطا فرمائی اور خود اپنے دستِ مبارک سے ان کے سر پر عمامہ باندھا۔
عمرو بن عبدِ وُدّ کا قول تھا کہ اگر کوئی شخص اس سے تین باتوں کی درخواست کرے
تو وہ ایک ضرور قبول کرتا ہے۔ حضرت علیؓ نے اس سے اس کے قول کی تصدیق
کی اور کہا۔ "عمرو! میں درخواست کرتا ہوں کہ تو اسلام قبول کرلے" اس
نے جواب دیا۔ "یہ نہیں ہوسکتا۔" حضرت علیؓ نے دوسری بار کہا۔ "میں درخواست
کرتا ہوں کہ تو لڑائی سے واپس چلا جا۔" اس نے جواب دیا۔ "میں خواتینِ قریش
کے طعنے نہیں سن سکتا۔" حضرت علیؓ نے تیسری بات کہی۔ "مجھ سے معرکہ آرا
ہو۔" عمرو نے ہنستے ہوئے کہا۔ "مجھے یہ امید نہ تھی کہ یہ درخواست بھی میرے

ــــ بے شک اللہ کے رسول کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے تمہارے لیے، یعنی اس کے لیے جو ڈرتا ہو اللہ اور روزِ آخرت سے اور ذکرِ الٰہی کثرت سے کرتا ہو۔ (۳۳|۲۱)

سامنے آئے گی۔" چونکہ حضرت علیؓ پیادہ تھے لہٰذا عمرو اپنی تلوار لیے گھوڑے سے نیچے اتر آیا اور جوشِ غضب میں تلوار اس زور سے اپنے گھوڑے کی ٹانگوں پر ماری کہ ایک ہی وار میں کونچیں کٹ گئیں پھر حضرت علیؓ کی طرف مخاطب ہوا۔ "تم کون ہو؟" انھوں نے جواب دیا۔ "علیؓ ابن ابوطالب" اس نے کہا "میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا۔" حضرت علیؓ نے دو بدو جواب دیا۔ "لیکن میں چاہتا ہوں۔" یہ سنتے ہی عمرو غصے سے بیتاب ہو گیا اور آگے بڑھ کر حضرت علیؓ پر وار کیا۔ آپ نے وار کو سپر پر روکا۔ لیکن وار اس قدر سخت تھا کہ سپر کے اندر تلوار گھس کر آپ کی پیشانی پر لگی جس سے زخم آ گیا۔ حضرت علیؓ نے انتہائی تیزی کے ساتھ جوابی وار کیا۔ تلوار عمرو کا شانہ کاٹتی ہوئی نیچے کو اتر گئی۔ حضرت علیؓ نے پُرجوش نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ اور فتح کا اعلان ہو گیا۔ لیکن ضرار اور جبیرہ مشرک نے فوری حضرت علیؓ پر حملہ کر دیا۔ ادھر سے حضرت عمر فاروقؓ تلوار کھینچ کر پہنچ گئے۔ لیکن دونوں مشرک تاب نہ لا کر بھاگے حضرت عمرؓ نے ضرار کا مقابلہ کیا اس نے مڑ کر برچھے کا وار کرنا چاہا لیکن روک لیا اور کہنے لگا۔ "عمرؓ! اس احسان کو یاد رکھنا۔" نوفل بھاگتے ہوئے خندق میں گر پڑا۔ مجاہدینِ اسلام نے اس کے اوپر تیر چلانے شروع کیے تو کہنے لگا "مسلمانو! میں شریفانہ موت چاہتا ہوں۔" یہ سنتے ہی حضرت علیؓ خندق میں کود گئے اور تلوار سے نوفل پر حملہ کر کے اس کا کام تمام کر ڈالا۔ تمام دن اسی طرح جنگ ہوتی رہی۔ دونوں طرف سے تیروں اور پتھروں کی زبردست بوچھاڑ ہوتی رہی۔ ہر سو پتھر اور تیر ہی تیر نظر آ رہے تھے۔ اس دن ہادیٔ برحق نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازیں بھی قضا ہو گئیں۔ یہ اس جنگ کا سخت ترین دن تھا۔

___ اور جب اہلِ ایمان نے لشکروں کو دیکھا تو کہنے لگا یہی تو وہ موقع ہے جس کی ہمیں اللہ اور اس کے رسول نے خبر دی تھی" اور اس سے ان کے ایمان وطاعت میں ترقی ہوئی۔ (۲۲/۳۳)

دن بھر کی شدید جنگ میں دشمنانِ اسلام کو ہزیمت اٹھانی پڑی۔ ان کے دو بڑے نامی جنگجو عمرو بن عبدِ وُدّ اور نوفل مارے گئے۔ مسلمانوں کا کوئی جانی نقصان نہ ہوا۔ لیکن محاصرہ اسی طرح قائم رہا۔ چونکہ دشمنانِ حق تو مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کا عزم کئے ہوئے تھے۔

ان ہی دنوں کا ذکر ہے کہ ایک شب ہادی برحق نبی محتشم صلی اللہ علیہ وسلم شب کی تاریکی میں حسبِ معمول مصروفِ عبادت تھے کہ سرد ہواؤں کے جھکڑ چلنے شروع ہو گئے۔ سردیوں کی رات اور برفیلی ہوا جسم کی رگ رگ میں سرایت کئے جا رہی تھی۔ احمدِ مختار نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے گردنِ مبارک کو ایک جانب موڑتے ہوئے کہا "کون آدمی ہے جو اس وقت دشمنوں کی خبر لے کر آئے"۔ صحابۂ کرام میں نہ جانے کتنے بھوک سے نڈھال تھے اور نہ جانے کہاں کہاں سرد ہواؤں کے جھونکوں سے پناہ لئے ہوئے تھے۔ آپؐ کی آواز ان کے کانوں تک پہنچی بھی یا نہیں۔ آپؐ نے پھر وہی جملہ دہرایا اور کہا کہ جو بھی اس کام کو انجام دے گا میں اس کے لئے اللہ سے دعا کروں گا کہ وہ جنت میں میرا رفیق ہے۔ حضرت حذیفہؓ آپؐ کے قریب تھے آپؐ کی زبانِ اقدس سے جو یہ الفاظ سنے تو مخبری کی مہم پر روانہ ہو گئے۔ جوں جوں رات گہری سیاہ ہوتی جا رہی تھی سرد ہواؤں کی رفتار بھی بڑھتی جا رہی تھی۔ خیمے اکھڑے جا رہے تھے۔ چولھوں پر رکھی ہوئی دیگیں زمین بوس ہوئی جا رہی تھیں۔ حضرت حذیفہؓ چھپتے چھپاتے کفّار کے درمیان پہنچ گئے۔ دیکھا کہ ایک مقام پر ابوسفیان اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہے اور کہہ رہا ہے "اے گروہِ قریش! تم قیام کی جگہ پر نہیں ہو۔ ہمارے بہت سے گھوڑے اور اونٹ ہلاک ہو چکے ہیں۔ بنو قریظہ نے وعدہ خلافی کی ہے اور ہمارے پاس

—— اہلِ ایمان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے اللہ سے جو عہد کیا تھا اس میں سچے اترے، سو ان میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنی زندگی پوری کر چکے اور کچھ ان میں کے راہ دیکھ رہے ہیں اور انہوں نے ذرا فرق نہیں آنے دیا۔ (۳۳|۲۳)

ایسا پیغام بھیجا ہے کہ جسے ہم ناپسند کرتے ہیں۔ اور اب تم دیکھ رہے ہو کہ ان ہواؤں کے جھونکوں میں نہ ہماری ہانڈیاں سلامت ہیں اور نہ آگ قائم رہتی ہے اور نہ ہمارے خیمے برقرار ہیں۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ ہم کو واپس کوچ کرنا چاہیئے۔"

یہ کہہ کر ابو سفیان نے حکم دیا کہ طبلِ رحیل بجایا جائے۔ لہٰذا قریشِ مکہ کے ساتھ ہی قبیلہ غطفان اور دیگر دشمنانِ اسلام نے بھی واپسی شروع کر دی۔ بنو قریظہ کو پتہ چلا تو وہ بھی اپنے قلعوں میں جانے کے لئے تیاری کرنے لگے حضرت حذیفہؓ جب واپس آئے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح مصروفِ عبادت تھے سردی کی شدت کے پیشِ نظر ازواجِ مطہرات میں سے کسی کی منقش یمنی چادر آپؐ نے اپنے جسمِ اطہر پر ڈال رکھی تھی حضرت حذیفہؓ نے دشمنوں کا پورا حال بیان کیا۔ آپؐ نے شفقت سے انہیں اپنے پاس بٹھالیا اور چادر کا ایک پلّو ان پر ڈال دیا۔

اور جب صبح نمودار ہوئی تو دشمنوں کے قافلے کوچ کر چکے تھے۔ فتح و نصرت کا عزم لے کر آنے والے دشمنانِ حق تند و تیز ہواؤں کے جھونکوں کے ساتھ معدوم ہو چکے تھے۔ محسنِ انسانیت نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مجاہدین کو واپسی کا حکم دیا۔ مدینہ آکر آپؐ نے مسجدِ نبوی کے صحن میں ایک خیمہ کھڑا کرایا اور اس میں حضرت سعدؓ بن معاذ کے زخم کی تیمارداری کا اہتمام کیا۔ یہ خیمہ حضرت رفیدہؓ کا تھا جو مجاہدین کے ہمراہ دوائیں اور پٹیاں لے کر گئیں تھیں۔ جیسا کہ پہلے مذکور ہوا ہے حضرت سعدؓ بن معاذ کے ہاتھ میں تیر لگ جانے سے زخم آیا تھا کحل کی رگ پھٹ گئی تھی۔

ـــــــ[۱] اور کسی مومن یا مومنہ کے لئے یہ درست نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کچھ حکم فرما دیں تو انہیں پھر اپنے معاملہ کا اختیار باقی رہ جائے، اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ صریح گمراہی میں جا پڑا۔ (۳۳/۳۶)

سے باتیں کرتیں تو مصنوعی انداز میں اٹھلا اٹھلا کر جس سے بدی کے حامل افراد کی ہمت افزائی ہوتی تھی۔ لہٰذا حق سبحانہٗ تعالےٰ نے درج بالا آیات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کی توجہ ان باتوں کی طرف بھی دلائی چونکہ ان کا عمل ہی دیگر مسلمان عورتوں کے لئے قابلِ عمل تھا۔ اور ساتھ ہی اس بات کی بھی وضاحت کر دی کہ اعمالِ صالحہ عورت اور مرد ہر دو کے لئے ضروری ہیں چونکہ اللہ کے نزدیک ان کے مراتب مساوی ہیں۔ لہٰذا بلا تخصیص مرد و زن جو بھی ان مذکورہ اعمالِ صالحہ پر عمل پیرا ہوتا ہے اس کے لئے حق سبحانہٗ تعالیٰ کے پاس مغفرت اور اجرِ عظیم ہے۔

حضرت زینب رضؓ کے ساتھ نکاح پر دشمنوں کے اعتراضات

ایک طرف تو حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی میں مالی مشکلات کے پیشِ نظر مذکورہ مسائل رونما ہوئے دوسری طرف ان ہی ایام میں آپؐ کے دشمنوں کو یہ موقع ملا کہ حضرت زینبؓ کے ساتھ آپؐ کے نکاح کو آپؐ کے خلاف بدگمانیاں پھیلانے کا بہانہ بنا لیا۔ چونکہ عربوں میں دورِ جہالت سے متبنّیٰ کی مطلقہ سے نکاح جائز نہ تھا۔ لہٰذا مشرکین، یہودی اور منافقین جگہ جگہ کہتے پھرتے تھے کہ محمدؐ نے اپنے بیٹے کی بہو سے نکاح کر لیا۔ اس طرح سے دشمنانِ رسول آپؐ کے کردار کو داغدار بنانے کے لئے کوشاں تھے تاکہ عوام کے اندر آپؐ کی مقبولیت ختم ہو جائے ــــ جس مقصد کو وہ دشمنانِ حق میدانِ جنگ میں نہ حاصل کر سکے تھے وہ اس طرح کی تہمت اور کردار کشی سے حاصل

—— اور (اے حبیبؐ! یاد کیجئے وہ وقت) جب آپ اس شخص سے کہہ رہے تھے جس کو اللہ نے اور آپ نے نعمت سے نوازا (تھا کہ "اپنی بیوی کو نہ چھوڑ اور اللہ سے ڈر"، اور آپ اپنے دل میں وہ بات چھپاتے رہے جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا، اور آپ لوگوں کے طعنے کا اندیشہ کر رہے تھے حالانکہ اللہ ہی اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اس سے ڈرا جائے، پھر جب زید کا دل اس (عورت) سے بھر گیا، تو ہم نے اس کا نکاح آپ کے ساتھ کر دیا تاکہ اہلِ ایمان پر اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں کے بارے میں کچھ تنگی نہ رہے جب وہ ان سے اپنا جی بھر چکیں، اور اللہ کا حکم پورا ہونے والا تھا۔ (۳۳/۳۷)

کرنا چاہتے تھے۔

درج بالا آیات ۳۵ تا ۴۸ میں اسی طرح کی دشمن سرگرمیوں اور آپؐ کے خلاف لگائی جانے والی تہمات کا جواب ہے اور حقائق کا اظہار۔

سب سے پہلے تو ایک اساسی اصول بیان فرما دیا گیا کہ اگر کسی معاملہ میں اللہ اور اللہ کے رسول کا حکم ہو تو پھر کسی بھی مومن اور مومنہ کو اپنے معاملہ کا اختیار نہیں رہتا۔ اَطِیْعُ اللہ اور اَطِیْعُ الرَّسُوْل کا مطلب ہی یہ ہے کہ مومن یا مومنہ سرِ تسلیم خم کر دے۔ اور اس کی مثال خود حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی عبداللہ بن جحش پیش کر چکے تھے جبکہ انہوں نے اپنی مرضی کے خلاف لیکن احمدِ مختار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق حضرت زیدؓ کے ساتھ نکاح کرنا قبول کر لیا تھا۔

جیسا کہ پہلے مذکور ہوا ہے کہ حضرت زینبؓ بنت جحش کا تعلق قریش کے خاندان بنی اسد سے تھا اور آپؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپی زاد بہن تھیں۔ حسین و جمیل تھیں لیکن طبعًا تیز مزاج۔ اور حضرت زید بن حارثہ ایک آزاد شدہ غلام تھے لہٰذا ان کی معاشرتی حیثیت حضرت زینبؓ اور ان کے خاندان سے کم تر تھی۔

—— نبی پر کوئی حرج نہیں اس بات میں جو اللہ نے مقرر فرمادی اللہ کا یہی معمول رہا ہے ان (پیغمبروں) کے بارے میں جو آپ سے پہلے گذر چکے ہیں۔ اور اللہ کا حکم خوب تجویز کیا ہوا ہوتا ہے۔
—— (یہ بات ہے ان لوگوں کی) جو اللہ کے پیغامات پہنچایا کرتے تھے اور اسی سے ڈرتے تھے، اور ایک اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرتے تھے، اور محاسبہ کے لئے تو بس اللہ ہی کافی ہے۔ (۳۳/۳۹-۳۸)

حضرت زیدؓ کے والد حارثہ شراحیل کا تعلق قبیلہ کلب سے تھا جبکہ ان کی والدہ سُعدیٰ بنت ثعلبہ قبیلہ طے کی ایک شاخ بنی معن سے تھیں۔ جب حضرت زیدؓ کی عمر تقریباً آٹھ سال تھی تو وہ اپنی والدہ کے ہمراہ اپنی ننھیال گئے۔ راہ میں ان کے قافلہ پر بنی قین بن جسر کے لوگوں نے حملہ کر دیا۔ مسافروں کو لوٹا اور کچھ کو گرفتار کر کے اپنے ہمراہ لے گئے ان میں حضرت زیدؓ بھی تھے۔ بعدہٗ انہیں عکاظ کے میلے میں حکیم بن حزام کے ہاتھوں فروخت کر دیا۔ حکیم انہیں مکہ لے آئے اور اپنی پھوپی حضرت خدیجہؓ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ یہ واقعہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت خدیجہؓ سے شادی سے قبل کا ہے۔ شادی کے بعد آپؐ نے حضرت زیدؓ کو حضرت خدیجہؓ سے مانگ لیا چونکہ ان کی عادتیں ابتدا ہی سے بڑی مؤدبانہ تھیں۔ آپؐ نے زیدؓ بن حارثہ کی اس طرح پرورش فرمائی کہ وہ غریب الوطنی اور غلامی کی زندگی کو بھول گئے۔ جب ان کی عمر پندرہ برس سے متجاوز ہوئی تو ایک دن ان کے باپ حارثہ اور ایک چچا ان کی تلاش کرتے ہوئے رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے اور عرض کیا کہ زیدؓ ہمارا بیٹا ہے آپؐ جو ہدیہ چاہیں اس کے عوض قبول کر لیں اور ہمارا بیٹا ہم کو دیدیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے ہدیہ کی ضرورت نہیں ہے اگر زید اپنی مرضی سے آپ کے ساتھ جانا چاہیں تو آپ خوشی سے لے جائیں۔ زید کی جب مرضی معلوم کی گئی تو انہوں نے اپنے باپ کے ساتھ جانے کے بجائے آپؐ کے ساتھ رہنے کو پسند کیا۔ بیٹے کی مرضی معلوم کر کے باپ اور

—— (اے لوگو!) محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، البتہ اللہ کے رسول ہیں اور خاتم النبیین ہیں، اور اللہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ (۴۰|۳۳)

چچا بھی انہیں آپؐ کے پاس چھوڑنے پر راضی ہو گئے۔ حضور محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت زید کو آزاد کیا اور حرم کعبہ میں جا کر اعلان کر دیا کہ زید آج سے میرا بیٹا ہے یہ مجھ سے وراثت پائے گا اور میں اس سے۔

یہ تھا حضرت زید کو متبنّٰی بنانے کا وہ اعلان جس کو بنیاد بنا کر مشرکین، یہود اور منافقین آپؐ کے خلاف تہمتیں لگاتے پھر رہے تھے کہ اپنے متبنّٰی کی بہو پر آپؐ عاشق ہو گئے اور پھر اس کو طلاق دلا کر نکاح کر لیا۔

دشمنانِ رسولؐ کے یہ تمام تر اعتراضات لغو اور بے بنیاد تھے۔ اوّل تو یہ کہ حضرت زینبؓ بنتِ حجش آپؐ کی پھوپی زاد بہن تھیں۔ آپؐ نے انہیں ان کے عہدِ طفولیت سے دیکھا تھا۔ اگر وہ آپؐ کو ابتدا ہی سے پسند ہوتیں تو آپؐ ان کی شادی حضرت زیدؓ سے نہ کراتے جبکہ حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی حضرت عبداللہؓ بن حجش خود اس رشتہ کے لئے رضامند نہ تھے۔ ان دونوں نے تو یہ رشتہ صرف آپؐ کے حکم کے مطابق قبول کیا تھا۔ دوم جب حضرت زیدؓ اور ان کی زوجہ زینبؓ کے تعلقات ناخوشگوار ہو گئے اور حضرت زیدؓ نے انہیں طلاق دینے کا ارادہ کر لیا تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں طلاق نہ دینے کا مشورہ دیا۔ اگر آپؐ واقعی حضرت زینبؓ کو اپنے نکاح میں لینے کے خواہشمند ہوتے تو ایسا مشورہ قطعی نہ دیتے بلکہ طلاق کی موافقت کرتے۔ درحقیقت حضرت زینبؓ کو طلاق ہو جانے کے بعد ان کی دلجوئی اور معاشرے میں ان کی عزت افزائی کے لئے یہی ایک طریقہ تھا کہ آپؐ خود انہیں اپنے نکاح میں لے لیتے۔ چونکہ حضرت زینبؓ نے پہلا نکاح آپؐ کے حکم کے مطابق کیا تھا اور اس میں ناکامی سے ان کی اپنی بے عزتی ہوئی تھی۔ لہٰذا بایں وجہ آپؐ کے

— اے ایمان والو! اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو۔
— اور صبح و شام اسی کی تسبیح کرتے رہو۔
— وہ (اللہ تو) ایسا ہے کہ وہ خود اور اس کے فرشتے آپ (نبی اکرمؐ) کے اوپر درود بھیجتے رہتے ہیں تاکہ وہ تمہیں تاریکیوں سے نورِ (حق) کی طرف لے آئے، اور وہ مومنین کے حق میں تو مہربان ہی ہے۔
— جس روز وہ (مومنین) اس (اللہ) سے ملیں گے (تو) انکا استقبال سلام سے ہوگا، اور ان کے لئے اللہ نے بڑا باعزت صلہ تیار کر رکھا ہے۔
(۳۳/۴۴-۴۱)

دل میں ان کے ساتھ نکاح کا خیال آیا تھا لیکن ساتھ ہی آپؐ کو عہدِ جہالت کی اُس رسم کا اندیشہ بھی تھا جس کے مطابق متبنّٰی کی بہو سے نکاح جائز نہ تھا۔ لہٰذا حکمِ ربّی کا نزول ہوا اور اسی کے مطابق حضرت زینب سے آپؐ کا نکاح ہو گیا۔ دشمنانِ رسول کی پھیلائی ہوئی بدگمانیوں کو دور کرنے کے لئے حق سبحانہٗ تعالیٰ نے واضح طور پر بتا دیا کہ اے لوگو! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم مردوں میں سے کسی کے بھی باپ نہیں ہیں (چونکہ اس وقت آپؐ کی نرینہ اولاد میں سے کوئی بقیدِ حیات نہ تھا)۔ لہٰذا خام خیالی کی باتوں میں نہ جاؤ وہ تو اللہ کے رسولؐ ہیں، آخری نبیؐ ہیں اور اللہ ہر چیز کو اچھی طرح جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ یعنی تم جو لغو اور بے بنیاد باتیں اللہ کے رسولؐ کے متعلق کرتے پھرتے ہو ان کا حقائق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

آپؐ کے مقاماتِ جلیلہ دشمنانِ رسولؐ نے حضرت زینبؓ کے واقعۂ نکاح کو جس شدّت کے ساتھ مشتہر کیا تھا اس سے ان کی مخاصمت اچھی طرح عیاں تھی۔ صحابۂ کرام کی اکثریت اس واقعہ کی اصلیت اور دشمنوں کی افترا پردازیوں کو اچھی طرح سمجھتی تھی لہٰذا وہ ان ظالموں کی باتوں پر توجہ نہیں دے رہے تھے لیکن کچھ صحابۂ کرام ایسے بھی تھے جو جذباتی ہو چلے تھے، وہ دشمنوں کے ساتھ سخت کلامی اور سخت گیری سے پیش آ رہے تھے جس بنا پر بات

ـــــ اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو بھیجا ہے شاہد بنا کر، بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر۔

ـــــ اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف دعوت دینے والا اور روشن چراغ بنا کر۔

ـــــ (اے نبی!) آپ خوشخبری دیدیجئے ایمان والوں کو کہ ان پر اللہ کی طرف سے بڑا ہی فضل ہے۔

ـــــ اور (اے نبی!!) کافروں اور منافقوں کا کہنا نہ کیجئے اور ان کی ایذا پر درگذر فرمایئے، اور اللہ پر بھروسہ رکھیئے اور اللہ ہی کافی کارساز ہے۔ (۳۳/۴۸-۴۵)

بجائے ختم ہونے کے اور بڑھ رہی تھی۔ کچھ یہی شب و روز تھے کہ آیات ۴۱ تا ۴۸ کا نزول ہوا جن میں مسلمانوں سے کہا گیا کہ وہ ان لغو اور بیہودہ باتوں میں اپنا وقت ضائع نہ کریں بلکہ اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرتے رہیں کہ اس کی یاد ہی عینِ بندگی ہے۔ اللہ تمہارا اور تمہارے رسولؐ کا ہی خواہ ہے۔ اس نے رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمہارے درمیان اسی لئے بھیجا ہے کہ وہ تمہیں کفر و ضلالت کی تاریکیوں سے نورِ احدیت کی روشنی کی طرف لائیں تاکہ جب تم بارگاہِ الوہیت کی طرف رجوع کرو تو تمہارا استقبال سلام و سلامتی کے نعروں سے کیا جائے اور تم اجرِ کریم سے نوازے جاؤ۔ ساتھ ہی حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامِ ارفع و اعلیٰ کی نشاندھی کرتے ہوئے ارشاد ہوا کہ ان پر تو اللہ اور اس کے فرشتے درود کا تحفۂ آسمانی بھیجتے رہتے ہیں۔ انہیں شہادت، بشارت اور نذارت کے مقاماتِ جلیلہ سے نوازا گیا ہے۔ آپؐ جس طرح آج لوگوں کو بشارت دے رہے ہیں اور ان کے بُرے اعمال کی سزا سے ڈرا رہے ہیں اسی طرح اُن کا پیغام بشارت و نذارت جاری و ساری رہے گا۔ اور جس طرح ہمارے نبیؐ آج لوگوں کے اعمال کے عینی شاہد ہیں اسی طرح تاقیامت آپؐ لوگوں کے اعمال کے شاہد رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اُن پر ہر چیز حاضر و ناظر بناتی رہے گی۔ لہٰذا روزِ قیامت آپؐ کی گواہی اُنکے

— اے ایمان والو! جب تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو، پھر تم انہیں بے ہاتھ لگائے طلاق دیدو، تو تمہارے لئے ان کے بارے میں کوئی عدت نہیں جسے شمار کرو۔ انہیں کچھ مال دیدو اور انہیں خوبی کے ساتھ رخصت کر دو۔ (۳۳/۴۹)

اپنے علم اور مشاہدہ کی بنا پر ہوگی۔ یہ ایسا منصب جلیل ہے جو نہ کسی دوسرے کو عطا ہوا ہے اور نہ ہمہ شمہ اس کو پا سکتے ہیں۔ اس پر تو وہی ایمان لاتے ہیں جنہیں حق سبحانہٗ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا عرفان عطا ہوتا ہے۔ آپؐ کی ذاتِ اقدس تو درحقیقت مجسم دعوتِ حق ہے اور ایک ایسا روشن چراغِ رشد وہدایت کہ جس کی ابدی روشنی انوارِ الٰہی سے دائم و قائم ہے۔ اور پھر آپؐ کو حکم ہوا کہ اے نبیؐ اہلِ ایمان کو خوشخبری دیدیجئے کہ آپؐ کا وجود تو ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت ہی بڑا فضل ہے۔ آپؐ ان کافروں اور منافقوں کی باتوں کو خاطر میں نہ لایئے، ان کی ایذا رسانی کو درگزر کر دیجئے اور صرف اللہ پر بھروسہ رکھئے کہ وہی کارساز کافی ہے وہ سارے معاملات کو درست کر دے گا۔

(بحوالہ ابن کثیر۔ بخاری۔ مسلم۔ جلالین)

اصلاحِ معاشرہ کی طرف چند اقدام

حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی سے متعلق رونما ہونے والے واقعات، جن کا تذکرہ صفحاتِ گذشتہ میں کیا جا چکا ہے، بالخصوص حضرت زینبؓ کے ساتھ آپؐ کے نکاح پر دشمنانِ رسولؐ کے اعتراضات، اس امر کی واضح نشاندھی کرتے ہیں کہ ان دنوں عرب کا معاشرہ انتہائی پست اور رکیک اقدار کا حامل تھا جس میں عورت سب سے زیادہ مظلوم تھی۔ حضرت عائشہؓ نے ان ہی ایام کی جاہلانہ رسوم کا ذکر کرتے ہوئے ایک مقام پر ارشاد فرمایا "جو یتیم بچیاں کسی والی کے زیرِ سایہ ہوتی تھیں وہ ان کے مال یا حسن و جمال کی وجہ سے ان کی اجازت کے بغیر ان سے نکاح

—— اے نبی! ہم نے آپ کے لئے وہ بیویاں حلال کی ہیں جن کو آپ ان کے مہر دے چکے ہیں اور وہ عورتیں بھی جو آپ کی ملک میں ہیں جنہیں اللہ نے آپ کو غنیمت میں دلوایا ہے، اور آپ کے چچا کی بیٹیاں، اور آپ کی پھوپھیوں کی بیٹیاں، اور آپ کے ماموں کی بیٹیاں، اور آپ کی خالاؤں کی بیٹیاں، جنہوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی، اور وہ مومن عورت بھی جو (بلا عوض) اپنے کو نبی کی نذر کرے بشرطیکہ نبی بھی اسے نکاح میں لانا چاہیں۔ یہ حکم آپ کے لئے مخصوص ہے نہ کہ اور مسلمانوں کے لئے۔ ہمیں معلوم ہیں وہ (احکام) جو ہم نے ان کی بیویوں اور ان کی باندیوں کے بارے میں ان پر مقرر کئے ہیں۔ یہ خصوصیت آپ کی اس لئے ہے کہ آپ پر کسی قسم کی تنگی واقع نہ ہو اور اللہ بڑا مغفرت والا بڑا رحمت والا ہے۔ (۳۳/۵۰)

کر لیا کرتے تھے اور پھر ان پر ہر طرح کا ظلم روا رکھتے تھے۔"

نفس پرستی اور تہمت طرازی کا دور دورہ تھا جس کی بنا پر کمسن بچیوں کے ساتھ نکاح کی ریت عام تھی۔ کوئی بھی عورت بیوہ یا مطلقہ بغیر نکاح کئے پرسکون زندگی نہ گذار سکتی تھی۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ لوگ لاتعداد شادیاں کرتے تھے۔ طلاق اور مہر سے متعلق متعین اصول نہ تھے۔ ایک شخص اپنی بیوی کو بار بار طلاق بھی دیدیتا اور پھر رجوع بھی کر لیتا۔ اسی بد قماش معاشرہ کی ایک رسم یہ بھی چلی آرہی تھی کہ شوہر اپنی مرضی سے اپنی اپنی بیویوں کا تبادلہ بھی کر لیتے تھے جہاں عورت کی مرضی کو دخل نہ ہوتا تھا۔ پردے کا تصور مفقود تھا۔ لوگ ایک دوسرے کے گھر بلا روک ٹوک آتے جاتے تھے۔ میاں بیوی کے درمیان لڑائی کرانے کے لئے نہ صرف جادو ٹونکوں کا استعمال عام تھا بلکہ موقع پا کر دوسرے کی بیوی کو اس کے خلاف ورغلا دیتے اور اس طرح بہت سے خاندان اور معصوم

—— (یہ سب کچھ اس لئے ہوا) تاکہ سچوں کو اللہ ان کے سچ کا صلہ دے اور منافقوں کو عذاب دے اگر چاہے یا ان کی توبہ قبول کرے۔ بے شک اللہ غفور الرحیم ہے۔

—— اور اللہ نے کافروں کا منہ پھیر دیا اس غصہ میں بھرا ہوا کہ ان کے کچھ بھی ہاتھ نہ لگا۔ اور جنگ میں اللہ اہلِ ایمان کے لئے کافی ہو گیا۔ اور اللہ تو ہے ہی بڑی قوت والا زبردست۔ (۳۳|۲۵-۲۴)

بنی قریظہ کی غداری کا انجام

بنی قریظہ نے مسلمانوں کے ساتھ کئے گئے معاہدہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے دشمنِ اسلام حیئ ابن اخطب کی باتوں میں آ کر نہ صرف اعلانیہ طور پر جنگِ احزاب میں شرکت کی تھی بلکہ قلعہ میں محفوظ مسلمان عورتوں پر حملہ کرنے کا منصوبہ بھی بنایا تھا جو حضرت صفیہؓ کی حاضر دماغی اور شجاعت سے ناکام ہو گیا۔ کفارِ قریش کی میدانِ جنگ سے ناکام واپسی کے بعد بنی قریظہ اپنے معاہدہ کے مطابق یہودی سردار حیی بن اخطب کو بھی ساتھ لے آئے تھے۔ ان حالات میں بنی قریظہ کسی رحم کے حقدار نہ تھے بلکہ ان دشمنوں کو یوں ہی چھوڑ دینا خطرے سے خالی نہ تھا۔ لہٰذا ان حالات میں احمدِ مختار صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ہتھیار نہ کھولیں اور بنی قریظہ کی طرف پیش قدمی کریں۔

حضرت علیؓ مقدمۃ الجیش مقرر کئے گئے اور علم ان کے سپرد ہوا حضرت علیؓ اپنی فوج سے آگے آگے جب بنو قریظہ کے قلعوں کے پاس پہنچے تو قلعہ کی دیواروں پر سے یہودیوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو نازیبا بلکہ رکیک باتیں سنائیں۔ اگر یہ بدبخت اس وقت تصفیہ کی گفتگو کرتے تو امن کی راہ ہموار ہو سکتی تھی۔ چونکہ مسلمان غزوۂ احزاب کے تھکے ہوئے تھے اور آپؐ خون خرابہ کو پسند بھی نہ کرتے تھے لیکن یہودیوں کی جارحیت اور ظالمانہ حرکات نے مسلمانوں کو ان کا محاصرہ کرنے پر مجبور کر دیا تقریباً

—— اور جن اہلِ کتاب نے ان حملہ آوروں کی مدد کی تھی اللہ نے انہیں ان کے قلعوں سے اتار دیا، اور ان کے دلوں میں تمہارا رعب بٹھا دیا۔ (پھر) بعض کو تم قتل کرنے لگے اور بعض کو قید کر لیا۔
(۳۳/۲۶)

ایک ماہ تک محاصرہ رہا کسی بھی طرف سے یہودیوں کو مدد نہ آئی۔ غیظ و شر کا جو خمار چڑھا ہوا تھا رفتہ رفتہ جاتا رہا۔ اور جب کوئی راہِ فرار بھی نظر نہ آئی تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ حضرت سعدؓ بن معاذ کو حکم مقرر کیا جائے وہ جو بھی فیصلہ کریں گے ہم کو قبول ہوگا۔ حضرت معاذؓ اور ان کا قبیلہ اوس بنی قریظہ کے حلیف اور ہم عہد تھے۔ اسی لئے انہوں نے یہ درخواست کی تھی۔ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول کر لی۔

لہٰذا حضرت سعدؓ بن معاذ نے فیصلہ دیا کہ لڑنے والے قتل کئے جائیں، عورتیں اور بچے قیدی ہوں اور مال و اسباب غنیمت قرار دیا جائے۔

ہادی مرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ فیصلہ سُنا تو فرمایا۔ "سعدؓ نے یہ آسمانی فیصلہ دیا"، آپؐ کا اشارہ تورات میں بیان کردہ حکم کی طرف تھا جو درج ذیل ہے۔

"جب تو کسی شہر سے جنگ کرنے کو اس کے نزدیک پہنچے تو پہلے اسے صلح کا پیغام دینا۔ اور اگر وہ تجھ کو صلح کا جواب دے اور اپنے پھاٹک تیرے لئے کھول دے تو وہاں کے سب باشندے تیرے باج گزار بن کر تیری خدمت کریں۔ اور اگر وہ تجھ سے صلح نہ کرے بلکہ تجھ سے لڑنا چاہے تو تو اس کا محاصرہ کرنا۔ اور جب خداوند تیرا خدا اسے تیرے قبضہ میں کر دے تو وہاں کے ہر مرد کو تلوار سے قتل کر ڈالنا۔ لیکن عورتوں اور بال بچوں اور چوپایوں اور اس شہر کے سب مال اور لوٹ کو اپنے لئے رکھ لینا اور تو اپنے دشمنوں کی اس لوٹ کو جو خداوند تیرے خدا نے دی ہو کھانا۔" (کتاب استثنا باب ۲۰۔ آیات ۱۰ تا ۱۵)

— اور ہم نے تمہیں مالک بنا دیا ان کی زمین کا، اور ان کے گھروں کا، اور ان کے مال کا، اور اس زمین کا بھی جس پر تم نے (ابھی تک) قدم نہیں رکھا ہے۔ اور اللہ تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔
(۳۳/۲۷)

مذکورہ فیصلے کے مطابق جب یہودی قیدی مقتل کی طرف لائے گئے تو ان میں تمام فتنوں کا بانی اور مسلمانوں کا دشمنِ اعظم حُیَیّ بن اخطب بھی تھا جس کو بنی قریظہ کے یہودی جنگِ احزاب کے بعد اپنے قلعوں میں لے گئے تھے۔ وہ اسی دشمنِ رسولؐ نے بنی قریظہ کے یہودیوں کو مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ توڑنے اور ان کے خلاف جنگ کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس نے دیکھا تو کہنے لگا۔

"ہاں اللہ کی قسم مجھے اس کا افسوس نہیں کہ میں نے کیوں تیری عداوت کی لیکن بات یہ ہے کہ جو شخص اللہ کو چھوڑ دیتا ہے۔ اللہ بھی اس کو چھوڑ دیتا ہے۔"

اس توحید کے نام نہاد علمبردار یہودی کو اب احساس ہوا کہ اس نے ہادیِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں اللہ کو چھوڑ دیا تھا۔ پھر دیگر لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

"لوگو! اللہ کے حکم کی تعمیل میں کچھ مضائقہ نہیں۔ یہ حکمِ الٰہی تھا۔ یہ لکھا ہوا تھا، ایک سزا تھی جو اللہ نے بنی اسرائیل پر لکھی تھی۔"

اس ظالم نے اپنی موت کو تو اللہ کا حکم مانتے ہوئے قبول کر لیا۔ لیکن اب بھی آپؐ کی رسالت پر ایمان نہ لایا۔ اور یہی اللہ کا وہ حکم تھا جس کو وہ چھوڑے ہوئے تھا۔ لیکن اس کے جذبۂ عداوت نے تو اس کی عقل و بصیرت کو ڈھانپ رکھا تھا۔ خود ذلّت کی موت مرا اور دوسروں کی ذلّت کا سبب بنا۔

(بحوالہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، فتح الباری۔
ابن سعد، طبری۔ ابنِ ہشام، زرقانی۔ طبرانی۔)

—— اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجئے "اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی بہار کو چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال و متاع دے دلا کر خوبی کے ساتھ رخصت کردوں۔

—— اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور عالم آخرت کو چاہتی ہو تو (جان لو کہ) اللہ نے تم میں سے نیک کرداروں کے لئے اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔ (۳۳/۲۹-۲۸)

آپؐ کی مالی اور ازدواجی مشکلات

گذشتہ تین سالوں کی مسلسل جنگوں نے مسلمانوں کی اقتصادی حالت پر ناخوشگوار اثرات مرتب کئے تھے۔ گو اس دوران مسلمانوں کو مال غنیمت بھی ملا تھا لیکن اس کی مقدار اس درجہ نہ تھی کہ خوش حالی کو جنم دیتی۔ جنگی خطرات اسی طرح منڈلا رہے تھے جن کی وجہ سے نہ باہر کی منڈیوں سے رابطہ رہا تھا اور نہ آراضی سے خاطر خواہ آمدنی ہو رہی تھی۔ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مالی حیثیت پریشان کن تھی۔ بنی نضیر کی متروکہ آراضی میں سے ایک حصہ بحکمِ باری تعالیٰ آپؐ کے لئے ضرور مخصوص کر دیا گیا تھا لیکن اس کی آمدنی آپؐ کے اہلِ بیت کے لئے بھی کافی نہ تھی۔ اور پھر آپؐ تو کشادہ ہاتھ اور وسیع القلب تھے۔ اپنی حاجات پر ہمیشہ دوسروں کی حاجات کو ترجیح دیتے تھے۔ گھر میں جو کچھ فاضل ہوتا اصحابِ صفّہ اور دیگر مساکین کو عطا فرما دیا کرتے تھے۔

ان ہی دنوں کا ذکر ہے کہ ایک عظیم مجاہد حضرت ابو سلمہؓ عبداللہ بن عبد الاسد کی بیوہ اُمّ سلمہؓ عدت سے فارغ ہوئی تھیں۔ ان کے مرحوم شوہر سے چار بچے تھے سلمہؓ، عمرؓ، درّہ اور زینب۔ خود بھی عمر رسیدہ تھیں اور کوئی ذریعۂ کفالت نہ تھا۔ انہی حالات کے پیشِ نظر انہوں نے اپنے شوہر کی وفات کے وقت کہا تھا "ہائے غربت میں یہ کیسی موت ہوئی۔" حضرت اُمّ سلمہؓ کے والد ابو امیہؓ قریش کے بڑے مخیّر اور فیاض شخص

ــــ اے نبی کی بیویو! تم میں سے جو کوئی کھلی ہوئی بیہودگی کرے گی تو اسے دوگنی سزا دی جائے گی ۔ اور یہ اللہ کے لئے بالکل آسان ہے ۔
ــــ اور جو کوئی تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبردار رہے گی اور عمل صالح کرتی رہے گی تو ہم اس کو اجر دوگنا دیں گے اور ہم نے اس کے لئے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے ۔ (۳۳/۳۱ ـ ۳۰)

تھے لہٰذا انہوں نے ابتدا ہی سے بڑے ناز و نعم میں تربیت پائی تھی ۔ طبیعت میں غیرت اور عزت نفس کے احساسات کچھ زیادہ ہی شدید تھے ۔ نہ کسی کی امداد کو قبول کر سکتی تھیں اور نہ اپنے رتبہ سے کم کوئی بات انہیں گوارا تھی ۔ ان ہی حالات کو دیکھتے ہوئے حضرت ابوبکرؓ نے انہیں پیغام نکاح دیا لیکن انہوں نے قبول نہ کیا ۔ بعض روایات کے مطابق حضرت عمرؓ نے بھی پیغام نکاح دیا تھا لیکن وہ بھی قبول نہ فرمایا ۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں جب یہ باتیں آئیں تو آپؐ نے انہیں پیغام نکاح دیا ۔ حضرت اُمّ سلمہؓ نے جواب میں مرحبا کہا اور پیغام بھیجا کہ مجھے چند عذر ہیں ۔ (۱) میری عمر زیادہ ہے ۔ (۲) عیال دار ہوں (۳) اور سخت غیور ہوں ۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا "میری عمر ان سے زیادہ ہے اور ان کے یتیموں کی پرورش اللہ اور اللہ کے رسول کے ذمہ ہے ۔" حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا تو مقصد ہی کفالت تھا ۔ چونکہ ابوسلمہؓ تو آپؐ کے دودھ شریک بھائی تھے اور آپؐ اُمّ سلمہؓ کی زیادہ عمر سے بھی واقف تھے ۔ لہٰذا مذکورہ عذر بے معنیٰ ہو کر رہ گئے ۔ اور حضرت اُمّ سلمہؓ آپؐ کے نکاح میں آگئیں ۔

طبقات ابن سعد میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ احمد مختار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جب حضرت اُمّ سلمہؓ سے نکاح کی بابت بتایا تو انہیں سخت غم ہوا ۔ اس نکاح سے قبل آپؐ حضرت حفصہؓ اور حضرت زینبؓ سے بھی نکاح کر چکے تھے لیکن اس طرح کے غم کا اظہار ان موقعوں پر نہیں ملتا ۔ حضرت عائشہؓ کا مذکورہ غم رشک کی بنا پر بھی ممکن نہیں معلوم ہوتا چونکہ حضرت اُمّ سلمہؓ ان سے عمر میں کہیں زیادہ تھیں ۔ لہٰذا اس دور کے حالات

ــــ اے نبی کی بیویو!! تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ جبکہ تم اللہ سے ڈرنے والی ہو تو بات ایسی نرمی سے (کسی غیر کے ساتھ) نہ کرو کہ دل کا روگی (کوئی شخص تمہارے) لالچ میں پڑ جائے، بلکہ صاف سیدھی بات کرو۔ (۳۲/۳۳)

کو دیکھتے ہوئے یہ بات زیادہ قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے کہ اس عالمِ تنگ دستی میں حضرت اُمِ سلمہؓ اور ان کے چار بچوں کی زیر کفالت افراد میں شمولیت انہیں ناگوار معلوم ہوئی ہو اور یہی بات غم کا سبب بنی ہو۔ ان ہی ایام کا ذکر کرتے ہوئے حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچے تو دیکھا کہ آپؐ کی ازواج مطہرات آپؐ کے گرد بیٹھی ہوئی ہیں اور آپؐ خاموش بیٹھے ہوئے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ سے کہا، "یہ لوگ مجھ سے خرچ کے لئے رقم مانگ رہی ہیں۔" آپؐ کی زبانِ اقدس سے یہ الفاظ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ کو اور حضرت عمرؓ نے حضرت حفصہؓ کو ڈانٹا اور کہا کہ تم لوگ اللہ کے رسولؐ سے وہ چیز طلب کر رہی ہو جو ان کے پاس نہیں ہے۔

اس واقعہ سے نہ صرف آپؐ کی مالی پریشانی کا پتہ ملتا ہے بلکہ ان حالات کا بھی بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے جو ان دنوں آپؐ کی ازدواجی زندگی میں تلخی کا سبب بن رہے تھے۔ اور وہ تلخی آپؐ کی راہِ تبلیغ و تلقین میں آڑے آ رہی تھی۔ کچھ یہی شب و روز تھے کہ درج بالا آیات ۲۸ تا ۳۵ کا نزول ہوا۔ لہٰذا آپؐ نے سب سے پہلے اس معاملہ میں حضرت عائشہؓ سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا، "میں تم سے ایک بات کہتا ہوں جواب دینے میں جلدی نہ کرنا۔ پہلے والدین کی رائے لینا اور پھر فیصلہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا حکم آیا ہے کہ میں تم سے کہوں کہ اگر تم دنیا اور اس کی بہار کو چاہتی ہو تو میں تم کو کچھ مال و متاع دے دلا کر خوبی کے ساتھ رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ اور عالمِ آخرت کی طالب ہو

— اور (اے نبی کی بیویو!!!) اپنے گھروں میں قرار سے رہو اور قدیم دورِ جاہلیت کی سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو۔ اور نماز قائم کرو اور زکواۃ دو، اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو۔ اللہ تو یہی چاہتا ہے۔ اے نبی کے گھر والو کہ تم سے ہر ناپاکی کو دور فرما دے اور تم کو خوب نکھار دے۔
(۳۳/۳۳)

تو جان لو کہ اللہ نے تم میں سے جو نیکوکار ہیں ان کے لئے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے۔"
حضرت عائشہؓ نے فوری عرض کیا۔ "اے اللہ کے رسولؐ! کیا اس معاملہ میں اپنے والدین سے مشورہ کروں؟ میں تو اللہ اور اس کے رسولؐ اور عالم آخرت کی طلبگار ہوں۔"

بعدہٗ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم باقی ازواجِ مطہرات میں سے ایک ایک کے پاس تشریف لے گئے اور ہر ایک سے اسی طور پر گفتگو فرمائی۔ ہر ایک نے وہی بات جواباً عرض کی جو حضرت عائشہؓ نے کہی تھی۔ اور اس طرح وہ تلخی جس نے آپؐ کی ازدواجی زندگی میں بدمزگی پیدا کر رکھی تھی جاتی رہی۔

درحقیقت ازدواجی زندگی میں اس طرح کی باتوں کا ظہور ایک فطری امر ہے۔ ہر گھر میں اور ہر مقام پر کچھ نہ کچھ باتیں پیدا ہو ہی جایا کرتی ہیں۔ اور جہاں مالی پریشانی ہوتی ہے وہاں تو تلخی میں اضافہ لازمی ہوتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے کہ جہاں عورت رحمت بھی ہوتی ہے اور زحمت بھی۔ اسی مقام سے زندگی جنت بنتی ہے اور اسی مقام سے جہنم بھی۔ جو خواتین باشعور اور صالح ہوتی ہیں وہ شوہر کے مصائب کو بانٹ لیتی ہیں اور جو خواتین ناسمجھ اور دنیادار ہوتی ہیں وہ نہ صرف شوہر کی پریشانیوں میں اضافہ کا سبب بنتی ہیں بلکہ شوہر کو غلط راہوں پر جانے کے لئے مجبور کر دیتی ہیں اور اس کے اثرات گھر کی چہار دیواری سے نکل کر پورے معاشرے کو پراگندہ کر دیتے ہیں۔ اسی لئے حق سبحانہٗ تعالےٰ نے آپؐ کو اپنی ازواجِ مطہرات سے دوٹوک گفتگو کرنے کا حکم دیا جیسا کہ آیت نمبر ۲ سے ظاہر ہے۔ فقہ کی اصطلاح میں اس کو تخییر کہتے ہیں یعنی بیوی کو اس امر کا کلی اختیار دے دینا کہ وہ شوہر کے ساتھ رہنے یا اس سے علیحدگی اختیار کرنے

—— اور تم اللہ کی ان آیتوں اور حکمت کی ان باتوں کو یاد رکھو جو تمہارے گھروں میں سنائی جاتی ہیں۔ بے شک اللہ بڑا باریک بیں اور باخبر ہے۔

—— بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، اور ایمان والے اور ایمان والیاں، اور فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں، اور صادق مرد اور صادق عورتیں، اور صابر مرد اور صابر عورتیں، اور عاجزی کرنے والے اور عاجزی کرنے والیاں، اور خیرات کرنے والے اور خیرات کرنے والیاں، اور روزہ رکھنے والے اور روزہ رکھنے والیاں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے اور حفاظت کرنے والیاں، ان سب کے لئے اللہ نے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے۔ ۳۳/ ۳۵-۳۴

کا خود فیصلہ کرے۔ اگر ازواجِ مطہرات میں سے کوئی بھی آپؐ سے علیحدگی اختیار کرنا چاہتیں تو کر سکتی تھیں اور اس حالت میں آپؐ پر انہیں علیحدہ کر دینا واجب تھا۔ لیکن آپؐ کی ازواجِ مطہرات دنیا پرست نہ تھیں بلکہ باشعور اور صالح تھیں لہٰذا انہوں نے آپؐ کے دامن سے وابستگی کو ہی افضل پایا۔

آگے کی آیات میں حق سبحانہ تعالےٰ نے آپؐ کی ازواجِ مطہرات کو مخاطب کرتے ہوئے چند ایسی باتیں ارشاد فرمائیں جو ایک صحت مند اور تعمیری معاشرے کے لئے اساسی حیثیت کی حامل ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ بھی واضح کر دیا کہ تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ بلکہ اللہ کے رسول سے نسبتِ خاص ہونے کی بنا پر تم دوسروں کے لئے نمونہ ہو، دوسروں کی نسبت تمہاری ذمہ داریاں دوگنی ہیں۔ غلطی کروگی تو دوہرا عذاب پاؤ گی۔ اعمالِ صالحہ انجام دوگی تو دوہرے اجر کی حقدار بنوگی۔

دورِ جہالت کا طریقہ تھا کہ عورتیں بن سنور کر بے پردہ نکلتیں، غیر مردوں

ـــــ ان میں سے آپ جس کو چاہیں اپنے سے دور رکھیں، اور جس کو چاہیں اپنے نزدیک رکھیں، اور جن کو آپ نے الگ کر رکھا تھا ان میں سے پھر کسی کو طلب کر لیں جب بھی آپ پر کوئی گناہ نہیں۔ اس (انتظام) میں زیادہ توقع ہے کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی رہیں گی اور غم زدہ نہ ہونگی، اور اس پر راضی رہیں گی جو کچھ آپ انہیں دیدیں گے، اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے، اور اللہ بڑا ہی علم و حلم والا ہے۔

ـــــ ان عورتوں کے بعد آپ کے لئے کوئی جائز نہیں، اور نہ یہی کہ آپ ان بیویوں کی جگہ دوسری کر لیں چاہے آپ کو ان کا حسن بھلا ہی لگے، مگر ہاں سوائے ان کے کہ جو آپ کی باندیاں ہیں، اور اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔ (۵۱-۵۲/۳۳)

خواتین تباہ و برباد ہو جاتیں۔

معاشرہ کی یہ بیماریاں گو عرصۂ قدیم سے چلی آرہی تھیں لیکن ان کے مہلک اثرات اب زیادہ طور پر مسلمانوں کے لئے بلائے جان ثابت ہو رہے تھے۔ چونکہ ایک طرف تو معاشرے کی یہ پست اور رکیک اقدار اسلام کی پیش کردہ اعلیٰ اقدار سے مزاحم ہو رہی تھیں۔ دوسری طرف دشمنانِ اسلام ان فرسودہ اقدار اور بے لگام باتوں کے ذریعہ مسلمانوں کی صفوں میں انتشار اور بے چینی پھیلا رہے تھے۔ منافقین جو کہ بظاہر مسلمان ہو گئے تھے لیکن باطنی طور پر دشمنانِ اسلام کے آلۂ کار بنے ہوئے تھے۔ بے روک ٹوک مسلمانوں کے گھروں میں آتے جاتے تھے۔ ان بدبختوں نے مسلمان عورتوں کے خلاف بہتان طرازیاں شروع کر دیں۔

یہ دور ویسے بھی افواہوں کا دور تھا جبکہ آئے دن مدینہ پر دشمن قبائل کے حملوں کی خبریں سرگرم رہتی تھیں۔ اب یہ آستین کے سانپ خاندانِ نبوت اور شرفائے اسلام کی خانگی زندگی سے متعلق من گھڑت افسانے اِدھر اُدھر بیان کرتے پھرتے تھے۔ یہ دشمنانِ حق کی ایک سوچی سمجھی چال تھی جس کی بنا پر وہ مسلمانوں

— اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں مت جایا کرو جب تک اجازت نہ پاؤ مثلاً کھانے کے لئے بلائے جاؤ، نہ یوں کہ خود اس کے پکنے کی راہ تکو، ہاں جب بلائے جاؤ تو حاضر ہوا ور کھا چکو تو اُٹھ کر چلے جایا کرو، نہ یوں کہ باتوں میں جی لگا کر بیٹھے رہو۔ بے شک اس میں نبی کو ایذا ہوتی ہے سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں، اور اللہ صاف بات کہنے سے کسی کا لحاظ نہیں کرتا، اور جب تم ان (ازواجِ مطہرات) سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے باہر سے مانگا کرو۔ یہ تمہارے اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے، اور تمہیں جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو (کسی طرح بھی) تکلیف پہنچاؤ، اور نہ یہ کہ آپ کے بعد آپ کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو۔ بے شک اللہ کے نزدیک یہ بہت بڑی بات ہے۔

— اگر تم کسی چیز کو ظاہر کرو گے یا اسے پوشیدہ رکھو گے (تو جان رکھو) اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ (۳۳/۵۴-۵۳)

کے حوصلے پست کرنا چاہتے تھے۔

کچھ یہی شب و روز رہے ہوں گے کہ درج بالا آیات کا نزول ہوا جن کے ذریعہ نہ صرف معاشرے کی اصلاح مقصود تھی بلکہ مقامِ مصطفوی کا اظہار بھی تاکہ لوگ آپؐ کی قدر و قیمت کو صحیح طور پر سمجھ لیں۔

سب سے پہلے آیت نمبر ۴۹ میں معاشرے کی اس رکیک رسم کی نفی کی گئی جس کے مطابق عورت کو بغیر ہاتھ لگائے ہوئے طلاق دینے والا شوہر اُس مظلوم کو یوں ہی علیحدہ کر دیا کرتا تھا۔ حکمِ ربی ہوا کہ اے مسلمانو! اگر تم مسلمان عورتوں سے نکاح کرو اور پھر کسی بھی وجہ سے انہیں ہاتھ لگائے بغیر طلاق دیدو تو تم پر واجب ہے کہ تم انہیں کچھ مال دے کر عزت و احترام کے ساتھ رخصت کر دو۔ اور یہ بھی واضح

— ان (ازواجِ مطہرات) پر کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ ان کے باپ ان کے بیٹے، ان کے بھائی، ان کے بھتیجے، ان کے بھانجے، ان کے میل جول کی عورتیں اور ان کے مملوک گھروں میں آئیں۔ اور (اے عورتو!) اللہ سے ڈرتی رہو بیشک ہر چیز اللہ کے سامنے ہے۔

— بے شک اللہ اور اس کے فرشتے درود بھیجتے ہیں نبی پر، (سو) اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود اور خوب سلام بھیجا کرو۔

— بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کو ایذا پہنچاتے رہتے ہیں ان پر اللہ کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ (۵۵-۵۷/۳۳)

کر دیا گیا کہ ایسی عورتوں پر عدت کا اطلاق نہیں ہوتا۔ چونکہ عدت کا اصل مقصود تو ممکنہ حمل اور ہونے والے بچّے کے نسب کا تعین ہے۔

آیات نمبر ۵۰ تا ۵۲ میں حضورِ اقدس رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی سے متعلق ارشادِ ربّانی ہے۔ تاکہ مسلمان ان افراد کی باتوں سے پراگندہ خاطر نہ ہوں جن کے دلوں میں نفاق جیسی انسانیت سوز بیماریاں پرورش پاتی رہتی ہیں۔

آگے کی آیات میں ان چند اہم باتوں کی طرف توجّہ دلائی گئی جو ایک صحت مند معاشرے کے لئے ضروری ہیں۔ گو ان احکامات میں تخاطب ہادی مرسل نبیِ محتشم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی ازواجِ مطہرات کی طرف ہے لیکن ان کا اطلاق پوری امتِ مسلمہ پر ہے۔ چونکہ آپؐ کی ذاتِ اقدس تو قابلِ اتباع نمونہ بنائی گئی ہے جملہ مسلمین اور مسلمات کے لئے۔

آپؐ کا مرتبۂ عالی مقام

آیت نمبر ۵۶ میں آپؐ کے مرتبۂ عالی مقام کا اظہار فرما کر بارگاہِ الوہیت سے اہلِ ایمان کے لئے حکم

— اور جو لوگ ایمان والوں اور ایمان والیوں کو بے قصور ایذا دیتے رہتے ہیں انہوں نے ایک بڑے بہتان اور صریح گناہ کا بار اپنے سر لے لیا ہے۔

— اے نبی! آپ کہہ دیجئے اپنی بیویوں اور بیٹیوں اور اہلِ ایمان کی عورتوں سے کہ اپنے اوپر اپنی چادروں کے پلّو لٹکا لیا کریں — یہ زیادہ مناسب طریقہ ہے تاکہ وہ پہچان لی جائیں اور نہ ستائی جائیں اور اللہ تعالیٰ تو بڑا ہی مغفرت والا رحمت والا ہے۔

— اگر منافقین اور وہ لوگ باز نہ آئے جن کے دلوں میں روگ ہے، اور جو مدینہ میں افواہیں اڑایا کرتے ہیں تو ہم ضرور آپ کو ان پر مسلط کریں گے پھر یہ لوگ اس شہر (مدینہ) میں نہ رہ سکیں گے مگر تھوڑے دن۔

— اور وہ بھی پھٹکارے ہوئے، جہاں کہیں بھی مل گئے پکڑ لئے گئے اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے اڑا دیئے گئے۔

— اللہ کا یہی دستور رہا ہے ان لوگوں میں بھی جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں، اور (اے نبیؐ!) آپ اللہ کے دستور میں ردّوبدل نہ پائیں گے۔
(۳۳/۵۸-۶۲)

ہوا کہ وہ دشمنانِ حق کی لغو باتوں پر توجّہ نہ دیں بلکہ ہادی مرسل نبیِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلام بھیجتے رہیں چونکہ اللہ اور اس کے فرشتے آپؐ پر درود بھیجتے ہیں۔ آگے کی آیت میں یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسول (محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنی باتوں سے ایذا پہنچاتے رہتے ہیں ان پر اللہ کی لعنت مقدر ہو چکی ہے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اور اللہ کا عذاب بصورتِ ذلّت ان کو مل کر رہے گا۔

درود کیا ہے؟ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوالعالیہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے نبیؐ پر درود بھیجنا اپنے فرشتوں کے سامنے آپؐ کی ثنا

(اے نبیؐ!) یہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے۔ "اس کا علم تو بس اللہ ہی کو ہے" اور عجب نہیں کہ قریب ہی آ لگی ہو۔

___ بے شک اللہ نے کافروں پر لعنت فرمائی اور ان کے لئے بھڑکتی آگ تیار کر رکھی ہے۔

___ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اس میں نہ کوئی حمایتی پائیں گے اور نہ مددگار۔ (۳۳/۶۵-۶۳)

وصفت کا بیان کرتا ہے، اور فرشتوں کا درود بھیجنا اللہ تعالیٰ کے حضور آپؐ کے لئے دعا کرنا ہے۔ حضرت عباسؓ کا ارشاد ہے کہ درود برکت کی دعا ہے۔ اکثر علمائے حق کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کا درود رحمت ہے اور فرشتوں کا درود استغفار ہے۔ ہادی برحق رحمتِ مجسّم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا۔ "جب تک کوئی شخص مجھ پر درود بھیجتا رہتا ہے فرشتے اس کے لئے دعائے رحم کرتے رہتے ہیں۔ ایک اور مقام پر آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ "روزِ قیامت میرے سب سے زیادہ نزدیک وہ ہوگا جو مجھ پر سب سے زیادہ درود پڑھا کرتا تھا۔"

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے آپؐ کے قریب نماز پڑھی۔ اس نے بغیر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کئے اور بغیر آپؐ پر درود پڑھے اپنی نماز میں دعا کی۔ آپؐ نے فرمایا۔ "اے شخص تو نے بہت جلدی کی۔" اور پھر ارشاد ہوا "جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو پہلے اللہ تعالیٰ کی تعریفیں بیان کرے پھر درود پڑھے، پھر جو چاہے دعا مانگے۔" ان ہی دنوں کا ذکر ہے کہ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کے جھرمٹ میں تشریف فرما تھے۔ آپؐ نے فرمایا۔ "جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجے اللہ اس پر اپنی دس مرتبہ رحمتیں نازل فرماتا ہے۔ حاضرین میں سے کسی نے کہا۔ "پھر تو میں اپنی دعا کا آدھا وقت درود بھیجنے میں صرف کروں گا۔" نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم

— جس روز ان (کافروں) کے چہرے آگ میں الٹ پلٹ کئے جائیں گے وہ کہتے ہوں گے کہ کاش! ہم نے اللہ کا حکم مانا ہوتا اور رسول کا حکم مانا ہوتا۔

— اور کہتے ہوں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کے کہنے پر چلے سو انہوں نے ہمیں راہ سے بھٹکا دیا۔

— اے ہمارے پروردگار!! انہیں دہرا عذاب دے اور ان پر بڑی لعنت نازل کر۔ (۳۳/۶۸-۶۶)

نے فرمایا۔ "جیسی تیری مرضی۔" اس شخص نے عرض کیا۔ "اے اللہ کے رسول کیا میں دو تہائی وقت درود بھیجنے میں صرف کروں؟" آپؐ نے ارشاد فرمایا۔ "اگر تو چاہے تو ایسا ہی کر۔" وہ شخص کہنے لگا۔ "پھر تو میں اپنی دعا کا تمام وقت درود ہی کے لئے وقف کرتا ہوں" صاحب الجود و الکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "جب تو ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ تجھے دین و دنیا کے غم سے نجات دے دیگا۔"

ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرام کے پاس تشریف لائے آپؐ کے چہرۂ انور سے خوشی کا اظہار ہو رہا تھا۔ صحابہ میں سے کسی نے خوشی کا سبب دریافت کیا۔ ارشاد ہوا۔ "ایک فرشتے نے آکر مجھے بشارت دی ہے کہ میرا امتی جب مجھ پر درود بھیجے گا تو اللہ تعالیٰ کی دس رحمتیں اس پر نازل ہوں گی۔ اسی طرح مجھ پر ایک سلام بھیجنے کے بدلے دس سلام اس پر ہوں گے۔"

ایک اور مقام پر رحمتِ مجسّم ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ "مجھ پر درود بھیجا کرو وہ تمہارے لئے زکوٰۃ ہے اور میرے لئے وسیلہ طلب کیا کرو۔ وسیلہ جنت میں ایک اعلیٰ درجہ ہے جو ایک ہی بندہ کو ملے گا۔ مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہوں۔" پھر ارشاد ہوا "سنو! جو میرے لئے وسیلہ کی دعا کرتا ہے

— اے ایمان والو! ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ کو ستایا سو اللہ نے اسے بَری فرما دیا اس بات سے جو انہوں نے کہی اور اللہ کے نزدیک وہ بڑے معزز ہیں۔ (۳۳-۶۹)

اس کے لئے میری شفاعت حلال ہو جاتی ہے۔"

ایک دن حضورِ اقدس نبی مرسل صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرۂ مبارک سے باہر تشریف لائے اور ایک سمت روانہ ہو گئے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جو آپ کو تنہا جاتے ہوئے دیکھا تو آپ کے پیچھے پیچھے ہو لئے۔ آپ کھجوروں کے ایک باغ میں تشریف لے گئے۔ ٹھنڈے ٹھنڈے سائے، پُرسکوت ماحول اور بھینی بھینی فضا۔ آپ ایک گوشہ میں تشریف فرما ہوئے اور پھر بارگاہِ الوہیت میں سجدہ ریز ہو گئے۔ عبدالرحمٰن بن عوف حدِ ادب سے کھڑے منتظر رہے کہ موقعہ ملے تو اس خلوت میں شرفِ حاضری پائیں۔ سجدہ طویل سے طویل تر ہوتا چلا گیا حتیٰ کہ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف کو خیال گذرا کہ مبادا اسی حالتِ سجدہ میں آپ کی روح نہ پرواز کر گئی ہو۔ قریب پہنچے، لیکن آپ کو ہاتھ لگانے یا کچھ کہنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اللہ کا حبیب اللہ کے حضور سجدہ ریز تھا۔ کچھ دیر اسی عالمِ تفکّر میں کھڑے رہے کہ آپ نے سجدہ سے سر اٹھایا۔ اور ابنِ عوف رضی اللہ عنہ سے پوچھا "کیا بات ہے؟" انہوں نے ڈرتے ڈرتے اپنی حالت کا اظہار کیا اور کیفیت بیان کی۔ ارشاد ہوا "حضرت جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے اور مجھ سے فرمایا کہ میں تمہیں بشارت سناتا ہوں کہ باری تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو تجھ پر درود بھیجے گا میں بھی اس پر درود بھیجوں گا اور جو تجھ پر سلام بھیجے گا میں بھی اس پر سلام بھیجوں گا۔" اور اسی لئے آپ کا وہ سجدۂ اطہر سجدۂ تشکر تھا کہ بارگاہِ رب العالمین سے سر اٹھانے کو جی نہ چاہتا تھا۔

درود، جیسا کہ درج بالا آیات نمبر ۶ سے ثابت ہے، حکمِ ربّی ہے اور ایک ایسا فعل جو حق سبحانہٗ تعالیٰ خود کرتا ہے۔ یہ تو اس کا کرم ہے کہ اس نے ملأ اعلیٰ کی

— اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور راستی کی بات کہو۔
— (اللہ) تمہارے اعمال تمہارے لئے سنوار دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور جس کسی نے بھی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی سو اس نے بڑی کامیابی پائی۔ (۳۳/۷۱-۷۰)

یہ خبر دے کر ہم کو اس خزینۂ فیض رساں سے آشنا کر دیا۔ اور اپنے حبیب اکرم مختار صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اس کے فضائل بھی امتِ مسلمہ پر آشکار فرما دیئے۔

حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف سے آپؐ کے مرتبۂ عالی مقام کا اظہار صحابۂ کرام کے لئے تسکین وطمانیت کا سبب ہوا اور وجۂ تسلی وتشفی بھی تاکہ وہ منافقین اور دشمنانِ رسولؐ کی ان باتوں سے دل شکستہ اور ملول خاطر نہ ہوں جو کہ وہ اللہ کے رسول رحمتِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانے کے لئے از خود کرتے رہتے ہیں۔ چونکہ ایسے لوگ اپنی حرکاتِ ظالمانہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی لعنت کو دعوت دیتے ہیں اور پھر ذلت کے عذاب سے نوازے جاتے ہیں۔

منکرین کی طرح منافقین نے بھی یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ وہ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے متعلق سوال کیا کرتے تھے۔ ان کا مقصد معلومات کا حصول نہ تھا بلکہ وہ اسی طرح کے سوالات کر کے در پردہ مسلمانوں کو اللہ کے رسول نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بدگمان کرنا چاہتے تھے اور بعض سادہ لوح مسلمان ان منافقین کی باتوں میں دلچسپی کا اظہار بھی کرنے لگے تھے۔ لہٰذا آیات ۶۰ تا ۷۱ میں منافقین کی باتوں کا ذکر کرتے ہوئے حق سبحانہ تعالیٰ نے عام مسلمانوں کو تنبیہہ فرمائی کہ وہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مرتبۂ عالیہ کو سمجھیں جس کا درج بالا آیات میں ذکر کیا جا چکا ہے اور ان منافقین اور حاسدین کی باتوں میں آ کر ان یہودیوں کی طرح نہ ہو جائیں جنہوں نے اپنے محسنِ اعظم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی حرکاتِ نازیبا سے اذیتیں پہنچائی تھیں۔

ــــ ہم نے (یہ) امانت پیش فرمائی آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر سو ان سب نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور اس سے ڈر گئے، اور اسے انسان نے اپنے ذمے لیا۔ بے شک وہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا بڑا نادان ہے۔

(۳۳/۷۲)

یہودی اپنی حرکات سے حضرت موسیٰؑ کو تو کوئی نقصان نہ دے سکے چونکہ اللہ کے نزدیک تو انہیں مقامِ رفعت و عظمت حاصل تھا لیکن اپنی باتوں کی وجہ سے خود ہی ذلیل و خوار ہوئے۔ اور پھر آیت نمبر ۷۲ میں اُس امانتِ عظمیٰ کا ذکر کیا گیا ہے جس کا بار اٹھانے سے زمین و آسمان اور پہاڑ بھی دامن بچا گئے تھے لیکن انسان نے اس بار کو اپنے شانوں پر اٹھانا قبول کر لیا تھا۔

امانتِ عظمےٰ وہی مقامِ خلیفۃ اللہ فی الارض ہے جو کہ انسان کو اشرف المخلوقات کے درجۂ عالیہ سے نوازتا ہے۔ لہٰذا جو انسان اللہ تعالےٰ کے احکامات پر صبر و تحمل کے ساتھ عمل کرتے ہیں۔ وہ اس بارِ امانت کا حق ادا کرتے ہوئے اللہ کی رضا پا جاتے ہیں۔ لیکن جو اللہ تعالیٰ کے احکامات سے روگردانی کرتے ہوئے خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں وہ بارگاہِ الوہیت میں سزا کے مستحق بن جاتے ہیں۔ لہٰذا آیت نمبر ۷۳ میں یہ بات واضح کر دی گئی کہ منافق اور مشرک جو ہادی مرسل نبئ محتشم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں کمربستہ ہیں یقینی طور پر سزا پائیں گے چونکہ یہ سراسر اللہ تعالےٰ کے حکم سے روگردانی کر کے خیانت کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ لیکن اہلِ ایمان مرد اور عورت اللہ اور اس کے رسولؐ

— (اس بارِ امانت اٹھانے کا) انجام یہ ہوا کہ اللہ منافق مردوں اور عورتوں، اور مشرک مردوں اور عورتوں کو سزا دے گا۔ اور ایمان والوں اور ایمان والیوں پر توجہ فرمائے گا۔ اور اللہ بڑا ہی مغفرت والا بڑا رحمت والا ہے۔ (۳۳/۷۳)

کے احکامات پر عمل پیرا ہونے اور اس راہ کی اذیتوں کو صبر و تحمل سے برداشت کرنے کے سبب حق سبحانہٗ تعالےٰ کے انعام و اکرام سے نوازے جائیں گے۔ چونکہ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے حق سبحانہٗ تعالےٰ کی سونپی ہوئی امانت کا حق ادا کیا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى خَاتِمِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ

(بحوالہ صحیح بخاری شریف، مسند احمد، ترمذی، نسائی، ابو داؤد، مسلم ابنِ کثیر، جلالین)

تیسری جلد ختم شد۔ ۳۰ شوال ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۱ ستمبر ۱۹۸۰ء

اشاریہ

انبیاء علیہم السلام

ملائک

اجدادِ مصطفےٰ

خاندانِ مصطفےٰ

ازواجِ مطہرات

آلِ مصطفےٰ

خلفائے راشدین

صحابۂ کرام

صحابیات

رئیس المنافقین

خادمانِ مصطفےٰ صلعم

آپ صلعم کے حلیف

دشمنانِ مصطفےٰ صلعم

یہودی

کتابیات

اس کتاب کی ترتیب وتدوین، تصنیف وتالیف میں جن تفاسیر وتراجم قرآن مجید، کتب سیر واحادیث اور دوسری کتابوں سے بالواسطہ یا بلاواسطہ استفادہ کیا گیا ہے ان کی فہرست درج ذیل ہے۔

نمبر شمار	نام کتب	نمبر شمار	نام کتب
۱	الاتقان (سیوطی)	۹	تفسیر عثمانی
۲	تفسیر الامامین الجلیلین	۱۰	بیان القرآن
۳	تفسیر ابن کثیر	۱۱	القرآن الحکیم
۴	تفسیر خازن	۱۲	ترجمہ مولانا محمود الحسن
۵	تفسیر بیضاوی	۱۳	تفہیم القرآن
۶	تفسیر زرقانی	۱۴	مسلم شریف
۷	کنز الایمان	۱۵	بخاری شریف
۸	خزائن العرفان	۱۶	نسائی

نمبر شمار	نام کتب	نمبر شمار	نام کتب
۱۷	ابن ماجہ	۲۴	سیرت رسول اللہؐ
۱۸	ترمذی	۲۵	سیرت النبیؐ
۱۹	مشکوٰۃ شریف	۲۶	مدارج النبوۃ
۲۰	فتح الباری	۲۷	دلائل النبوۃ
۲۱	طبری	۲۸	توریت
۲۲	ابن ہشام	۲۹	تالمودک مسلینی پال آئزک لندن
۲۳	ابن سعد	۳۰	کتاب مقدس (بائبل)

علّامہ طالب جوہری
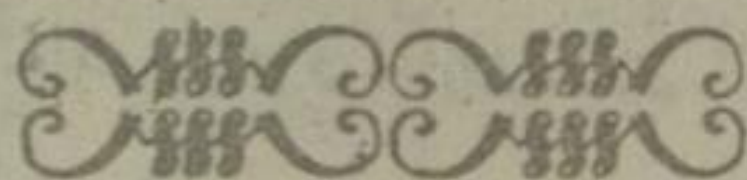
"رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار قرآن مجید کی عملی تفسیر ہے۔ سورۂ یونس اور سورۂ نجم میں آپ کے کردار و گفتار کو تابع وحی الٰہی بتایا گیا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید بھی کردارِ محمدؐ کا آئینہ ہے۔ رسولؐ اور قرآن ایک دوسرے کے لیے اس طرح لازم و ملزوم ہیں کہ ایک کا تصور دوسرے کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔ "جمالِ مصطفےٰؐ" اسلام کی ان ہی دو بنیادی حقیقتوں کا سنگم ہے۔ اس میں ختمی مرتبتؐ کی سیرتِ مبارکہ کو قرآن کی ترتیبِ نزول کے اعتبار سے مدوّن کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب ایک جہت سے کتبِ سیرت میں شامل ہے اور دوسری جہت سے "قرآنیات" میں ایک اضافہ ہے۔"

مسٹر جسٹس قدیر الدین احمد

"زیرِ نظر کتاب میں جو طرز اختیار کیا گیا ہے اس میں دلپذیری ہے حُسنِ کاوش کی جھلکیاں ہیں۔ زبان خوب ہے اور بیان صاف بلکہ دل آویز ہے۔ خدا مصنف کو اس کا اجر عطا فرمائے۔

سیّد شریف الدین پیرزادہ

اٹارنی جنرل پاکستان

اس کتاب کو اگر اسلامی تعلیمات کے نصاب میں شامل کر لیا جائے تو یقیناً یہ نوجوان نسل کو قرآنی تعلیمات اور رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ سے روشناس کرنے میں بڑی سودمند ثابت ہو سکتی ہے۔